

سہ ماہی کاروان ادب

جولائی تا دسمبر ۲۰۱۲ء

جلد ۱۹ شماره ۲-۳

مجلس مساورت

☆ مولانا سید محمد واضح رشید ندوی، لکھنؤ

☆ مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی، لکھنؤ

☆ مولانا حافظ فضل الرحیم

☆ ڈاکٹر محمود الحسن عارف

☆ مولانا محمد سلطان ذوق ندوی

مدیر مسئول

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم شعبہ برصغیر)

مجلس ادارت

☆ مولانا نذرا حفیظ ندوی، لکھنؤ

☆ ڈاکٹر سید ضیاء الحسن، لکھنؤ

☆ ڈاکٹر شفیق احمد ندوی جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

☆ ڈاکٹر تابش مہدی، دہلی

معاون انتظامی

اقبال احمد ندوی

-: زرتعاون :-

اس شماره کی قیمت: ۸۰ روپے، سالانہ پندرہ ہندوستان ۱۵۰ روپے
پاکستان و بیحد دیش: ۳۰۰ روپے یا ۱۰ امریکی ڈالر
ان کے علاوہ دیگر ممالک: ۳۰۰ روپے

چیک یا ڈرافٹ اس نام سے تائیں

RABITA-AL-ADAB-AL-ISLAMI(INDIA)

فہرست مضامین

۳	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	منزل بہ منزل
		علمی مقالات
۵	مولانا اقبال احمد ندوی	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی
		اور تعمیری ادب
		شعر و ادب
۱۰		غزلیں

دار عرفات رائے بریلی میں قصص قرآنی کے موضوع پر منعقدہ سیمینار کے منتخب مضامین

۱۱	ڈاکٹر احمد علی حسنی ندوی	خطبہ استقبالیہ یک روزہ علاقائی سیمینار ...
۱۳	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	سکرٹری رپورٹ ...
۲۰	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	خطبہ صدارت ...
۲۷	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن الاعظمی ندوی	کچھ اعجاز اور تراجم قرآن کے بارے میں
۳۳	محمد نقیس خاں ندوی	قصص قرآنی - اغراض و اسالیب
۳۷	محمد خالد باندوی ندوی	قرآنی قصوں میں انسانی لطائف ...
۴۲	محمد مسعود عزیز ندوی	ابراہیمی قصوں میں قرآنی ہدایات
۴۹	مولانا مسعود الحسن ندوی	قصص قرآنی اور سورہ کہف ...
۵۷	مولانا محمد فرمان ندوی	قرآنی قصوں میں ظاہری تکرار ...
۶۰	مولانا محمد انوار عالم ندوی	قرآنی قصوں میں نسوانی جذبات ...
۶۳	مولانا علامہ الدین ندوی	قصہ مریم میں جذبات ...
۷۱	مولانا عبدالہادی اعظمی ندوی	قرآنی قصوں میں مکالمہ نگاری ...
۷۷	ڈاکٹر غیاث الدین ندوی	سرطور مکالمہ ربانی
۸۱	مولانا محمد وحید ندوی	قرآنی قصوں میں تکرار ...
۸۷	مولانا عبدالرحمان ناخدا ندوی	اسرائیلی قصے اور قرآنی صدائیں
۹۰	ڈاکٹر جمشید احمد ندوی	قرآنی قصے - قرآن مجید ...
۹۳	مولانا محمد اعظم ندوی	قصہ دو ہاتھوں والے شخص کا
۹۸	تجاویز کتبلی	تجاویز

-: صدر دفتر :- رابطہ ادب اسلامی (عالمی) پوسٹ بکس ۹۳، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فہرست مضامین

رقبہ ادب

- ۱۰۰ رپورٹ مذاکرہ علمی رابطہ ادب اسلامی عالمی بعنوان ”ادب نبوی کا تریقی پہلو“ منعقدہ المعهد الاسلامی ماہک منوع سہارنپور (یوپی)
بتاریخ ۷-۱۸ اپریل ۲۰۱۲ء بروز شنبہ و یکشنبہ
مولانا اقبال احمد ندوی
- ۱۰۷ رابطہ ادب اسلامی کے ۳۱ ویں سیمینار کا دعوت نامہ
ادارہ
- ۱۰۸ نقد و نظر تبصرہ
بر کتاب ”جہان جذب و کشش“
مؤلف: سید قمر الحسن

عربی مقالات

- ۱۰۹ قصہ ابراہیم علیہ السلام و التوحیددراسة أدبية موضوعية الأستاذ شاکر فرخ الندوي الأزهری
اس شمارہ کے اردو مقالات کی عربی تلخیص
مولانا محمد فرمان ندوی

(تلخیص المقالات باللغة العربية)

- ۱۱۶ فضيلة الشيخ محمد واضح رشيد الحسني الندوي
تقرير السكرتير
- ۱۲۲ سماحة الشيخ السيد محمد الرابع الحسني الندوي
خطبة الرئاسة
- ۱۲۷ سعادة الدكتور سعيد الأعظمي الندوي
كلمات عن إعجاز القرآن و تراجمه
- ۱۲۹ الأستاذ محمد نفيس خان الندوي
القصص القرآنية : أهدافها و أساليبها
- ۱۲۹ الأستاذ محمد خالد البانودي الندوي
تصوير الطباع و الاتجاهات الإنسانية في القصص القرآنية
- ۱۳۰ المفتي محمد مسعود العزيمي الندوي
التوجيهات القرآنية في قصة إبراهيم عليه الصلاة و التسليم
- ۱۳۱ الأستاذ سعود الحسن الندوي الغازيفوري
القصص القرآني و القصص الأربعة من سورة الكهف
- ۱۳۲ الأستاذ محمد فرمان الندوي
التكرار في القصص القرآني و حكمته الأدبية و الفنية
- ۱۳۳ الأستاذ محمد أنوار عالم الندوي
جوانب للعواطف النسوية في القصص القرآنية
- ۱۳۳ الأستاذ محمد علاء الدين الندوي
تصوير العواطف و الأحاسيس في قصة مريم عليها السلام
- ۱۳۳ الأستاذ عبد الهادي الأعظمي الندوي
الحوار في قصص القرآن : استعراض موجز
- ۱۳۵ الدكتور محمد غياث الدين الندوي
سر الكلام الرباني
- ۱۳۵ الأستاذ محمد وثيق الندوي
التكرار في القصص القرآنية و مزاياها الأدبية
- ۱۳۶ الأستاذ عبد السبحان الندوي
القصص الإسرائيلية و الحقائق القرآنية
- ۱۳۷ الدكتور جمشيد أحمد الندوي
قصة موسى عليه السلام في القرآن الكريم و فوائدها
- ۱۳۷ الأستاذ محمد أعظم الندوي
قصة رجلين كان لأحدهما جنتان
- ۱۳۸ لجنة صياغة القرارات
قرارات و توصيات لندوة التخصص القرآني
- ۱۳۹ الأستاذ إقبال أحمد الندوي
تقرير عن الندوة الأدبية للرابطة المنعقدة في سهارنپور
حول موضوع الجوانب التربوية للأدب النبوي

منزل بہ منزل

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

قرآن مجید وحی کے ذریعہ آخری نبی حضرت محمد
خوبیوں کے ساتھ شعر میں اثر پذیری کے جو مختلف انداز
ہوتے ہیں، ان میں سے بعض سے اثر پذیر انداز سے
مشابہت نظر آتی ہے، لیکن اثر پذیری اور جمال تعبیر میں
بڑھا ہوا انداز ملتا ہے، اس طرح قرآن کا اسلوب کلام ادبی
چاشنی کا بھی حامل ہے۔ چونکہ وہ ارفع اور عظیم قدرت

والے کا کلام ہے اس لیے انسان اس جیسی

عبارت کی نقل کی کوشش

بھی کرے تو بھی ایسا

کلام اور مضامین لانے

سے بالکل قاصر ہے، عرب

کے باذوق اس کے مطلب کو

تو سمجھتے تھے، کیونکہ اس کے الفاظ

ان کی سمجھ میں آنے والے رکھے

گئے، لیکن اسکے باوجود ایسا کلام وہ بنا

..... قرآن مجید میں رب العالمین کی طرف سے
انسانوں کو نیک بننے اور اچھے کام اختیار کرنے
اور اپنے مالک و خالق رب العالمین کو ماننے اور
اس کے حکم پر چلنے کی طرف مختلف اسلوب بیان
میں اور موثر انداز میں تلقین کی گئی، اور مثالیں بھی
دی گئی ہیں، اس طرح وہ سب انسانوں کے لیے
اعلیٰ ترین اور موثر ترین کتاب ہدایت ہے، اس
کی روشنی میں انسانوں کی ایسی اصلاح ہوتی رہی
ہے کہ جو کسی اور ذریعہ سے نہیں ہو پائی.....

نہیں سکے۔

اور جو بات بھی قوت انسانی کے بس سے

باہر ہو اور رب العالمین کے پیغمبر کے ذریعہ

انسانوں کے لائق بنا کر اتاری گئی ہو، وہ انسان کے بس

قرآن مجید وحی کے ذریعہ آخری نبی حضرت محمد
پر ۲۳ سالہ مدت میں بتدریج اتارا گیا، اس کے
اتارے جانے میں موقع و محل کی ضرورت و تقاضوں کا لحاظ
رکھا گیا تاکہ سننے والے ضرورت اور واقعہ سے مطابقت کو
دیکھ کر بہتر طریقہ سے سمجھ سکیں، بنیادی مقصد

اس میں لوگوں کی ہدایت و رہنمائی

رکھا گیا، وہ اللہ تعالیٰ کا براہ راست کلام

ہے، اس میں اسی کے مطابق تقدس

ہے، اسی لئے اس کو پڑھنا بھی

عبادت ہے اور وہ انسانوں کے

فہم و ادراک کا لحاظ رکھے

جانے کے باوجود انسانوں

کی سطح سے بہت بلند

حیثیت رکھتا ہے، اس

میں انسانی ذوق کا

لحاظ رکھتے ہوئے اصناف کلام کی

رعایت بھی رکھی گئی، اسی مناسبت سے اس کے

اسلوب کلام میں طرح طرح کا تنوع بھی ملتا ہے۔ شرکی

انسانوں کے لائق بنا کر اتاری گئی ہو، وہ انسان کے بس

و کردار اور حسن عمل کی یہ اعلیٰ سطح دکھائی گئی ہے کہ وہ اپنے کو اس پر فائز کرے اور اس میں عقل و دانش کی جو باتیں بتائی گئی ہیں ان کو اختیار کرے، عقل و دانش کی انہی باتوں کی بنا پر اس کتاب کو حکیم کے لفظ سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔

اللہ کے اس کلام میں انسان کو اپنی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں فائدہ اٹھانے کا موقع رکھا گیا ہے، اس میں انسانی زندگی کے لئے ایسی ہدایتیں اور اس کے خیر و شر کی ایسی باتیں ہیں کہ ان کے سامنے آنے پر انسان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، بلکہ قدرت الہی کی کرم فرمائی پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور اس کی عظمت کے سامنے سپر انداز ہو جاتا ہے، یہ تو اس کے معانی اور مضامین کا حال ہے، رہا لفظی پیکر اور عبارتی پہلو تو تفہیم معانی اور حسن ادا کے جو گونا گوں پہلو انسانی فہم کے لئے کشش رکھتے ہیں وہ زبان و بیان کے ماہرین کے سامنے برابر منکشف ہوتے رہتے ہیں اور ان کے انکشاف کا یہ سلسلہ ۱۴ سو سال سے تاحال جاری ہے اور وہ اس کلام میں کے معجزہ الہی ہونے کی دلیل بنتے رہتے ہیں۔

عالمی رابطہ ادب اسلامی نے قرآن مجید کے اسی بلاغتی پہلو کو اپنے ایک سیمینار کا موضوع بنایا جو دارِ عرفات رائے بریلی میں منعقد ہوا اور اس میں قیمتی مقالے پیش ہوئے، ان مقالات کا انتخاب ”کاروان ادب“ کے اس شمارہ میں پیش کیا جا رہا ہے، امید ہے کہ قارئین ان سے مستفید بھی ہوں گے اور قرآن مجید کے معجزانہ کلام کا مشاہدہ بھی کریں گے۔ ☆☆☆

میں نہ ہونے کی وجہ سے معجزہ کہی جاتی ہے، لہذا قرآن مجید اپنی گونا گوں اعلیٰ صفات کے لحاظ سے معجزہ ہے، چنانچہ عربوں نے جن کو عربیت میں اعلیٰ ترین صلاحیت حاصل تھی اور اثر انگیز طریقہ سے بات کر سکتے تھے قرآن مجید جیسے معیار بیان و وضاحت کی نقل نہیں کر سکے، بلکہ اس کو جو بھی سن لیتا فریفتہ ہو جاتا اور ایمان لے آتا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود اس کے کلام مجید میں عربوں کو بار بار چیلنج کیا گیا کہ اگر تم کو اس کے کلام الہی ہونے میں شبہ ہو تو تم ایسا کلام بنا کر دکھاؤ، لیکن وہ اس کی ہمت نہ کر سکے، اس کے برعکس وہ اس کو جب سن لیتے تو اس کے کلام الہی ہونے کو مان لینے پر مجبور ہو جاتے اور مان لینے کے بعد اس میں جو ہدایت انسانوں کو دی گئی ہے اس کو عمل میں لانے میں لگ جاتے، اس بات کی بہت سی مثالیں ہم کو عہد اول کے عربوں میں ملتی ہیں۔

قرآن مجید میں رب العالمین کی طرف سے انسانوں کو نیک بننے اور اچھے کام اختیار کرنے اور اپنے مالک و خالق رب العالمین کو ماننے اور اس کے حکم پر چلنے کی طرف مختلف اسلوب بیان میں اور موثر انداز میں تلقین کی گئی، اور مثالیں بھی دی گئی ہیں، اس طرح وہ سب انسانوں کے لیے اعلیٰ ترین اور موثر ترین کتاب ہدایت ہے، اس کی روشنی میں انسانوں کی ایسی اصلاح ہوتی رہی ہے کہ جو کسی اور ذریعہ سے نہیں ہو پائی۔

اس طرح انسانی مخلوق کو جو کہ دیگر دنیاوی مخلوقات سے اعلیٰ و اشرف بنائی گئی ہے اس کے اخلاق

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

اور تعمیری ادب

اقبال احمد ندوی

استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

کمالات اور مجموعہ شش جہات تھے، آپ بیک وقت نامور عالم دین، بالغ نظر معلم، بلند پایہ مصنف و دانشور، سحر انگیز مقرر و خطیب، صاحب طرز انشاء پرداز و ادیب، منفرد سیرت نگار، مورخ و نقاد، پیام انسانیت کے داعی، قدیم و جدید علوم کے سنگم، علوم قرآنی کے دانائے رموز، علوم حدیث و سیرت کے واقف، اسرار، نباض شریعت، رہ نور و طریقت، صوفی باصفا، عالم بے ریا، شیخ وقت اور مجددین تھے، لیکن ان سب جہتوں سے بڑھ کر ایک داعی، ایک مبلغ، ایک مصلح اور ایک صاحب دل مزیکی اور مربی تھے، آپ کی پوری زندگی دعوت اسلام، فکر اسلام اور تبلیغ دین سے عبارت تھی۔ آپ نرے عالم اور زاہد خشک اور واعظ بے کیف نہیں تھے، بلکہ آپ کی تحریر و تقریر میں وہ دلکشی اور رعنائی پائی جاتی تھی جو قاری اور سامع کو اپنا گرویدہ و فریفتہ اور شیفتہ و شیدا بنا لیتی تھی۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے زبان و قلم میں جو تاثیر اور دلکشی و رعنائی تھی، اس کی وجہ سوز دروں اور اخلاص کے ساتھ ساتھ ادبی کتابوں کا مطالعہ اور زبان و ادب کا سحر اذوق تھا، خود مولانا نے اپنے ایک انٹرویو میں یہ بات کہی ہے کہ ”میرے نزدیک ابتداء میں ادبی مطالعہ کی اہمیت بہت ہے، خوش قسمتی سے جن لوگوں کو ابتداء میں اچھی ادبی کتابوں کے مطالعہ کا موقع مل جاتا ہے، اور ان کا ادبی ذوق کسی حد تک بن جاتا ہے،

میر کارواں، سالار دوراں، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ایک عبقری شخصیت تھی، جس کی مثال صدیوں اور قرونوں میں ملنی محال ہے، جس کی عطر بیزی نے پورے عالم اسلام کے مشام جاں کو معطر کیا۔ آپ جیسا دیدہ ور چمن دہر میں بڑی مشکل سے پیدا ہوتا ہے، اور جس کے لیے نرگس چمن ہزاروں سال روتی ہے تب کہیں صدیوں میں اس کی مراد پوری ہوتی ہے۔ کیا عرب، کیا عجم، ہر جگہ آپ کا طوطی بولتا تھا، اور یورپ ہو یا امریکہ، ہندوستان ہو یا کوئی عرب ملک، ہر جگہ آپ میر مجلس اور صدر نشین ہوتے تھے۔ بقول مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی مرحوم: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی شہرہ آفاق عالم و مصنف تھے۔ ان کے مرغ شہرت کی پرواز ہندوستان کی فضا سے لے کر دنیا کے کونے کونے تک وسیع تھی، مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک ان کا غلغلہ بلند تھا، اور وہ عرب و عجم میں یکساں محبوب و مقبول اور مکرم و محترم تھے:

هذا الذي تعرف البطحاء وطأته

البيت يعرفه والحل و الحرم

حضرات! حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندوی

رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہشت پہل شخصیت تھی، آپ جامع

سے نکلے، کسی پیغمبر کی زبان سے ادا ہو، کسی آسمانی صحیفہ میں ہو، اس کی شرط یہ ہے کہ بات اس انداز سے کہی جائے کہ دل پر اثر ہو، کہنے والا مطمئن ہو کہ میں نے بات اچھی طرح کہہ دی، سننے والا اس سے لطف اٹھائے، اور اس کو قبول کرے۔“

ادب کی یہی وہ طاقت اور تاثیر تھی جو مولانا کے تمام علمی و تالیفی، دینی و دعوتی کاموں کا جزو غالب تھی، اور مولانا نے اس سے خدمت دین کی راہ میں بہت کام لیا۔ آپ ایک صاحب طرز ادیب اور ماہر انشاء پرداز تھے، زبان و بیان پر بڑی قدرت تھی، اسلوب میں جدت و ندرت اور سلاست و متانت پائی جاتی تھی۔ مولانا کا اپنا ایک مخصوص اور منفرد اسلوب ہے، جس میں حلاوت، چاشنی، بر جستگی، شیفنگی، حسن و جمال اور سلاست و روانی سبھی کچھ ہے۔

حضرت مولانا نے مولانا عبد الماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہما کے اسلوب سے متعلق جو بات لکھی ہے، بعینہ وہی بات خود حضرت مولانا کے اسلوب پر صادق آتی ہے، ملاحظہ ہو، مولانا ندوی فرماتے ہیں:

”ایک فطری ادیب اور صاحب قلم کی پہچان یہ ہے کہ موضوع کیسا ہی سادہ، سنجیدہ اور خشک و پر تقدس ہو وہ اپنے قلم کی جولانی، خیالی کی رعنائی اور طرز ادا کی دل آویزی کو روک نہیں سکتا، اور اس کے اپنے ادبی ذوق اور اسلوب تحریر سے عاری و خالی ہو جانا ناممکن ہوتا ہے۔ ... مولانا عبد الماجد دریابادی کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی کوئی تحریر زبان و ادب کی چاشنی سے خالی نہیں، اور کہیں ان کا

یا ان کے اندر ادبیت کے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں، وہ خواہ فلسفہ کا موضوع اختیار کریں یا دینیات کا میدان، ان کی تحریر میں شگفتگی اور شیرینی باقی رہتی ہے، اور وہ زیادہ کامیاب مصنف ثابت ہوتے ہیں۔ میرے نزدیک ہر مرحلے میں کسی نہ کسی قدر ادبی مطالعہ کا عنصر شامل رہنا چاہئے۔“ (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: حیات و افکار کے چند پہلو)

یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ادب کی قوت و تاثیر سے نہ صرف واقف بلکہ اس کے پرزور داعی تھے، کیونکہ مولانا کے نزدیک ادب اپنے اندر عظیم تعمیر و تخریبی طاقت رکھتا ہے، اس سے خیر اور شر دونوں کام لیے جاسکتے ہیں، اس لیے اسے کسی بھی حال میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے، اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اس سے کون سا کام لیتے ہیں، خیر کا یا شر کا؟ مولانا فرماتے ہیں:

”مجھے اپنی تدریسی و تعلیمی مشغولیت کے زمانہ میں بھی اور اپنے تحریری و تصنیفی دائرہ کے اندر بھی، ہمیشہ اس حقیقت کا ادراک رہا کہ ادب اپنے اندر عظیم تعمیر و تخریبی طاقت رکھتا ہے، اس سے ایک طرف عقائد صحیحہ کی استواری، اور صحت مند اور صالح رجحانات کی آبیاری کا کام لیا جاسکتا ہے، تو دوسری طرف اخلاقی انسانی قدروں پر تیشہ زنی اور ذہنی و معاشرتی انتشار کا بھی، اور ہر دور میں اس کی روشن اور ناقابل انکار شہادتیں ملتی ہیں۔“

(کاروان زندگی)

مزید ادب کا تعارف کراتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

”ادب ادب ہے خواہ وہ کسی مذہبی انسان کی زبان

اس بات کا اپنی ہر تصنیف میں آپ نے اہتمام رکھا ہے کہ جو بات کہی اور لکھی جائے وہ علم و تحقیق کے اعتبار سے باوزن اور باوقار ہونے کے ساتھ اپنے اندر مخاطبین کے لیے زندگی کا پیغام اور موجودہ مسائل کے حل کا سامن رکھتی ہو، یہی وجہ ہے کہ ہزاروں صفحات لکھنے کے باوجود ان کا اہم قلم ہمیشہ مکہ کی راہ چلتا رہا، ترکستان کی راہ کی طرف کبھی نہیں چلا۔ طرز ادا کی بے تکلفی اور بے ساختگی، زبان و بیان کی حلاوت و شیرینی اور عام فہم و سادہ انداز اس پر مستزاد۔“

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقریر و تحریر میں قرآن و حدیث کی تعلیمات اور مخلص اہل فکر کے افکار کے مستند حوالوں کے ذریعے اپنی باتوں کو موثر بنایا، مولانا کی کتابوں میں سے متعدد تصنیفات مسلمانوں کی غیر معمولی شخصیات کی سوانح پر ہیں، اور متعدد تصنیفات مسلمان قوموں کے اخلاقی و فکری جائزوں پر مشتمل ہیں، اور متعدد تصنیفات اصلاح و تربیت کے موضوعات پر مشتمل ہیں، متعدد تصنیفات خالص علمی اور فکری مواد پر مشتمل ہیں، لیکن ان میں بھی مولانا کا اسلوب اصلاحی و تربیتی رہا ہے۔ مولانا کی تصنیفات و تقاریر کا اسلوب خواہ علمی و تحقیقی موضوع ہو، عموماً دلنواز اور موثر انداز کا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ پختہ اور بلوغ ہے۔

مولانا کے کلام کی خوبی یہ ہے کہ آپ اشارہ کنایہ میں بڑی سے بڑی بات کہہ جاتے ہیں، لیکن اتنی حلاوت اور مٹھاس کے ساتھ کہ سننے والا اس سے یہ نہیں محسوس کرتا کہ اس پر الگ سے کوئی چیز لادی جا رہی ہے، بلکہ وہ اسے اپنے دل کی

اسلوب تحریر جو ان کی شخصیت بن گیا ہے ان کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔“
(پرانے چراغ)

بالکل یہی بات ہم حضرت مولانا ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ ان کا اسلوب ان کی شخصیت کی پہچان بن گیا ہے، جو کسی بھی حال میں ان کا ساتھ نہیں چھوڑتا ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے تحریر و تقریر کی خصوصی صلاحیت عطا فرمائی تھی جسے وہ دعوت الی اللہ کے لئے استعمال کرتے تھے، وہ مرتب و مدلل گفتگو کرتے، اور ان کے خطابات میں ان کی شخصیت کا نور جھلکتا دکھائی دیتا تھا، اور ان کی روحانیت کی تاثیر صاف طور پر نظر آتی تھی۔

مولانا ابو العرفان خاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ سابق استاد و مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج اور اسلوب کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

”آپ کو مولانا کی ہر تصنیف میں (اور یہی بات آپ کی تقریر کے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے) خواہ وہ کسی موضوع پر ہو، حقیقت پسندی، تاریخ اور زندگی کے گہرے مطالعہ کے تابناک نقوش نظر آئیں گے، اور آپ فرست ایمانی کی جھلکیاں بھی دیکھیں گے، روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے واقعات سے اقوام و ملل کے حال و مستقبل پر اثر ڈالنے والے بڑے نتائج کے استنباط اور استخراج کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو امتیازی قوت و صلاحیت نصیب فرمائی ہے، ساتھ ہی

”حضرات! آپ مجھے معاف کریں، اگر میری بات لمبی ہو جائے، میں ”دخل در ماکولات“ کر رہا ہوں، ”دخل در معقولات“ بھی اچھی چیز نہیں ہے، لیکن ”دخل در ماکولات“ اس سے بھی زیادہ سخت چیز ہے کہ یہ کھانے کا وقت تھا، میں آپ سے باتیں کر رہا ہوں، کھانا تو مجھے ہر جگہ مل جائے گا، لیکن میں آپ کو کہاں ڈھونڈوں گا؟“

آپ نے دیکھا! مولانا نے کس خوبصورتی اور خوبی سے، اور ظرافت آمیز حسن بیان سے اپنی بات بغیر کسی جبر و اکراہ کے سننے پر آمادہ کیا، آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس طرزِ مخاطب سے سامعین پر کیا اثر پڑا ہوگا۔

حضرات! مولانا کا ایمان پختہ اور عقیدہ راسخ تھا، آپ کو اسلام کی حقانیت پر پورا یقین اور جزم تھا، آپ دوسروں کو بھی مسلمان بنکر رہنے اور ایمان کو سب سے بڑھ کر عزیز رکھنے کی تلقین فرماتے تھے، اور ایسے البیلے اسلوب میں کہ جواز دل خیز دو بردل ریز کا مصداق ہوتا تھا۔ ایک تقریر میں کہتے ہیں:

”آپ کو اس ملک میں ہر حال میں مسلمان بن کر رہنا ہے، آپ جانوروں اور پرندوں کی طرح زندگی نہیں گزاریں گے جن کو راتب کا ملنا کافی ہے۔ ہم محض ”راتب“ پر اسی ملک میں نہیں، کسی عرب یا خالص مسلمان ملک کی سرزمین پر بھی رہنے پر تیار نہیں جہاں ”راتب“ کے سوا ہم کو باعزت، آزاد اور ضمیر و عقیدہ کے مطابق زندگی گزارنے کی دولت میسر نہیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس دن آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ آپ کو ایمان سب سے

آواز سمجھتے ہوئے اسے قبول کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ بنگلہ دیش کا لسانی المیہ ایک بڑا المیہ تھا، جس سے ہر درد مند کا دل دکھا، اور مولانا نے بھی اس کی کسک دل میں محسوس کی۔ پھر مولانا کا ۱۹۸۳ء میں بنگلہ دیش کا سفر ہوا، وہاں آپ نے مختلف اجتماعات میں تقریریں کیں، اور ان میں کسی بھی زبان سے تعصب کی ہولناکی اور خطرناکی سے آگاہ کیا، لیکن اس انداز میں کہ کسی کو اس سے اختلاف کرنے کی جرأت نہیں ہوئی، چنانچہ ایک موقع پر تقریر کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا:

”انہیں صوفیوں اور انہیں درویشوں کے ذریعہ یہاں اسلام آیا، جنہوں نے دماغ سے بات کرنے سے پہلے دل سے بات کی، انہوں نے منہ کی زبان سے بات نہیں کی، دل کی زبان سے کی، منہ کی زبانیں پچاسوں ہو سکتی ہیں، لیکن دل کی زبان ایک ہے، روح کی زبان ایک ہے، سچائی کی زبان ایک ہے، محبت کی زبان ایک ہے، محبت کی زبان ہر جگہ سمجھی جاتی ہے، اور بعض مرتبہ ترجمان کی ضرورت بھی نہیں ہوتی، آنکھوں کی چمک، لبوں کی مسکراہٹ، دل سے ابلتا ہوا محبت کا فوارہ بڑے بڑے دشمنوں کو اور جنگل کے شیروں اور چیتوں کو اپنا کلمہ پڑھنے والا بنا لیتا ہے۔“

مزاح اور ظرافت بھی کلام میں خوبی پیدا کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ اور وسیلہ ہے، مولانا نے اس سے بھی خوب کام لیا ہے، اسی موقع پر بنگلہ دیش میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

میں لکھنے پڑھنے والا آدمی ہوں، لیکن میری توجہ اور میری دلچسپی کا مرکز دو موضوع ہیں، ایک مذہب اور اس میں بھی تقابلی مطالعہ اور ایک تاریخ۔ اور تاریخ صرف ایک حصے کی نہیں، بلکہ تاریخ عالم۔ میں نے عربی، فارسی، اردو اور انگریزی میں اس کا بڑا ذخیرہ دیکھا اور پڑھا ہے، اس مطالعے کے نتیجے میں اس حقیقت تک پہنچا ہوں کہ دنیا کے مذاہب میں سب سے زیادہ اگر کسی چیز پر اتفاق ہے تو وہ یہ ہے کہ ظلم بری چیز ہے، اور اس دنیا کو پیدا کرنے والے کو پسند نہیں، اور جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے، وہ بتاتی ہے کہ ظلم سے بعض اوقات بڑی بڑی سلطنتوں کے چراغ گل ہو گئے ہیں، اور معاشرے پر باد خزاں چل گئی ہے۔ ان پر مکمل زوال آ گیا ہے اور سارے علمی و ادبی کارنامے اور ذخیرے خاک میں مل گئے ہیں۔“

غرض اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ادب کی جو تاثیر بخشی تھی، اس سے مولانا نے تعمیری، اصلاحی و تربیتی کام لیا، اسے تفریح اور تسلی کا ذریعہ نہیں بنایا، اور ایک مرد مومن اور مخلص بندہ کی یہی خصوصیت ہے کہ وہ اپنی علمی و ادبی ساری صلاحیتیں اللہ کی خوشنودی اور دین کی سر بلندی کے لئے وقف کر دیتا ہے، اور اس سے دین کی نصرت و تائید و تقویت کا کام لیتا ہے، جیسا کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے لیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی بہتر سے بہتر جزاء عطا فرمائے، آمین۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔



بڑھ کر عزیز ہے، ایمان کے بغیر بچوں کا جینا بھی آپ کو مطلوب نہیں، اسی وقت سے حالات میں تبدیلی آجائے گی، اور مشکلات کے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔“

(تکبیر مسلسل)

مولانا اپنی خودنوشت سوانح ”کاروان زندگی“ میں

ایک جگہ لکھتے ہیں:

”ہندوستانی مسلمان خدا کے فضل سے اسلام میں خود کفیل ہیں، انہوں نے اپنا عقیدہ اور ایمان، اپنا جان و مال اسلام کے دائمی اور غیر فانی مذہب اور تعلیمات سے وابستہ کیا ہے۔ کسی قوم و ملک حتیٰ کہ بلاد عربیہ سے اور کسی عرب قوم سے بھی وابستہ نہیں کیا ہے۔“

انہوں نے محض اللہ کے بھروسے پر یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان کو اسلام اور اسلامی تعلیمات کو اپنے سینے سے لگائے رکھنا ہے، ہم انشاء اللہ وحدت اسلامی اور شریعت اسلامی کا دم بھرتے رہیں گے، ہم اسلامی اصولوں اور اسلام کے مسلک زندگی کے معاملہ میں کسی قسم کا سودا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔“

اخیر میں ہم مولانا کی ایک عبارت پر اپنی بات ختم کرتے ہیں جو انہوں نے لکھنؤ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے ایک مخلوط مجمع میں فرمائی، اس میں مولانا کی بصیرت، انسانیت کی درمندی، وسعت مطالعہ اور تاریخ سے گہری واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے، مولانا نے فرمایا:

”میں بہت معذرت کے ساتھ اتنا عرض کر دوں کہ

غزل

کہ ہمسفر مرا کچھ بدگماں سا لگتا ہے
کہ اس کا ساتھ تو ابر رواں سا لگتا ہے
کئی دنوں سے جو اک سانبان سے لگتا ہے
جو کوئی شخص کبھی مہرباں سا لگتا ہے
مجاہدہ مرا اب رائیگاں سا لگتا ہے
وجود اپنا فقط بادباں سا لگتا ہے
یہ اور بات کہ وہ شادماں سا لگتا ہے

سفر ہے جاری مگر اب گراں سا لگتا ہے
بھروسہ کیسے کروں چلتے پھرتے سائے پر
برس بھی جائے یہ بادل تو تھوڑی پیاس بچھے
شکستہ دل میں کئی دوسو سے اٹھتے ہیں
مرے خلوص پہ شک کر رہے ہیں اپنے لوگ
ہوا کے رخ پہ ہی جیون کی ناؤ چلتی ہے
ہزار درد سموئے ہیں دل میں احسن نے

احسن رضوی

غزل

دنیا میں محبت کے فسانے بھی وہی ہیں
بخشنے اسے احکامِ خدا نے بھی وہی ہیں
ہے وقت وہی اور زمانے بھی وہی ہیں
زنداں ہیں، سلاسل ہیں دوانے بھی وہی ہیں
بلبل بھی وہی اس کے ترانے بھی وہی ہیں
آئینہ وہی آئینہ خانے بھی وہی ہیں
اشعار ہمیں آج شانے بھی وہی ہیں

ہے عہد جنوں اور دوانے بھی وہی ہیں
انساں کو ملا جن سے ہے جینے کا سلیقہ
انداز ہی بدلا ہے مزاجِ بشری کا
کیا جانتے کیوں حق کی صدائیں نہیں آتیں
جھنکار میں نغموں کی ہیں اب درد کے نالے
اب گرد ہے چہرے پہ الگ بات ہے ورنہ
انساں کا جو سویا ہوا احساس جگا دے

چہروں پہ جو ڈالے ہیں نقابیں یہاں ہارون

کردار ہمیں سامنے لانے بھی وہی ہیں

ہارون

احمد علی حسنی ندوی

مدیر دار عرفات، رائے بریلی

خطبہ استقبال

یک روزہ علاقائی سیمینار

بلعنوان: ”قرآنی قصوں میں ادبی و تربیتی پہلو“

بمقام: مرکز الامام ابی الحسن الندوی، دار عرفات، رائے بریلی، انڈیا منعقدہ مورخہ: ۱۰/ اپریل ۲۰۱۱ء

سخرات! آج ہم اس مبارک تقریب کے موقع پر دل سے نمایاں کیا، اور قرآنی قصوں کو موضوع بنا کر اس کی روشنی میں یہ خدمت انجام دی، ”معرکہ ایمان و مادیت“ سورۃ الکہف کی روشنی میں لکھی، اور ان کے دعوتی محاضرات کا مجموعہ ”تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب“ شائع ہوا، جس میں حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کی روشنی میں حکیمانہ اسلوب دعوت کو پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ آسان عربی زبان میں قصص النبیین پانچ حصوں میں لکھی، جس کے شروع کے چار حصوں میں پہلا حصہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے قصوں پر، دوسرا حصہ حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ہود حضرت صالح علیہم السلام کے قصوں پر، تیسرا حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے۔ اور چوتھا حصہ حضرت یونس، حضرت شعیب اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے قصوں پر ہے، اور سب قرآنی آیات کے حوالوں سے اور اس کی روشنی میں ہے تاکہ ان قصوں سے صحیح طور پر تربیت و رہنمائی حاصل کی جاسکے۔ مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کا تاثر بالکل بجا ہے کہ یہ بچوں کا علم کلام ہے، واقعہ یہ ہے کہ نئی نسل کے ایمان و عقیدہ کے تحفظ میں اس

سخرات! آج ہم اس مبارک تقریب کے موقع پر دل کی گہرائیوں سے آپ کا استقبال کرتے ہیں، قرآن مجید سے متعلق ایک اہم موضوع پر جس کا عنوان ”قرآنی قصوں کا ادبی و تربیتی پہلو“ ہے، آپ حضرات کی شرکت ایک طرف حقوق اللہ کی ادائیگی کا ذریعہ بن رہی ہے تو دوسری طرف ہماری دعوت کو قبول کر کے آپ نے ہمارے ادارے سے جس تعلق کا ثبوت دیا ہے اس کے لئے ہم آپ حضرات کے نہایت ممنون اور شکر گذار ہیں۔

حضرات! دار عرفات کے قیام کو چالیس سال سے زائد عرصہ گزر رہا ہے۔ اس مدت کے گزرنے پر ضرورت تھی کہ کسی اہم موضوع پر کانفرنس منعقد کی جائے، قرآن مجید کا تربیتی پہلو ایک ایسا عنوان تھا جس سے بہتر کوئی دوسرا عنوان نظر نہیں آتا، دار عرفات کا ذیلی شعبہ ”مرکز الامام ابی الحسن الندوی“ اس کا منتظم ہے، مرکز کا انتساب جس عظیم شخصیت کی طرف ہے اس شخصیت کا اصل موضوع قرآن مجید رہا ہے، اور ان کی تحریریں اور تقریریں آیات قرآنی کی ہی تفسیر ہوا کرتی تھیں، انہوں نے قرآن مجید کے ادبی اور تربیتی پہلو کو خصوصیت

جس میں اس کے ادبی و تربیتی پہلو کو خصوصیت سے اجاگر کیا گیا ہے، اور اب وہ منظر عام پر آنے کو ہے اور رمضان المبارک میں دیئے گئے ان کے دروس قرآن کو ضبط تحریر میں لانے کا بھی منصوبہ ہے، اور اس پر مستزاد قرآن مجید کی اردو ترجمانی اور ہندی ترجمانی کا کام بھی دار عرفات میں انجام پا رہا ہے اور یہ دونوں کام الحمد للہ تکمیل کے مرحلہ میں ہیں، اسی طرح اردو تراجم قرآن کے ادبی و لغوی جائزہ کا کام بھی زیر تحقیق ہے، اور اسی دار عرفات کے یکے از زبانیاں مولانا سید محمد الحسنی مرحوم بانی مدیر ”البعث الاسلامی“ کے قرآنی مضامین کا ایک حصہ یہاں سے شائع ہو چکا ہے اور دوسرا زیر ترتیب ہے یہ وہ سلسلہ مضامین تھا جو انہوں نے ماہنامہ رضوان لکھنؤ کے لئے شروع کیا تھا۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ شرف قبولیت عطا فرمائے کہ اس کے بغیر کوئی نیکی نیکی نہیں بھلے وہ نیکی سمجھی جائے، جہاں تک مرکز الامام ابی الحسن الندوی کی دیگر سرگرمیوں کا تعلق ہے تو شہر رائے بریلی میں قرآن مجید، حدیث شریف کے دروس اور دینی مسائل میں سوال و جواب کی نشست ہفتہ وار ہوتی ہے، تحقیقی کاموں میں حدیث سے متعلق غریب الحدیث پر ایک واقع کام بھی تکمیل کے مرحلہ میں ہے، اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے مضامین و مقالات کو جمع کرنے کا مستقل الگ کام ایک باحث کے ذمہ ہے، اس کے علاوہ فقہ و فتاویٰ میں تربیت حاصل کرنے کے لئے فارغین مدارس کی ایک تعداد زیر تربیت ہے اور دو جماعتیں تیار ہو کر اپنے اپنے علاقوں میں دینی خدمت انجام دے رہی ہیں، ”پیام عرفات“ اس کا ماہانہ دعوتی و فکری ترجمان ہے، اور ”تعمیر افکار“ دار عرفات کا سہ ماہی

کی اہمیت و افادیت کھلے طور پر ظاہر ہو گئی، اور اب یہ نتائج بھی سامنے آرہے ہیں کہ اس کے ذریعہ دوسروں کو ہدایت بھی مل رہی ہے، اور لوگ مشرف بہ اسلام ہو رہے ہیں، خوشی کی بات ہے کہ متعدد زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اور سب سے پہلے اس کو سامنے رکھ کر اردو ترجمانی کا کام خود مصنف کی بہن مرحومہ امتہ اللہ تنیم صاحبہ نے انجام دیا تھا، اور راقم اللہ کے حضور سجدہ ریز ہے کہ اس کو ہندی میں ترجمہ کی سعادت حاصل ہوئی۔

مقام مسرت ہے کہ آیات قرآنی سے متعلق مولانا کی تحریروں اور تقریروں کا مجموعہ ”قرآنی افادات“ کے نام سے طبع ہو کر بہت مقبول ہو چکا ہے، اور اس کی مزید جلدیں آنا باقی ہیں جس پر کام ہو رہا ہے۔

قرآن مجید کا ذکر آیا اور پھر رائے بریلی کا نام اس کے ساتھ سیمینار کی نسبت سے جڑا تو یہاں کی ایک اہم شخصیت علامہ سید محمد حکم حسنی (متوفی ۱۱۵۰ھ) کو کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے، جو علم لغت کے ماہر تھے اور قرآن مجید کے علوم پر گہری نظر رکھتے تھے، فارسی میں الگ الگ مستقل تفسیریں لکھیں، لیکن مقام افسوس یہ کہ وہ نایاب ہیں اور امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہیدؒ کی تفسیر سورۃ الفاتحہ مولانا عبدالحمید چشتی (کراچی) کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے، اس کے ساتھ مقام مسرت یہ ہے کہ اسی شہر رائے بریلی کی موجودہ سربراہ آوردہ شخصیت اور ملت کے رہبر درہنما اور ہمارے دار عرفات کے سرپرست حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے زیر تصنیف جو کتاب ہے وہ بھی قرآن مجید سے متعلق ہے،

وہ سید کو نہیں ہے آقائے امم ہے

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

پھر پیش نظر گنبد خضرا ہے حرم ہے
پھر نام خدا روضۂ جنت میں قدم ہے
پھر شکر خدا سانسے عراب نبیؐ ہے
پھر سر ہے مرا اور ترا نقش قدم ہے
عراب نبیؐ ہے کہ کوئی طور تجلی
دل شوق سے لبریز ہے اور آنکھ بھی نم ہے
پھر منت دربان کا اعزاز ملا ہے
اب ڈر ہے کسی کا نہ کسی چیز کا غم ہے
پھر بارکہ سید کو نہیں میں پہنچا
یہ انکا کرم، انکا کرم، انکا کرم ہے
یہ ذرہ ناہنج ہے خودشید بداماں
دیکھ انکے غلاموں کا بھی کیا جاہ و حشم ہے
ہر مومئے بدن بھی جو زباں بن کے کرے شکر
کم ہے بخدا ان کی عنایات سے کم ہے
رگ رگ میں محبت ہو رسول عربیؐ کی
جنت کے خزان کی بھی بیج سلم ہے
وہ رحمت عالم ہے شہ اسود و احمر
وہ سید کو نہیں ہے آقائے ام ہے
وہ عالم توحید کا مظہر ہے کہ جس میں
شرق ہے نہ مغرب ہے عرب ہے نہ غم ہے
دل نعت رسول عربیؐ کہنے کو ہے بے چین
عالم ہے تحیر کا زباں ہے نہ علم ہے

علمی و تحقیقی مجلہ ہے جو الحمد للہ پابندی سے طبع ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کے خاطر خواہ نتائج ظاہر ہوں اور صحیح نفع پر یہ خدمت جاری رہے۔

حضرات! اس واقعہ اور حقیقت کے اظہار میں دل مسرت اور شکر کے جذبات سے معمور ہے، اور درحقیقت خوشی کی انتہا نہیں کہ ہم اس پُرسرت اور پر عزت لمحات میں آپ حضرات کا تہ دل سے استقبال کریں کہ آپ حضرات اپنی اپنی مشغولیتوں سے وقت فارغ کر کے یہاں ہماری دعوت پر تشریف لائے، اور ہمیں آپ حضرات کو خیر مقدم کہنے کا موقع ملا، ہم آپ کو اور کچھ بدلہ نہیں دے سکتے لیکن ”جزاکم اللہ“ کہنے کا حق ضرور رکھتے ہیں، انشاء اللہ آپ کے قدموں کی برکت اور سفر کی صعوبت و مشقت ہم سب کے لئے برکات و حسنات بن کر ذخیرہ آخرت ہوگی، اور قرآن مجید سے تعلق مضبوط کرنے کی فضا قائم کرنے کا ذریعہ بنے گی، اللہ ایسا ہی کرے، اور راضی ہو۔

آخر میں ہم رابطہ ادب اسلامی کے ذمہ داران کا شکریہ ادا کریں گے کہ انہوں نے ہمیں میزبانی کا موقع عنایت فرمایا اور اپنے سبھی رفقاء اور مدرسہ ضیاء العلوم کے اساتذہ کے بھی شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہمارا بڑا ساتھ دیا۔

جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء فی الدارين - و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

☆☆☆☆☆

☆☆

سکرٹری رپورٹ

محمد واضح رشید حسنی ندوی

سکرٹری رابطہ ادب اسلامی شعبہ برصغیر

پیش کردہ برائے سیمینار ”قصص قرآنی کا ادبی و تربیتی پہلو“

منعقدہ بمقام دار عرفات، رائے بریلی بتاريخ ۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۰ اپریل ۲۰۱۱ء بروز یکشنبہ

عالمی رابطہ ادب اسلامی کی خشت اول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی تھی، اور وہی اس کے اولین صدر تھے، بلکہ درحقیقت وہ اسلامی ادب کی فکر کے مؤسس تھے۔ چنانچہ انہی کی دعوت پر ۱۴۰ھ ۱۹۸۱ء میں ندوۃ العلماء میں ادب کا پہلا سیمینار منعقد ہوا، جس میں عالم عربی کے مختلف گوشوں سے تعلق رکھنے والے چیدہ اور چنندہ ادباء و شعراء شریک ہوئے، اور اسی کے نتیجے میں ادب اسلامی کی عالمی انجمن کی تشکیل ہوئی، پھر اس فکر نے ترقی کی اور عرب ادباء نے بھی اس کا استقبال کیا، ان سب کا تذکرہ حضرت مولانا نے اپنی خودنوشت سوانح ”کاروان زندگی“ میں کیا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

”مجھے اپنی تدریسی و تعلیمی مشغولیت کے زمانہ میں بھی اور اپنے تحریری و تصنیفی دائرہ کے اندر بھی، ہمیشہ اس حقیقت کا ادراک رہا کہ ادب اپنے اندر عظیم تعمیر و تخریبی طاقت رکھتا ہے، اس سے ایک طرف عقائد صحیحہ کی

الحمد لله رب العالمين، و الصلاة و السلام على سيد المرسلين و خاتم النبيين محمد بن عبد الله الأمين، و على آله و صحبه أجمعين، و من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد:

حضرات! ہم سب سے پہلے آپ کا استقبال کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش کرتے ہیں کہ آپ نے ہماری دعوت قبول فرمائی اور زحمت سفر برداشت کر کے اس مذاکرہ علمی میں تشریف لائے جو عالمی رابطہ ادب اسلامی شعبہ برصغیر کے تعاون سے ”مرکز الامام ابی الحسن الندوی للبحوث والدعوة والفکر الاسلامی“ (دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی) میں منعقد ہو رہا ہے، ہمارا گزشتہ سیمینار جو پھولواری شریف پٹنہ میں ہوا تھا، اس کا موضوع ”اردو ادب میں قصہ نگاری“ تھا۔ اس سیمینار کا موضوع ”قصص قرآنی کا ادبی و تربیتی پہلو“ ہے۔

حضرات! موضوع پر گفتگو سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عالمی رابطہ ادب اسلامی کا مختصر تعارف پیش کر دیا جائے تاکہ رابطہ کی اہمیت، افادیت، اس کی ضرورت اور اس کی کارکردگی کا اندازہ ہو سکے۔

میں تشکیلی رجحان پایا جاتا تھا، اس لیے ایک طرف اس کی ضرورت تھی کہ عربی ادب کے خزانہ عامرہ سے وہ طاقتور اور دل آویز ادبی و تحریری نمونے نکالے جائیں اور ان کو نمایاں کیا جائے، جن کو سہولت پسندی اور قدیم مورخین ادب کی پیروی میں نظر انداز کر دیا گیا، یا اس قصور میں کہ وہ کسی عالم وداعی اور دینی شخصیت کے قلم سے نکلے ہیں، ان کو ”ایوان ادب“ سے دور کر دینے یا الگ رکھنے کی سزا دی گئی، اور صدیوں ان پر پردہ پڑا رہا۔ دوسری ضرورت اس کی تھی کہ ادب عربی کے ایسے اساتذہ، اہل قلم اور دانشوروں کو جمع کیا جائے جو عربی ادب و انشاء اور تنقید و تاریخ ادب کو صحیح رخ پر لگانے کی کوشش کریں، اور جدید نسل کو صالح غذا پہنچانے کے لیے ایک نیا ذخیرہ کتب (مکتبہ) اور ایک نیا مدرسہ فکر (مکتب خیال) پیدا کر سکیں۔

اس مقصد سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ۱۲-۱۹ اپریل ۱۹۸۱ء میں ایک بین الاقوامی سیمینار کیا گیا جس کا موضوع ”عربی ادب میں خصوصاً اور دوسری زبانوں کی ادبیات میں عموماً اسلامی عناصر کی تلاش“ تھا، توقع اور قیاس سے بڑھ کر ممالک عربیہ میں اس دعوت و تحریک کا استقبال ہوا اور اس کو Response ملا، اس میں حصہ لینے

استواری، اور صحت مند اور صالح رجحانات کی آبیاری کا کام لیا جاسکتا ہے، تو دوسری طرف اخلاقی انسانی قدروں پر تیشہ زنی اور ذہنی و معاشرتی انتشار کا بھی، اور ہر دور میں اس کی روشن اور ناقابل انکار شہادتیں ملتی ہیں، لیکن اس دور میں ادب کی (اپنے وسیع معنی میں) جدید طاقتور وسائل کے پیدا ہوجانے کی وجہ سے جہانگیری اور فرمانروائی بہت بڑھ گئی ہے، عرصہ سے یہ دیکھا جا رہا ہے کہ جس طرح کبھی فلسفہ کے راستہ سے الحاد اور تشکیک کا سیلاب مسلمانوں کے علمی و فکری طبقہ میں آتا تھا، اس کے بعد سائنس (خاص طور پر علوم طبیعیہ) کے راستہ سے تعلیم یافتہ طبقہ میں آنے لگا، اور کہیں کہیں نفسیات (سائکالوجی) اجتماعیات (سوشیالوجی) اور اقتصادیات و سیاسیات کے راستہ سے آتا تھا، اب بہت سی جامعات اور دانشگا ہوں میں ادب کے ذریعہ سے آرہا ہے۔

خاص طور پر یہ بات فکر و دعوت اسلامی کے حاملین کے لیے تشویش کا باعث تھی کہ بلاد عربیہ بالخصوص مصر میں تقریباً نصف صدی سے ادب و تنقید اور نوجوانوں کو ذہنی و ادبی غذا پہنچانے کے میدان پر ان ادباء اور اہل قلم کی اجارہ داری قائم ہو گئی تھی، جن کے عقائد میں خود تزلزل، ذہن میں انتشار، اور تحریروں

اہم صنف ہے اور وہ بعض وقت شعر سے زیادہ تاثر رکھتا ہے، شعر کا اثر وقتی ہوتا ہے، لیکن قصہ پوری زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ قصہ کا دور اور اس کا عمل شعر کے دور اور اس کے عمل سے پہلے شروع ہو جاتا ہے، اس کی ابتداء ماں کی گود سے ہوتی ہے، مائیں اپنے بچوں کو اپنے ذوق اور مزاج کے اعتبار سے قصوں کے ذریعہ بچہ کا دل بہلاتی ہیں، اور بعض وقت بعض قصے بچے کی ذہن کی تشکیل میں اہم رول ادا کرتے ہیں، بعض بڑی شخصیتوں کے تذکرہ میں ایسے قصوں کا تذکرہ ملتا ہے، جو انہوں نے بچپن میں سنے یا پڑھے، اور بعض قصے نفسیات اور فکر پر انداز ہوتے ہیں۔

قصہ کسی شکل میں ہو، ہر دور میں رہا ہے، قصوں سے انسان کا ربط نیا نہیں، انسان کی اس سے دلچسپی ازلی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس فن کا آغاز مصوری، بت تراشی اور دیگر فنون لطیفہ سے پہلے ہوا۔

قصہ کی اہمیت اور تاثر کے پیش نظر مصلحین اور معلمین ذہن سازی کے لئے اور تاثر قلبی کے لئے قصوں کا سہارا لیتے ہیں، قرآن کریم میں اور حدیث شریف میں قصوں کا عظیم سرمایہ ہے۔ قرآن کریم میں ایک جگہ پر قصہ کی اہمیت اور افادیت

بیان کی گئی ہے ﴿فأقصص القصص لعلهم يتفكرون﴾ [اعراف: ۱۷۶] ﴿نحن نقص عليك أحسن القصص﴾ [یوسف: ۳] اور سورہ یوسف کے اخیر میں قرآنی واقعات اور قصص کی معنویت اور مقصد کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے ﴿لقد كان لكم في قصصهم عبرة لأولي الألباب، ما

كان حديثا يفتری ولكن تصدیق الذي بین یدیه، وتفصیل کل شیء وهدی ورحمة لقوم یؤمنون﴾ [سورہ

کے لیے متعدد عرب ممالک کے ممتاز فضلاء وادباء لکھنؤ آئے، جن میں دور حاضر کے متعدد بلند پایہ مصنفین، فیکلٹی آف آرٹس کے ڈین اور شعراء وادباء شامل تھے۔“

اسی مجلس مذاکرہ کا اثر تھا کہ اس کے بعض اہم ارکان و شرکاء نے (جن میں اکثر جامعۃ الإمام محمد بن سعود، ریاض، سعودی عرب کے موقر اساتذہ تھے) رابطۃ الأدب الإسلامی کے نام سے ریاض میں ایک عالمی تنظیم قائم کی، اور مئی ۱۹۸۲ء کی کسی تاریخ کو ان کا ایک وفد حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے مکہ معظمہ میں ملا اور ان سے اس کی صدارت قبول کرنے کی خواہش کی۔

غرض مختلف مراحل سے گذرتے ہوئے جنوری ۱۹۸۶ء میں رابطہ ادب اسلامی کا عام جلسہ ندوۃ العلماء میں منعقد ہوا جس میں رابطہ کے دستور کو منظوری دی گئی اور اس طرح رابطہ ادب اسلامی کا قیام عمل میں آیا۔ اس کی مجلس اماناء کا پہلا جلسہ استنبول ترکی میں جون ۱۹۸۶ء میں منعقد ہوا، پھر مجلس اماناء کے جلسے مدینہ منورہ، قاہرہ، عمان اردن، فاس مراکش اور استنبول وغیرہ میں منعقد ہوتے رہے۔

ہندوستان میں رابطہ ادب اسلامی کی شاخیں اور فروع دہلی، حیدرآباد، بھوپال، اورنگ آباد، ممبئی، پونہ، بھٹکل، بنگلور، کلکتہ، پٹنہ اور رانچی وغیرہ میں ہیں اور صدر دفتر لکھنؤ میں ہے، اور ادب اسلامی کے تعلق سے اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔

حضرات!

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قصہ ادب میں

کیونکہ عملی نمونوں کا جو اثر ہوتا ہے، وہ کسی دوسرے وسائل دعوت کا نہیں ہو سکتا، منطقی، نفسیاتی، علم کلام کے انداز کے جدلی اصول، دعوت کے لئے کارآمد عناصر نہیں ثابت ہوئے ہیں، تمام آسمانی صحیفوں نے شروع سے آخر تک عملی نمونوں پر اعتماد کیا ہے، یہ نمونے اور مثالیں ادبی شہ پارے ہیں جو دلوں کو موہ لیتے ہیں۔

ان میں سے اکثر واقعات چار برگزیدہ پیغمبروں کی سیرتوں سے ماخوذ ہیں، وہ انبیاء کرام حضرت ابراہیم، دوسرے حضرت یوسف، تیسرے حضرت موسیٰ علیہم السلام اور آخر میں خاتم الانبیاء والرسل صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (دعوت و تبلیغ کا معجزانہ اسلوب، ص: ۲۳-۲۵)۔

قرآن شریف میں زیادہ تر قصے انبیاء علیہم السلام کے پیش کئے گئے ہیں، مگر وہ مکمل قصہ جوان کی زندگی کے اکثر حصہ پر مشتمل ہو، ایک جگہ نہیں بیان کیا گیا، بلکہ ان کی زندگی کے ادوار موضوع کی مناسبت سے متفرق مقامات پر بیان کئے گئے، صرف حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ سورہ یوسف میں مکمل آ گیا ہے۔

مختلف سورتوں میں آنے والے قصوں کا اسلوب مختلف ہے، جیسے انعام میں انبیاء کا صرف تذکرہ (آیت: ۷۵-۹۱) ہے، سورہ اعراف میں کچھ تفصیل ہے، سورہ ہود میں مزید تفصیل بیان کی گئی ہے، اور سورہ کہف میں اصحاب کہف کا قصہ بیان کر کے حضرت موسیٰ کی زندگی کا ایک واقعہ بیان کیا گیا جو دوسری جگہ مذکور نہیں، اس کے بعد ذوالقرنین کا واقعہ جو صرف ایک مرتبہ ذکر کیا گیا، طہ، مریم، قمر اور دوسری سورتوں میں قصوں کا ابتدائی حصہ یعنی انبیاء کی دعوت اور قوم کا رد عمل

یوسف: ۱۱۱] (اگلے لوگوں کے ان قصوں میں عقل و ہوش رکھنے والوں کے لئے عبرت ہے یہ جو کچھ قرآن میں بیان کیا جا رہا ہے، بناوٹی باتیں نہیں ہیں، بلکہ جو کتابیں اس سے پہلے آئی ہوئی ہیں انہی کی تصدیق کرتی ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے)۔

قرآنی قصوں کا اسلوب عام قصوں سے مختلف ہے، اس لئے کہ اس کا مقصد محض قصہ بیان کرنا اور تفریح یا علم میں اضافہ نہیں ہے، بلکہ بنیادی مقصد موعظت ہے، جیسا کہ اوپر بھی بیان کیا گیا ہے ﴿لعلہم یتفکرون﴾ بعض جگہ اس کے لئے ”ذکر“ کی تعبیر استعمال کی گئی ہے، اس لئے اس کا انداز ضرورت اور سیاق کے اعتبار سے ہے اور اس میں تنوع پایا جاتا ہے، اور اس کے پیش کرنے کا طریقہ مختلف ہے، اور مقصد اور عبرت کی بات کی طرف اشارہ کے لئے قصہ کے اجزاء میں فصل کر دیا جاتا ہے۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:-

”قرآن کریم نے دعوت کے لئے واقعات بیان کرنے اور مثالیں دینے کا اسلوب اختیار کیا ہے، دوسرے وسائل دعوت کی بہ نسبت یہ طریقہ زیادہ زود اثر اور دلنشین ہے اور مقصد کے حصول میں یہ طریقہ زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہوا ہے، ایک طرف قرآن کریم نے اگر تفصیلی ضابطے اور قانونی باریکیاں بتانے کو ضروری نہیں سمجھا ہے تو دوسری طرف اس خلا کو (اگر اس کو خلا سمجھا جائے جو درحقیقت خلا نہیں ہے) انبیاء کرام کی سیرت اور ان کے مواعظ اور دعوت پر مکالموں کے نمونوں سے پر کیا ہے۔ یہ نمونے دلوں پر اثر اندازی کی بے انتہا قوت رکھتے ہیں، ذہن و قلب پر ان کا سحر کی مانند اثر ہوتا ہے،

لیتسالوا بینہم، قال قائل منہم کم لبثتم، قالوا لبثنا یوماً
 أو بعض یوم، قالوا ربکم أعلم بما لبثتم فابعدوا أحدکم
 بورقکم هذه إلى المدینة ﴿اسی طرح حضرت مریم علیہا
 السلام کے قصہ میں ارشاد ہے﴾ واذ کرفی الکتاب مریم
 إذا انتبذت من أهلها مکانا شرقیاً فاتخذت من دونہم
 حجاباً ﴿وہنفا داہا من تحتها ألا تحزنی قد جعل ربک
 تحتک سریاً وھزی إلیک بجدع النخلۃ تساقط علیک
 رطباً جنیاً، فکلی واشربی وقری عیناً فیما ترین من
 البشر أحدأ فقولی إنی نذرت للرحمن صوماً فلن أکلم
 الیوم انسیاً ﴿طبیعت انسانی کی تصویر میں حضرت موسیٰ علیہ
 السلام کا مطالبہ ﴿رب أرنی أنظر إلیک﴾۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چاند تاروں کو دیکھ کر تار
 ﴿فلما جن علیہ اللیل رأی کو کباً قال هذا ربی فلما
 أفل قال لا أحب الآفلین، فلما رأی القمر بازغاً قال هذا
 ربی، فلما أفل قال لئن لم یهدنی ربی لأکونن من القوم
 الضالین، فلما رأی الشمس بازغاً قال هذا ربی هذا
 أكبر فلما أفلت قال یا قوم إنی برئ مما تشرکون ﴿[سورہ النعام: ۷۶-۷۸]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خواہش ﴿ربنا أنزل علینا
 مائداً من السماء تكون لنا عیداً لأولنا وآخرنا وآیة
 منک وارزقنا وأنت خیر الرازقین ﴿[سورہ مائدہ: ۱۱۴]۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے مخاطب ہونا اور
 حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ سے اور پھر بادشاہ
 وقت سے مخاطب، اس طرح متعدد مثالیں ہیں، جن میں فنی
 خصوصیات پائی جاتی ہیں، جو قرآن کے اعجاز بیانی میں آتی ہیں۔

بیان کیا گیا ہے جس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ سارے انبیاء کی
 دعوت ایک خدا کی عبادت اور اچھے اخلاق اختیار کرنے کی
 دعوت ہے اور اس قوم کی متعین کمزوری یا معصیت کے ازالے
 کی تلقین، دوسری سورتوں میں انبیاء کی دعوت کے انکار اور ان
 انبیاء کے ساتھ معاندانہ سلوک اور ان سے عذاب لانے کے
 مطالبہ کا ذکر آیا ہے، اور بعض سورتوں میں اختصار کے ساتھ
 انبیاء کی دعوت، قوم کا دعوت سے انکار اور عذاب کے نزول کا
 ذکر ایک ساتھ آیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے
 مختلف اجزاء مختلف مقامات پر بیان کیے گئے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ قرآن کریم میں تقریباً
 ۳۱ جگہوں پر آیا ہے اور وہ مکرر نہیں ہے، بلکہ مختلف واقعات
 مختلف مقامات پر سیاق کے اعتبار سے آئے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور ابلیس کا رد عمل صرف
 اختصار کے ساتھ قرآن شریف میں مختلف مقامات پر آیا ہے،
 اصحاب کہف کا واقعہ صرف سورہ کہف میں بیان کیا گیا ہے۔

قرآنی قصوں کی ایک خصوصیت منظر کشی اور انسانی
 نفسیات اور احساس کی تصویر ہے۔ مثلاً سورہ کہف میں جائے
 وقوع کی تصویر کشی ﴿وتسرى الشمس إذا طلعت تزاور عن
 کھفہم ذات الیمین وإذا غربت تقرضهم ذات الشمال
 وهم فی فجوة منہ ﴿[سورہ کہف: ۱۷]۔ اصحاب کہف کے
 بارے میں ارشاد ہے، ﴿وتحسبهم أیقاظاً وهم رقاد
 ونقلبهم ذات الیمین وذات الشمال وکلبهم باسط
 ذراعیہ بالوصید لو اطلعت علیہم لولیت منہم فراراً
 ولملت منہم رعباً ﴿[سورہ کہف: ۱۸] اس کے بعد تیسرا
 منظر ان کے اٹھنے کا بیان کیا گیا ہے، ﴿کذلک بعثناہم

باغ والوں کا واقعہ، بنائے کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی کیفیت، حضرت نوح اور ان کے بیٹے اور طوفان کا واقعہ، اور اسی طرح اصحاب کہف کا واقعہ۔ جذبات اور احساسات کی تصویر کشی کی مثال حضرت مریم کا واقعہ ہے، اور قرآنی واقعات میں شخصیت نگاری کی مثال دو باغ والوں کا قصہ، حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے واقعات شخصیت نگاری کے اعلیٰ نمونے ہیں، اسی طرح حضرت ابراہیم، حضرت یوسف، حضرت آدم، حضرت سلیمان علیہم السلام کے تذکروں میں بھی شخصیت نگاری کے اعلیٰ نمونے موجود ہیں۔

حضرات! ہمارے اس سیمینار کا مقصد قرآنی قصوں کی انہی خصوصیات پر روشنی ڈالنا ہے جن میں دینی مقصد کی تکمیل کے ساتھ فنی خصوصیات بوجہ اکمل پائی جاتی ہیں۔ اس سے قبل کیرالا میں ہمارا ایک روزہ سیمینار قرآن کریم کے اعجاز بیانی کے موضوع پر ہوا تھا، جس میں عالم عربی کے بعض فضلاء شریک ہو گئے تھے اور گراں قدر مقالات پیش کئے گئے تھے اس سے قبل اجراء میں تراجم قرآن کے ادبی پہلو پر ایک سیمینار منعقد ہوا تھا قرآن کریم کے موضوع پر ہمارا تیسرا سیمینار ہے، ہمیں امید کہ یہ سیمینار علمی ادبی اور تربیتی لحاظ سے مفید ہوگا۔

ہمیں خوشی ہے کہ اس موقع پر بعض معروف ادبی شخصیتیں جمع ہو گئی ہیں، ہم ان کا استقبال کرتے ہیں، ایک روزہ سیمینار اس اہم موضوع کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے لئے ناکافی ہے، اسی لئے دعوت نامے محدود پیمانے پر ارسال کئے گئے، امید ہے کہ کسی دوسرے موقع پر وسیع پیمانے پر سیمینار منعقد کیا جائے گا۔ شکر یہ۔

☆☆☆

بیان کے اعتبار سے اور قصہ کے اجزاء کے انتخاب اور تربیت کے اعتبار سے سید قطب شہید نے اپنی کتاب ”التصویر الفنی فی القرآن“ میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، ہم یہاں اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ سید قطب شہید لکھتے ہیں:-

”قرآنی قصہ (واقعہ نگاری) کی فنی خصوصیات میں پہلی چیز واقعہ کے طریقہ اظہار و بیان کا تنوع ہے، دوسری فنی خصوصیت طریق مفاجات کا تنوع ہے، واقعہ نگاری کی تیسری فنی خصوصیت وہ وقفہ اور خلا ہے جو ایک منظر اور دوسرے منظر میں پایا جاتا ہے، اس طرح ایک سین کے بعد وقفہ کر کے دوسرے منظر سے الگ کیا جاتا ہے وقفہ کے طرز کو جملہ قرآنی آیات میں ملحوظ رکھا گیا ہے، اس کی مثال حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں نمایاں طور پر ملتی ہے، قصہ کی چوتھی فنی خصوصیت منظر کشی ہے، قرآن جو مشاہد و مناظر بھی پیش کرتا ہے، ان کی اس انداز سے منظر کشی کرتا ہے کہ اس کا سامع اور ناظر اس کو ماضی کا واقعہ یا حادثہ نہی بلکہ زمانہ حال کا ایک واقعہ تصور کرتا ہے جو اس کی آنکھوں کے سامنے رونما ہو رہا ہے، قصہ کے مشاہد و مناظر کی جو تصویر کھینچی جاتی ہے اس کے مختلف انداز و اطوار ہیں، ایک رنگ تو وہ ہے جو کسی واقعہ کو پیش کرنے اور اس کو زندہ کرنے میں نمایاں ہوتا ہے، دوسرا رنگ جذبات و احساسات کی منظر کشی میں ظاہر ہوتا ہے اور تیسرا رنگ شخصیات کی تصویر کشی میں ابھرتا ہے، یہ رنگ ہائے مختلفہ جدا گانہ طور پر نہیں ہوتے، بعض مواقع میں ان میں سے ایک رنگ نمایاں تر ہو کر دوسرے دورگوں پر غالب آجاتا ہے، اور ان کو پھر اسی نام سے موسوم کیا جاتا ہے، حق بات تو یہ ہے کہ جملہ واقعات کے مناظر میں یہ تمام فنی رنگ ظاہر ہوتے ہیں، اس کی مثال

خطبہ صدارت

رائے بریلی سیمینارز پر عنوان ”قرآنی قصص کا ادبی و تاریخی پہلو“

حضرت مولانا سید محمد راجح حسنی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اسلوب بیان اپنا الگ انداز حسن و تاثیر اور مقصدیت رکھتا ہے، وہ دراصل انسانی رخ کو صحیح کرنے اور اس کی اعلیٰ رہنمائی کی ضرورت پورا کرتا ہے، اس میں یہ کیفیت رکھی گئی ہے کہ انسان وہ تاثر لے جو اس کی اصلاح کے مقصد کے لئے زیادہ سے زیادہ موثر ہو، لہذا اثر انگیز طریقہ بیان جو مقصد کلام کے لئے مفید ہو اس میں ملتا ہے اور اس میں تنوع ہے، جہاں جیسا موقع ہو وہاں ویسا اسلوب بیان ملتا ہے، چنانچہ اس مقصد کے تحت جو اصناف بیان آتے ہیں ان میں حکایتی و قصصی اسلوب اپنی خصوصیت رکھتا ہے، یہ انسان کے احساس و شعور میں طبعی انداز کا احساس و تاثر پیدا کر دیتا ہے کہ کہنے والا کہتا جائے اور سننے والا ہمہ تن گوش ہو کر سنتا جائے۔

مثلاً سورۃ عادیات کو دیکھئے، ﴿ وَالْعَادِيَاتِ

صُبْحًا ۞ فَالْمُورِيَاتِ قَدْحًا ۞ فَالْمُعِيرَاتِ صُبْحًا ۞ فَأَنْرُنَّ بِهِ نَفْعًا ۞ فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا ۞ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ۞ وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَلِكٍ لَّشَهِيدٌ ۞ وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ۞ أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعِثَ رَمَاهُ فِي الْقُبُورِ ۞ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۞ إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ۞ ﴿ اس میں عربوں کی جنگ و جدل اور میدانی لڑائی کا جو شغل اور شوق و ذوق رہا تھا، اس کے پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے میدان

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين محمد بن عبد الله الامين، وعلى آله وصحبه اجمعين، أما بعد:

ہمارا یہ سیمینار رابطہ ادب اسلامی شعبہ شمال مشرقی ہندوستان کے زیر اہتمام قرآن مجید کے قصصی اسلوب و بیان کے موضوع پر منعقد ہو رہا ہے، یہ سیمینار قرآن مجید کے اسلوب بیان اور اس کے معجزانہ عرض و وصف کے متنوع پہلوؤں میں سے ایک پہلو یعنی قرآن مجید کے حکایتی انداز بیان کو مطالعہ میں لا کر اس کی خصوصیات پر اصحاب علم و مطالعہ کا اپنا حاصل مطالعہ پیش کرنے پر ہے۔

ادب میں حکایتی اسلوب کو اپنا کر اس میں اچھے نمونے پیش کرنے کا سلسلہ اس زمانہ میں ادب کے مختلف موثر پہلوؤں کے درمیان اس پہلو کو پیش کرنے کو بڑی عمومیت حاصل ہوئی ہے، اور یہ پہلو نثری ادب کا اہم ترین اور بہت مقبول حصہ سمجھا جانے لگا ہے۔ قرآن مجید کا معجزانہ اسلوب بیان انسان کے مروجہ کلام کی طرح نہیں ہے کہ محض اس کی ادبی چاشنی سے انسان کا شوق پورا کیا جائے یا اس کی تاثراتی کیفیت محض اثر پذیری کے لئے اختیار کی جائے۔ قرآن مجید کا

صرف دکھاوے کا نہیں ہوگا، بلکہ جس طرح کیا ہوگا اسی کے مطابق اس کو نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔

قرآن کے اس اسلوب بیان کا مطالعہ کیا جائے تو بے شمار نمونے جو اپنا الگ الگ متنوع انداز رکھتے ہیں وہ دیکھنے کو ملیں گے، انسانوں کی ادبی کوششوں میں اس ادبی پہلو کو انسانوں کے خود فرض کردہ واقعات کو موثر ڈھنگ سے قارئین تک پہنچانے کا ذریعہ بنایا جاتا ہے، اس انسانی ادب میں

واقعات ایسے انداز سے پیش کئے جاتے ہیں کہ زندگی کے واقعات کے حساس پہلوؤں کا عکس سامنے آجاتا ہے، البتہ مقصدی لحاظ سے انسانی ادب کی اس صنف کلام میں زندگی کے واقعات کی صرف تصویر کشی مقصود ہوتی ہے، اس میں اعلیٰ اور معیاری مقصد نہیں ہوتا بلکہ واقعات کا صرف حساس پہلو پیش کر دیا جاتا ہے، لیکن قرآن مجید میں اس صنف کی شکل میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اور جو کچھ پیش کیا گیا ہے وہ بڑا با مقصد ہے، اور اس میں کئی طرح کے پہلو ہوتے ہیں، ان میں ایک پہلو یہ ملتا ہے کہ واقعات کے بیان کرنے

..قرآن مجید میں واقعہ کی تکرار جگہ جگہ ملتی ہے، لیکن وہ تکرار تکرار نہیں معلوم ہوتی، کیوں کہ کیفیات اور واقعہ کے اجزاء الگ الگ جگہ الگ الگ ہوتے ہیں، ایک جگہ ایک طرح کی کیفیت ملتی ہے، دوسری جگہ دوسری کیفیت ظاہر ہوتی ہیں۔ اس طریقہ سے تکرار تکرار نہیں رہتی، بلکہ اسکے ذریعے کلام متنوع خوبیوں کا حامل ہو جاتا ہے...

میں حسب موقع واقعات کی بعض کڑیاں چھوڑ دی جاتی ہیں، لیکن وہ اس طرح چھوڑی جاتی ہیں کہ اس کے چھوڑنے سے واقعہ بیانی پر اثر نہیں پڑتا اور واقعہ کے سمجھنے میں کوئی حلاء بھی محسوس نہیں ہوتا، اور انسانی ذہن کو اس کے سلسلہ میں کسی کمی یا دشواری کا احساس بھی نہیں ہوتا، اور یہ اسی طرح ہوتا ہے کہ

جنگ میں گھوڑوں کی تیزی سے دوڑنے اور پتھر پر ان کی ٹھوکروں سے چنگاریاں اڑنے اور ان کے منہ سے لعاب دہن بھر آنے کا تذکرہ کیا، پھر ان گھوڑوں پر تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھسنے کا تذکرہ ملتا ہے، جس سے ان عربوں کے جنگ میں دلچسپی رکھنے کی بناء پر کان کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کی طبیعتوں کے شوق و ذوق میں تلاطم برپا ہو جاتا ہے، اور وہ مخاطب کرنے والے کی طرف ہمہ

تن گوش ہو جاتے ہیں، پھر ایسا ہوتے ہی ان سے با مقصد بات شروع کر دی جاتی ہے، اور وہ بات انسان کی نفسیات کے حوالہ سے شروع ہوتی ہے کہ اللہ نے تو انسان کے لئے ایسی دلچسپی کے سامان مہیا کئے ہیں، اور انسان اپنے رب کا بجد ناشکرا بنا ہوا ہے، اور اپنی اس حالت سے اچھی طرح واقف ہے، اور کھلی حقیقت یہ ہے کہ وہ فائدہ کا بجد شوق رکھتا ہے، کیا وہ یہ نہیں جانتا کہ جب قبروں سے مردے نکالے جائیں گے، اور پھر ان کے دلوں میں جو کچھ اچھے برے اعمال ہیں ظاہر کر دیئے جائیں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ ان سے

اپنی واقفیت کی بنیاد پر معاملہ کریگا، اس طرح پہلے مخاطب کو اس کی پسند کی بات سنائی گئی، اور اس انداز میں سنائی گئی کہ وہ ہمہ تن گوش ہو گیا پھر اس کو جھٹکا دیا گیا کہ یہ زندگی محض شوق و پسند کو پورا کرنے کیلئے نہیں ہے بلکہ انسانوں کیلئے جو اعلیٰ کردار مقرر کیا گیا ہے اس کو عمل میں لانے کیلئے ہے، اور وہ عمل میں لانا

اور جن کڑیوں کو نمایاں کیا جاتا ہے وہ خصوصی طور پر معنی خیز ہوتی ہیں، اور ان کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا جاتا ہے جیسے انسانی گفتگو میں اچھے اور قابل فہم انداز میں کبھی مختصر کبھی مفصل بات کہی جاتی ہے، اور ان سے سمجھ میں آنے والی کیفیات کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے، قرآن جن کڑیوں کو چھوڑ دیتا ہے وہ کلام کے سیاق و سباق کے لحاظ سے سمجھ میں آ جاتی ہیں۔ درمیان کلام میں بعض کڑیوں کو چھوڑ دینا اس وقت ہوتا ہے جبکہ مخاطب سامنے ہوتا ہے اس کے چہرے بشرے سے اس کے مقصد کو سمجھنا آسان ہوتا ہے، لیکن واقعہ کے تسلسل سے ہٹ کر وہ گوشے جو کہ بات کرنے والے کے کلام میں موقع و محل اور آواز کے اثرات سامنے ہونے کی صورت میں چھوڑ دیئے جاتے ہیں، بالمشافہ گفتگو کے نہ ہونے کی صورت میں ان کو چھوڑ دینا آسان نہیں ہوتا کیونکہ اس صورت میں کلام واضح نہیں ہو سکتا، لیکن قرآن میں جگہ جگہ اس کو نہایت واضح اور احسن طریقہ سے ادا کیا گیا ہے۔

اور پھر ایک بڑی خصوصیت قرآن کے اسلوب میں یہ ہے کہ ایک ہی واقعہ کو مختلف جگہوں پر مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے، اور تکرار کا مطلق احساس نہیں ہوتا قرآن مجید میں واقعہ کی تکرار جگہ جگہ ملتی ہے، لیکن وہ تکرار تکرار نہیں معلوم ہوتی، کیوں کہ کیفیات اور واقعہ کے اجزاء الگ الگ جگہ الگ الگ ہوتے ہیں، ایک جگہ ایک طرح کی کیفیت ملتی ہے، دوسری جگہ دوسری کیفیت ظاہر ہوتی ہیں۔ اس طریقہ سے تکرار تکرار نہیں رہتی، بلکہ اسکے ذریعے کلام متنوع خوبیوں کا حامل ہو جاتا ہے، حضرت موسیٰ کے واقعہ کا تذکرہ مختلف جگہوں پر کیا گیا ہے، کہیں بہت مختصر کہیں تفصیل کے ساتھ، اس میں

جیسے دو انسانوں کی بالمشافہ گفتگو میں بعض کڑیاں ایسی چھوڑ دی جاتی ہیں کہ ان کے چھوڑنے سے انسان کو مطلب کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔

مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں بادشاہ نے جب اپنا خواب بیان کیا، اور اس کی تعبیر اپنے درباریوں سے پوچھی، انہوں نے خوابوں کی تعبیر کے معاملہ میں اپنی نادانیت کا اظہار کیا، تو وہ شخص جو یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل میں رہا تھا اور اپنے خواب کی تعبیر حضرت یوسف سے پوچھی تھی، اس نے بادشاہ کے درباریوں کو مشورہ دیا کہ یوسفؑ ایک ایسے شخص ہیں کہ جن سے تعبیر پوچھی جاسکتی ہے، اس نے کہا کہ ﴿أرسلون﴾ مجھے بھیجو، قرآن میں اس کا یہ جملہ نقل کرتے ہوئے فوراً یہ بات کہی کہ ﴿یوسف أیہا الصدیق أفتنا﴾ اے سچے اور اچھے یوسف۔ ہمیں بتاؤ، ان دونوں جملوں کے درمیان کی کڑیوں کو حذف کر دیا گیا، وہ کڑیاں یہ ہو سکتی تھیں کہ اس نے جب درباریوں سے کہا کہ میں تم کو اس کو تعبیر کی خبر دوں گا مجھے بھیجو، ﴿أنا أنبئکم بتأویلہ فأرسلون﴾ اس کے یہ کہنے پر انہوں نے یوسفؑ کے پاس اس کو بھیجا، چنانچہ وہ حضرت یوسفؑ سے جیل میں جا کر ملا، اور ضروری تمہید کے بعد یہ کہا ﴿یوسف أیہا الصدیق أفتنا﴾ اس طرح بیچ کی یہ کڑیاں جو ”مجھے بھیجو“ اور ”اے اچھے اور سچے یوسف، ہم کو خواب کا مطلب بتاؤ“ کے درمیان ان کو چھوڑ دیا گیا کیوں کہ گفتگوؤں کے درمیان ایسی کڑیاں خود سمجھ میں آ جاتی ہیں، اور وہ عام طور پر بالمشافہ گفتگو کی صورت میں درمیان کلام میں چھوڑی جاسکتی ہیں۔

قرآن مجید میں ایسی کڑیاں جگہ جگہ حذف کی ہیں،

خلاف دشمنی اور جبر کی پالیسی اختیار کئے ہوئے تھا، لیکن ان کو معصوم بچہ سمجھ کر اس کے گھر میں قبول کر لیا گیا، اور اس طرح ان کو تہمتی کی حیثیت حاصل ہو گئی، بڑے ہو کر شہر میں بادشاہ ہی کی قوم کے ایک فرد کو جو ظلم کر رہا تھا انہوں نے مارا اور وہ مر گیا، اس واقعہ نے حضرت موسیٰ کی پوزیشن نازک کر دی، اور ان کو مشورہ دیا گیا کہ وہ کسی طرح بادشاہ کے دائرہ حکومت سے باہر چلے جائیں، ورنہ سخت مصیبت میں پڑ جائیں گے، اور ہو سکتا ہے مارے جائیں، اس وقت حضرت موسیٰ کو خوف انسانی مزاج کے مطابق فطری طور پر پیدا ہوا، پھر وہ ملک چھوڑ کر فوراً باہر چلے گئے، اور وہاں بالکل اجنبی ماحول میں جو بے بسی کی کیفیت تھی اس کا اظہار کیا گیا، اور پھر وہاں بھی خدا کی مدد سے سہارا اور کام ملا، جس سے انہوں نے ایک مدت وہاں گذاری، ایک صالح شخص کی سرپرستی میں رہے اور ان کی لڑکی سے ان کی شادی بھی ہوئی، اور خاصی مدت گزرنے کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ وطن واپس آنے کا موقع ملا، اور راستے میں ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت ملی، اور اس نبوت کی بنیاد پر خدا کی طرف سے عطا کردہ رعب اور عظمت کے ساتھ وطن پہنچے اور فرعون سے ملے، اور جرأت کے ساتھ بات کی، اس کو سورہ قصص کی آیات میں مؤثر انداز میں جو کیفیت کا عکاس ہے، ملاحظہ کریں، ان میں ان کے اس پوری مدت کے دور میں جو نفسیاتی کیفیات قدرتی طور پر پیدا ہوئیں ان کا بھی عکس ملتا ہے۔ سورہ قصص میں ہے:

﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۷﴾ وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينِ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتُلَانِ

بظاہر واقعہ کی تکرار ہے لیکن تکرار میں جگہوں کے لحاظ سے فرق ہے، خوبی کے بعض پہلو کسی ایک جگہ ملتے ہیں تو خوبی کے دوسرے پہلو دوسری جگہ ملتے ہیں۔

قرآن مجید کے قصصی اسلوب کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ جگہ جگہ بات چیت کا اسلوب مفصل اور بے تکلفانہ انداز کا ہے اور بعض جگہ اختصار اور فکر انگیز، مثلاً حضرت موسیٰ کو جب نبوت عطا کی جانے لگی تو ان کو نبوت کی اطلاع دینے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب کرنے کا جو ذکر کیا:

﴿وَمَا تَلْكَ بِبَيْنِكَ يَا مُوسَىٰ ﴿۵۷﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ ﴿۵۸﴾﴾

اے موسیٰ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ جواب دیا کہ یہ میری لٹھی ہے، جس پر میں ٹیک لگاتا ہوں اور جس سے میں اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑا کرتا ہوں۔

سوال مختصر تھا اور جواب تفصیل سے بے تکلفانہ، بات ایک پوچھی گئی تھی لیکن جس سے پوچھی گئی تھی وہ اس مخاطب سے اتنا خوش ہوا کہ صرف اس سوال کا جواب ہی نہیں دیا بلکہ اس کے متعلقات کا ذکر کرنے لگا۔

قرآن مجید کا قصصی انداز حضرت موسیٰ کے واقعات بیان کرنے والی آیات میں بہت نمایاں انداز میں ملتا ہے، ان کے نمونے دیکھ کر دوسرے نمونوں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔

حضرت موسیٰ کے پیدا ہونے کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا انتظام ہوا کہ بادشاہ کے محل میں پہنچا دیئے گئے جب کہ وہ بادشاہ حضرت موسیٰ کی قوم کے

الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ﴿۶۱﴾ قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتِي هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَانِي حِجْحَ فَإِنْ آتَمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۶۲﴾ قَالَ ذَلِكَ بَيِّنٌ وَبَيْنَكَ أَهْمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿۶۳﴾ فَلَمَّا قَضَى مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿۶۴﴾ فَلَمَّا أَنَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِي الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يَا مُوسَى إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۶۵﴾ وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تُهْتَزُّ كَانَهَا جَانًا وَلَّى مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ يَا مُوسَى أَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ ﴿۶۶﴾ أَسْأَلُكَ بِذِكِّ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجُ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ وَاضْمُمُ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنْ الرَّهْبِ فَذَانِكَ بُرْهَانَانِ مِنْ رَبِّكَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ: اور جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہنچ گئے، اور پورے توانا ہو گئے، ہم نے انہیں حکمت و علم عطا فرمایا، نیکی کرنے والوں کو، ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں، اور موسیٰ ایسے وقت شہر میں آئے جب شہر کے لوگ غفلت میں تھے، وہاں دو لوگوں کو لڑتے ہوئے دیکھا، یہ ایک ان کی اپنی قوم میں سے تھا اور یہ دوسرا ان کے دشمن قوم میں سے، ان کے قبیلے والے نے اپنے دشمن کے خلاف موسیٰ سے فریاد کی، جس پر موسیٰ نے اس کو مکارا اور وہ مر گیا، موسیٰ کہنے لگے یہ تو شیطانی کام ہے

هَذَا مِنْ شَيْعَتِهِ وَهَذَا مِنْ عَدُوِّهِ فَاسْتَعَاثَ الَّذِي مِنْ شَيْعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ فَوَكَزَهُ مُوسَى فَقَضَى عَلَيْهِ قَالَ هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُضِلٌّ مُبِينٌ ﴿۶۱﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ ﴿۶۳﴾ فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ قَالَ لَهُ مُوسَى إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُبِينٌ ﴿۶۴﴾ فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَهُمَا قَالَ يَا مُوسَى أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ إِنْ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ﴿۶۵﴾ وَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعَى قَالَ يَا مُوسَى إِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُاتِمُّونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ ﴿۶۶﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَحِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَى رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۶۸﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِنَ النَّاسِ يَسْقُونَ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمْ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يُصْدِرَ الرِّعَاءَ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ﴿۶۹﴾ فَسَقَى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ﴿۷۰﴾ فَجَاءَهُ تَهُ إِحْدَاهُمَا تَمْسِي عَلَى اسْتِحْيَاءَ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقِصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَحْوَتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ

کہنے لگے، اے رب تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے میں اس کا محتاج ہوں، اتنے میں ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک ان کے پاس شرم و حیا سے چلتی ہوئی آئی اور کہنے لگی ہمارے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ پانی پلانے کا بدلہ دیں، جب موسیٰ ان کے پاس آئے، اور اپنے احوال ان سے بیان کئے، انہوں نے کہا ڈرنے کی کوئی بات نہیں، ظالم لوگوں سے تم بچ گئے، ان دونوں میں سے ایک لڑکی نے کہا۔ ابا جان آپ انہیں مزدوری پر رکھ لیں، کیوں کہ جنہیں آپ اجرت پر رکھیں ان میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو، انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا۔ میں اپنی ان دو لڑکیوں میں سے ایک آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں، اس شرط پر کہ میرے پاس آٹھ سال تک نوکری کرو گے، اور اگر دس سال پورے کرو تو اس کا اختیار تم کو ہے، میں تم پر مشقت ڈالنا نہیں چاہتا اگر اللہ نے چاہا تو مجھ کو تم نیک لوگوں میں سے پاؤ گے، موسیٰ نے کہا یہ وعدہ میرے اور آپ کے درمیان پکا ہو گیا، جو بھی مدت میں پوری کروں مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی، اور جو کچھ ہم کہتے ہیں اس کا اللہ نگہبان ہے۔ جب موسیٰ نے مدت پوری کی اور اپنی اہلیہ کو لیکر وہاں سے چلے طور کی طرف آگ نظر آئی، اپنی اہلیہ سے کہا رک جاؤ۔ میں نے آگ دیکھی ہے، شاید کچھ اس کی خبر لاؤں یا آگ کا کچھ ٹکڑا تمہارے پاس لیتا آؤں شاید کہ اس سے کچھ تم سینک سکو، جب وہ اس کے پاس پہنچے، تو اس بابرکت زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت میں سے پکارا گیا، اے موسیٰ! یقینی طور پر سنو! میں ہی اللہ ہوں سارے جہانوں کا پروردگار، اور تم اپنی لاشی ڈال دو، پھر جب اس کو موسیٰ نے سانپ کی طرح پھینکتے

، بیشک شیطان کھلا ہوا گمراہ کرنے والا دشمن ہے۔ پھر دعا کرنے لگے، اے میرے رب! بیشک میں نے خود پر ظلم کیا تو مجھے معاف کر دے، پھر اللہ نے اس کو بخش دیا۔ بیشک وہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ پھر وہ بولے اے میرے رب! جیسا تو نے مجھ پر فضل کیا ہے میں اب ہرگز کسی گنہگار کا مددگار نہ بنوں گا، پھر وہ صبح کو ڈرتے ہوئے اور اندیشہ کی حالت میں خبر لینے کو شہر میں گئے کہ اچانک وہی شخص جس نے کل فریاد کی تھی آج پھر مدد کیلئے بلارہا تھا، موسیٰ نے اس سے کہا تو تو بڑا بے راہ شخص ہے، پھر جب اپنے اور اس کے دشمن کی گرفت کرنی چاہی، تو وہ فریادی بول اٹھا، اے موسیٰ! کیا جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا ہے، مجھے بھی مار ڈالنا چاہتا ہے، تو تو ملک میں ظالم و سرکش بننا چاہتا ہے، اور تو اصلاح کرنے والوں میں سے نہیں ہونا چاہتا۔ شہر کے پرلے سرے سے ایک شخص تیزی سے آیا، اور کہنے لگا اے موسیٰ! دربار والے تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں، تو جلد یہاں سے نکل جا میں تیرا خیر خواہ ہوں، پھر موسیٰ وہاں سے خوفزدہ ہو کر دیکھتے بھالتے نکل کھڑے ہوئے، اور کہنے لگے۔ اے پروردگار! مجھے ظالم لوگوں سے بچالے۔ اور جب مدین کا رخ کیا تو کہنے لگے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے سیدھی راہ دکھائے گا، جب مدین کے پانی پر پہنچے وہاں دیکھا لوگوں کی ایک جماعت وہاں پانی پلا رہی ہے، اور ان سے ہٹ کر دو عورتیں اپنی بکریاں روکے ہوئے ہیں، ان سے پوچھا آپ کا کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا۔ چرواہوں کے چلے جانے تک ہم پانی نہیں پلاتیں، اور ہمارے والد بوڑھے ضعیف ہیں، پھر آپ نے ان کے جانوروں کو پانی پلایا، پھر سائے میں آکر کھڑے ہو گئے، اور اپنے رب سے

بنائے ہیں، اور آسمان سے پانی بھی برساتا ہے پھر اس برسات کی وجہ سے مختلف قسم کی پیداوار بھی ہم ہی پیدا کرتے ہیں، تم خود کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو بھی چراؤ، کچھ شک نہیں کہ اس میں عقلمندوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

اس مضمون کلام کو پڑھنے سے اس موقع کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے وہ بہت اچھے انداز میں سامنے آتی ہے، اس میں اس موقع کی تصویر ملتی ہے کہ جو ظاہری چیزوں کی تصویر کشی سے زیادہ موثر اور زیادہ باکمال انداز رکھتی ہے، پھر مزید یہ بات ہے کہ یہ تصویر کشی صرف تصویر کی جھلک دکھانے پر اکتفا نہیں کرتی جو حکایتی ادب میں دیکھنے کو ملتی ہے، بلکہ وہ با مقصد ہے اور اس مقصد کو متعین طریقہ سے ظاہر کرنے کیلئے بیچ بیچ میں ناصحانہ اور بعض جگہ واعظانہ اور بعض جگہ ہمت و حوصلہ افزائی والے یا خوف دلانے والے جملے بھی اس طرح بے تکلف شامل کر دیئے گئے ہیں کہ یہ مخصوص انداز بیان صرف واقفیت پیدا کرنے پر ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ انسان کے احساس و شعور کو مثبت اور با مقصد تقاضوں کو سمجھنے اور قبول کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے۔

قرآن مجید کی اعجاز بیانی کے تحت اس کے حکایتی اسلوب کی خوبی کی طرف یہ چند اشارے ہیں، ہمیں امید ہے کہ اس سیمینار میں جو مضامین پیش کئے جائیں گے، ان میں ہمیں اس اسلوب بیان کے متنوع نمونے سننے کو ملیں گے، اس طرح اس سیمینار سے ایک طرف قرآن مجید کے محترم و مقدس کلام کی خوبیاں سننے کا جو دینی عمل ہے وہ بھی حاصل ہوگا، اور اسی کے ساتھ ادبی چاشنی کا صالح اور با مقصد فائدہ بھی حاصل ہوگا۔

☆☆☆

ہوئے دیکھا تو وہاں سے پیٹھ پھیر کر واپس ہوئے اور مڑ کر رخ نہ کیا۔ ہم نے کہا: اے موسیٰ! آگے بڑھو اور خوف مت کرو، ہر طرح سے امن ہے، اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال لو، وہ بغیر کسی روگ کے چمکتا ہوا نکلے گا اور اپنے بازوؤں کو (خوف سے بچنے کیلئے) اپنے سے ملا لو، یہ دو معجزے تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے درباریوں کیلئے ہیں، بیشک وہ نافرمان لوگ ہیں۔

اسی طرح دوسری جگہ دیکھئے کہ اللہ کے حکم سے حضرت موسیٰ جب فرعون کے دربار میں پہنچے اور اس کو توحید و وحدانیت کی تلقین کی، تو فرعون نے ان کو الجھانے کیلئے ایک سوال کیا کہ گذشتہ قوموں کا کیا حال رہا:

﴿ قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمْ يَا مُوسَىٰ ۖ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ حَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ۖ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ ۖ قَالَ عَلَّمَهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَىٰ ۖ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتَّىٰ ۖ كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ ۖ ﴾

فرعون نے پوچھا کہ اے موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے؟ جواب دیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ایک کو اس کی خاص صورت و شکل عنایت فرمائی پھر راہ بھادی، اس نے کہا اچھا یہ تو بتاؤ، اگلے زمانے والوں کا حال کیا ہوتا ہے، جواب دیا کہ ان کا علم میرے رب کے ہاں کتاب میں موجود ہے، نہ تو میرا رب غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے، اسی نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا ہے، اور اس میں تمہارے چلنے کے لئے راستے

کچھ اعجاز اور کے بارے میں



مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن الاعظمی ندوی
مدیر "البعث الاسلامی" ندوۃ العلماء، لکھنؤ

کے شعراء ناخواندگی کے ماحول میں زندگی گزارتے تھے، اور علم و ثقافت کے مراکز سے وہ بہت دور اور نا آشنا تھے۔

فن شاعری میں عربوں کی بے مثال مہارت

رہا ان کا بلاغت کلام پر قادر ہونا اور شعری صلاحیت کو پوری طاقت کے ساتھ پیش کرنا تو واقعہ یہ ہے کہ اس امتیازی صفت میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اور علم و ادب کے لحاظ سے زمانہ خواہ کتنا ہی ترقی کر گیا ہو، لیکن جاہلی شاعری کا تفوق اور اس کا امتیاز اسی طرح قائم ہے، اور نقادان بلاغت و ادب نے اس کی فنی عظمت اور بلاغی طاقت کو ہر اعتبار سے تسلیم کیا ہے، بلکہ یہ بھی واقعہ ہے کہ اسی کلام کی روشنی میں انہوں نے نقد کے اصول بنائے ہیں، اور ادبی تنقید کو ایک الگ صنف کے اعتبار سے پیش کیا ہے۔ اس شاعری کو آج بھی ادب و بلاغت کے لحاظ سے وہی اہمیت حاصل ہے جو عصر جاہلی میں تھی اور آئندہ بھی باقی رہے گی۔

شعر جاہلی کے خلاف

مستشرقین کی ناتمام کوشش

بہت سے لوگوں نے جو اسلام مخالف ذہن رکھتے ہیں، ادب جاہلی کی عظمت کو اور اس کی بلاغی قیمت و اہمیت کو نہ

شعر جاہلی کے ذخیرے پر ایک نظر ڈالنے سے جہاں جاہلی شعراء کے شاعرانہ کمال اور ان کی بلاغت و بیان اور قدرت کلام کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں ان کے اخلاق اور زندگی کی قدروں کا بھی پتا چلتا ہے۔ اگرچہ جاہلی شاعری زیادہ تر بادیہ عرب میں پیدا ہوئی، اور وہیں پھلی پھولی، لیکن نزاکت خیال اور امتیازی خصوصیات کی حامل زندگی کے تصور سے وہ کسی حال میں خالی نہیں رہی۔ اسی کے ساتھ ساتھ جاہلی شعراء کے اندر اپنی بلندی اور اپنی زبان آوری، فصاحت و بلاغت کا احساس ان کے کلام پر غالب تھا، اور وہ اپنے تفوق اور اپنی عظمت کو ثابت کرنے کے لیے شاعری کو سب سے زیادہ موثر اور اہم ذریعہ سمجھتے تھے۔

ان کی نثر کا حصہ بہت کم اور کمزور تھا، اور وہ نثر کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ علمی اور ثقافتی لحاظ سے کمزور تھے، اور نثر کو طاقت ور اور مقبول بنانے میں علم و ثقافت کا حصہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے برعکس شعر و شاعری کے ادب کو طاقت ور اور اس کی بلاغی تاثیر کو زیادہ دیر پا اور اس سے احساسات و جذبات کی ترجمانی کرنے میں علم و ثقافت کا پایا جانا ضروری نہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ عصر جاہلی

واقعاً زمانہ جاہلیت کی تاریخ کو ایک زندہ قوم کے ساتھ وابستہ کرنے کی شہادت دیتی ہے۔ دراصل اس انکار اور اتنے بڑے تاریخی واقعے کی تکذیب کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ وہ قرآن کریم کے اعجازی مرتبے کو گرانے کی کوشش کریں تاکہ یہ ثابت کر سکیں کہ قرآن کریم کوئی الہامی کتاب نہیں۔

عہد جاہلی کے ادباء و شعراء جو اپنی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت کے مدعی تھے، جب انہوں نے قرآن کریم کی عظمت کو کم کرنا چاہا تو قرآن کریم نے ان کو چیلنج کیا کہ تم اس جیسا کوئی کلام بنا کر لاؤ، اگر یہ بھی مشکل ہو تو دس آیتیں پیش کر دو، یہ بھی مشکل ہو تو ایک آیت بنا کر لاؤ۔ مگر اس چیلنج کا کسی کے پاس کوئی جواب نہ تھا اور پورے ماحول پر سناٹے کی کیفیت طاری ہو گئی۔

قرآن ایک زندہ جلوید معجزہ

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کا انکار ناممکن ہے۔ آپ غور کریں اور قرآن کو ایک انسانی کتاب ثابت کرنے کی کوشش کریں، مگر آپ کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں گی اور ہر حال میں یہ ماننا پڑے گا کہ یہ وہ معجزہ ہے، جس نے تمام مدعیان بلاغت کو عاجز کر دیا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کے حفظ کو، اس کی تلاوت کو، اور اس کے مفہوم و معانی کو سمجھنا آسان فرمادیا۔ ہر زمانے میں قرآن کریم کا مطالعہ کرنے اور اس کے اعجاز کو سمجھنے کی بھرپور کوششیں ہوئیں، کسی نے قرآن کے اعجاز کو اس کے الفاظ میں ڈھونڈنا چاہا تو کسی نے معانی و مفاہیم کے اندر اس کو تلاش کیا۔ مگر یہ متاع گمشدہ ان کے ہاتھ نہ لگی۔ اور انہوں نے پھر ایک دوسرے پہلو سے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کی، اور وہ تھا نظم قرآن کا پہلو، کہ الفاظ وہی استعمال کیے

صرف یہ کہ کم کرنے کی کوشش کی بلکہ اس کو سرے سے بے اصل قرار دینے میں اپنا زور قلم صرف کیا۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ادب جاہلی تاریخی اعتبار سے اس زمانے کا کلام نہیں ہے، بلکہ بعد میں آنے والے شعراء اور ادباء نے اپنے کلام کو، ہم بتانے کی غرض سے اسے دور جاہلی کی طرف منسوب کر دیا، لہذا جاہلی ادب کی طرف اس کا انتساب صحیح نہیں ہے۔

اس تاریخی حقیقت کو نظر انداز کرنے کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ وہ قرآن کریم کی ادبی اور بلاغتی حیثیت کو گھٹانا چاہتے تھے اور اس کے اعجاز پر پردہ ڈالنے کی کوشش میں اپنی توانائیاں صرف کر رہے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی اس ناپاک کوشش میں ناکام رہے، اس لیے کہ جو چیز کھلے ہوئے آفتاب کی طرح روشن اور درخشاں ہو، اس کا انکار کر دینا اور اس کی تابانی کو چھپالینا آسان عمل نہیں تھا۔ اس غلط کوشش میں جن لوگوں نے حصہ لیا، وہ مستشرقین تھے اور ان کے بعض ہونہار شاگرد اس مہم میں پیش پیش تھے، یہاں تک کہ بعض مصری ادباء نے جاہلی شاعری کے بارے میں وہی منفی رویہ اختیار کیا اور یہ ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی کہ جاہلی شاعری ایک موہوم ادبی روایت ہے، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے اس خیال کو ثابت کرنے کے لیے جاہلی شاعری کے موضوع پر کتابیں تصنیف کیں، اور یہ ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی کہ جاہلی شاعری جو اس وقت ہمارے دسترس میں ہے، وہ بے اصل ہے، لیکن فسوس کہ وہ اپنی اس کوشش میں ناکام رہے۔

تمام اہل نقد و تاریخ اس بات پر پوری طرح متفق ہیں کہ جاہلی شاعری ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ناممکن ہے، اور وہ عہد جاہلی کی ادبی زندگی کا آئینہ ہے۔ خاص طور سے مغلقات کی شاعری اس ماحول اور ذہن کی عکاسی کرتی ہے جو

وہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام میں خواہ ان کا تعلق انسانی زندگی سے ہو، یا کائنات سے ہو، اپنی زبردست ایجادات اور غیر معمولی پیش رفت کے ذریعے ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں لاسکتا، اور نہ وہ اس کے اندر ودیعت رکھے ہوئے قوت و ایجاد کے سرچشموں تک پہنچ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں چیلنج کیا ہے کہ کیا اس کے سوا کوئی ایسا معبود ہے جو اس کے نظام کے چلانے میں اس کا دست و بازو ہو؟ بیسویں پارے کی یہ آیت پڑھئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”بھلا بتاؤ تو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ کس نے آسمان سے بارش برسائی؟ پھر ہرے بھرے باروق باغات اگادیے، ان باغوں کے درختوں کو تم ہرگز اگانہیں سکتے۔ کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ بلکہ یہ لوگ سیدھی راہ سے ہٹ جاتے ہیں۔ کیا وہ جس نے زمین کو قرآگاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں جاری کر دیں، اور اس کے لیے پہاڑ بنائے، اور دو سمندروں کے درمیان آڑ بنا دیئے، کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر کچھ جانتے ہی نہیں۔ بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے، کون قبول کر کے سختی کو دور کرتا ہے؟ اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے۔ کیا اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہو؟ کیا وہ جو تمہیں خشکی اور تری کی تاریکی میں راہ دکھاتا ہے، اور جو اپنی رحمت سے پہلے ہی خوش خبری دینے والی ہوائیں چلاتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ جنہیں یہ شریک کرتے ہیں۔ ان سب سے اللہ بلند و بالاتر ہے، کیا وہ جو مخلوق کی اول دفعہ پیدائش کرتا ہے، پھر اسے لوٹائے گا، اور جو تمہیں آسمان وزمین سے روزیاں دے رہا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ کہہ دیجیے کہ اگر سچے ہو تو اپنی دلیل

گیے جن سے وہ مانوس تھے، اور اسلوب بھی وہی اختیار کیا گیا جو اس زمانے کے ادباء و شعراء کا اسلوب تھا، مگر الفاظ کی بندش، ان کا صحیح جگہ پر صحیح طریقے سے استعمال، اور ان کا باہمی ربط ایک ایسی نادر حقیقت تھی جس سے انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی، اور غور کرنے سے یہ حقیقت اس قدر نمایاں ہوتی ہے کہ ساری قوت اس پر جا کر موقوف ہو جاتی ہے اور اس نظم و ربط کے اندر اعجاز کے پہلو کو سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔

قرآن کریم کے اعجازی پہلو کا کسی حد تک سمجھنا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک جاہلی شاعری سے پوری واقفیت نہ ہو، اور اس کے زبان و ادب اور فصاحت و بلاغت کو سمجھنے کا ملکہ اور کسی حد تک اس پر دسترس نہ حاصل ہو جائے، اور عربی زبان کا ایسا ذوق پیدا ہو جائے کہ زبان کی حلاوت و لذت کا احساس ہونے لگے اور دیر تک یہ احساس قائم رہے۔

قرآن کا تربیتی پہلو

قرآن کریم کا ہر انسان سے مطالبہ ہے کہ وہ اپنی فکر کو علم و مشاہدے کی جولان گاہ میں لے جائے، اور عقیدہ توحید کی تجدید کرتا رہے، اور اس کی بنیاد پر ایمانی تہذیب کے ایسے قصبہ حاکمین کی تعمیر کرے جس کے سایے تلے ہر کلمہ گو انسان راحت و آرام کا سانس لے سکے۔ اور اللہ کے ذکر اور دنیا و آخرت کی خوبیوں کو اعتدال و توازن کے ساتھ اس طرح جمع کرنے والا ہو کہ غیر مسلم بھی اس کو دیکھ کر بے اختیار اس کی طرف کھنچے، کیونکہ اسلامی تہذیب ایسی بے مثال تہذیب ہے جو تمدن و تہذیب اور فلسفہ و نظریات کی اس دنیا میں اپنی شان رکھتی ہے، مغربی انسان خواہ کتنی ہی ترقی کر لے، کائنات کے انفس و آفاق کو مسخر کر لے، لیکن وہ رات کو دن اور دن کو رات بنانے پر بالکل قادر نہیں ہے۔

مترجمین حضرات جو عربی زبان کا علم رکھتے ہوئے اس کے ذائقے سے بھی آشنا تھے، وہ اپنی ترجمانی کی کوششوں میں زیادہ کامیاب ہوئے اور ان کے تراجم مقبول خاص و عام ہیں۔

مجھے اس موقع پر کسی خاص ترجمے کی طرف اشارہ کرنا مقصود نہیں ہے، لیکن ترجمہ قرآن کے بارے میں مفسر قرآن مولانا عبد الماجد دریا بادی رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات پر مشتمل ایک اقتباس نقل کرنے کی اجازت چاہوں گا۔ وہ لکھتے ہیں:

”شرح و تفسیر کی بحثوں کو ذرا دیر کے لیے چھوڑیے، محض سادہ ترجمے کو لیجیے، اردو عربی کے درمیان فرق صرعی، نحوی، اسلوبی، انشائی حیثیت سے گویا مشرق و مغرب کا ہے، عربی میں جو اسلوب بیان فصاحت کے اعلیٰ معیار پر ہے، وہ اردو میں کہیں کہیں آ کر غیر فصیح ہی نہیں، مہمل بن جاتا ہے۔ عربی میں زور و تاکید کے موقع پر ضمیر کو بے تکلف مکرر، بلکہ تین تین بار لے آتے ہیں، جیسے ﴿إِنَّهُ هُوَ بَدِئُ وَيَعِيدُ﴾ ﴿إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ ﴿إِنَّا سَمِعْنَا﴾ ﴿إِنْسِي أَنَا اللَّهُ﴾ ﴿إِنَّا نَحْنُ نَحْيُ الْمَوْتَى﴾ ﴿نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ﴾۔ اگر لفظی ترجمے کی دھن میں اس قسم کی ترکیبوں میں، اردو میں بھی ضمیر غائب ”وہ“ یا ضمیر حاضر ”تو“ یا ضمیر متکلم ”میں“ یا ”ہم“ دوہرا کر یا تہرا کر لائی جائے تو اردو عبارت تو غارت ہو جائے، لازماً اردو میں اس مفہوم کو لانے کے لیے اردو ہی کے اسلوب سے کام لینا پڑے گا۔ اور ضمیر کے ساتھ کہیں ”ہی“ سے کام لیا جائے گا تو کہیں ”تو“ (بہ واو مجہول) لگا دیا جائے گا۔ اور کہیں ”ہی“ اور ”تو“ دونوں ملا کر کام لیا جائے گا۔

لاؤ، کہہ دیجیے کہ آسمانوں والوں میں سے، زمین والوں میں سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا، انہیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ کب دوبارہ زندہ کیے جائیں گے؟“

(سورہ نمل: آیت ۶۰-۶۵)

قرآنی قصوں کی اہمیت اور ان کا اسلوب
قرآن کریم نے اپنے دعوتی اسلوب کو مستحکم اور موثر بنانے کے لیے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو قصوں کے پیرایہ بیان میں پیش کیا ہے، قرآن کریم میں ذکر کردہ قصوں کی سب سے اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سچائی اور فنی تصویر کشی کے ساتھ تعمیری پہلو پوری طرح نمایاں ہوتا ہے، اور بلند اخلاقی قدروں کو ذہنوں کی طرف مائل کرنے میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ قصوں سے صحیح انسانی زندگی کی تعمیر کا جذبہ دل و دماغ میں پیوست ہو جاتا ہے، جس سے نفسیاتی، عقائدی اور تربیتی پہلو کا ایک مکمل نمونہ سامنے آتا ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں قصوں کے مضامین کی تعداد دیگر اہم اور بنیادی موضوعات کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی ہے۔ اسی طرح ضرب الامثال کے ذریعے عقیدہ توحید و رسالت کو پوری وضاحت کے ساتھ دل و دماغ کے آئینے میں منعکس کرنے کی سعی بلیغ کی ہے۔

ترجمہ قرآن اور اس کی فراکتیں

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی ترجمانی خواہ وہ کسی زبان میں ہو، عربی زبان و ادب کے ذوق اور اس کے بلاغتی پہلوؤں سے واقف ہوئے بغیر ایک دشوار گزار اور غیر طبعی عمل ہے۔ اردو زبان میں جو تراجم مشہور اور مفید ثابت ہوئے اور زبان و ادب کے لحاظ سے بھی طاقتور اسلوب میں کیے گئے ہیں، ان سے معانی و مفہیم کا سمجھنا بہت آسان کر دیا گیا ہے۔

صدی عیسوی والے عام اردو خواں کے پلے کیا پڑے گا۔ لازم ہے کہ عربی ترکیب سے ہٹ کر سلیس اردو میں ”بس اللہ نے ان کا مرض بڑھا دیا“ لایا جائے۔ اور عربی کی ایسی ترکیبیں قرآن مجید میں ایک دو جگہ نہیں، خاصی متعدد موجود ہیں۔ اور ایسی ہی ایک اور الجھن صیغہ مجہول کو ترجمے میں مجہول رکھنے میں کبھی کبھی پیش آجاتی ہے، اس کی ایک مثال قرآن مجید کے شروع ہی میں ﴿غیر المغضوب علیہم﴾ میں ملتی ہے، چنانچہ اکثر مترجمین کو اس کا ترجمہ صیغہ معروف میں کرنا پڑا ہے ”تو“ یا ”تیرا“ اضافے کے ساتھ، مثلاً ”نہ وہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا ہے“ یا ”نہ وہ جن پر تو غصہ ہوا ہے“۔

ایک بڑا مرحلہ مترجم کے لیے لغات اضداد کا ہے، عربی میں متعدد لفظ ایسے ہیں جو متضاد مفہوموں کے لیے آتے ہیں، مثلاً ”شراء“ کہ خریدنے کے لئے بھی آتا ہے اور فروخت کرنے کے لئے بھی، یا ”رجا“ کہ امید و بیم دونوں موقوفوں پر آتا ہے، یا ”قرء“ کہ اس کے مفہوم میں پاکی بھی داخل ہے اور ناپاکی بھی، چنانچہ عربی میں مستقل کتابیں لغات اضداد پر موجود ہیں، قرآن میں ایسے لفظوں کی بہتات تو نہیں کہی جاسکتی، پھر بھی جہاں کہیں ہیں، وہاں مترجم کو قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہوتا ہے اور سہارا سیاق کلام کا لینا ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو: تفسیر ماجدی جلد اول: افتتاحیہ:)

قرآن کریم سے استفادے کی

بنیادی شرائط

وہ صفات جن کے بغیر قرآن کریم کے فہم و ادراک سے استفادہ کرنے کی راہیں مسدود ہوتی ہیں، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی رائے کے مطابق سات

اسی طرح اردو میں حال اور مستقبل کے صیغے مستقل اور علیحدہ علیحدہ ہیں، عربی میں دونوں کے لیے ایک ہی مضارع کا صیغہ ہے، جسے بحسنہ اردو میں لانے کی کوئی شکل ہی نہیں، اور ترجمے کے لیے ناگزیر ہے کہ دو میں سے کوئی ایک صیغہ حسب مقتضائے مقام اردو کے لیے متعین کرے۔ اسی طرح تشبیہ کو جمع سے ممتاز کرنے کے لیے اردو میں لفظ ”دو“ یا ”دونوں“ کی تصریح لازمی ہے۔

عربی کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ فقرے میں فعل کو مکرر لے آتے ہیں، کہیں فعل ہی کی کسی حالت میں، اور کہیں اسے اسکی یا مصدری صورت دے کر، اور کہیں موصوف کی صفت خود اسی لفظ سے لے آتے ہیں، جیسے:

﴿اعذبہ عذاباً﴾ ﴿فیمیلوا میلاً﴾ ﴿فرضتم لہم فریضۃ﴾ ﴿مکراً مکرومہ﴾ ﴿قتلوا تقیلاً﴾ ﴿یفجروا تفجیراً﴾ ﴿بخرجکم إخراجاً﴾ ﴿قدروہا تقدیراً﴾ ﴿أخرجنی مخرج صدق﴾ ﴿أدخلنی مدخل صدق﴾۔ وغیرہ پچاسوں ترکیبیں اس قسم کی قرآن مجید میں آتی ہیں، اور عربی میں عین فصاحت کے اعلیٰ معیار پر ہیں، لیکن اردو میں وہی لفظ دہرا دینے سے بات بالکل ہی نہ بن سکے گی۔ اور اردو میں اس موقع کے لیے کوئی دوسرا لفظ ہی لانا پڑے گا، کہیں ”بہت“ کہیں ”بڑا“، کہیں ”خوب“، کہیں ”خوب ہی“، کہیں ”مارکے“ و قس علیٰ هذا۔

اسی طرح ایک خالص عربی ترکیب ﴿فزادہم اللہ مرضاً﴾ کی ہے، اب اگر اس کا تحت اللفظ ترجمہ ”بس بڑھا دیا ان کو اللہ نے ازروئے مرض“ کر دیا تو اس بیسویں

مفید ہوگا، یہ ہدایت و دعوت کی روح ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کے اندر سمو دی ہے، اور اپنے صاحب ایمان بندوں سے اس روح کو اپنانے کا مطالبہ کیا ہے، اور اسے جزء ایمان بنانے کی دعوت دی ہے، اور تاکید فرمائی ہے۔

تراجم قرآن اپنے اپنے حور کا عکاس

یوں تو تراجم قرآن کے سلسلے میں بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، اور ان کو قرآن کریم کی دعوت و ہدایت کی روح سے قریب تر ثابت کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے، لیکن اسی کے بالمقابل ایسے ترجمہ اور تفسیر کی مثالیں بھی موجود ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ کے کلام کی صحیح ترجمانی بظاہر مفقود ہے، اس لئے اس نازک عمل پر ہر قسم کے نقد و تبصرہ سے احتیاط برتنا اہل ایمان کی ذمہ داری ہے، اور جہاں تک تراجم قرآن سے زبان و ادب کے نمونے اور فکر کو جلا بخشنے کی خدمت کا سوال ہے، اس کا کسی نہ کسی حد تک قرآن کے تمام تراجم میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، اور اس کے نمونے پیش کئے جاسکتے ہیں، اور تقابلی مطالعے کے ذریعے اس کو بیان کرنا ممکن ہے، لیکن یہ ثابت کرنا کہ قرآن کریم کی اس آیت کا ترجمہ ادب و بیان سے زیادہ قریب ہے، اور اسی آیت کا ترجمہ کسی دوسرے مترجم کے قلم سے نہ صرف یہ کہ وہ زبان و ادب کی چاشنی سے دور ہے، بلکہ وحی کی روح اور اس کی تاثیر سے بہت دور ہے مشکل ہے۔

لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تراجم قرآن مجموعی طور پر مفہوم و معنی کی تشریح و تفسیر کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں، اور حضرات مترجمین کا یہ بڑا کارنامہ ہے، بلکہ قرآن کریم کا یہ بھی ایک معجزہ ہے۔

☆☆☆

ہیں۔ قرآن کریم سے استفادے کی پہلی صفت طلب ہے، دوسری صفت ”استماع اور اتباع“ ہے، یعنی اس کو غور سے سنا اور اس کی تعلیمات کی پیروی کرنا، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ہدایت یاب ہونے اور ان کے ذہن و عقلمند ہونے کی بشارت دی ہے۔ اور تیسری صفت اللہ تعالیٰ کا خوف ہے، اس لئے کہ جو دل اس صفت سے خالی ہو، وہ اللہ کے کلام سے کسی طرح مستفید نہیں ہو سکتا۔ اور چوتھی صفت ایمان بالغیب ہے، یعنی محسوسات اور معلومات کے علاوہ ان تمام باتوں پر ایمان رکھنا جو اس سے ماوراء ہیں، جب تک یہ عقیدہ پوری طرح راسخ نہ ہو، قرآن کریم کی تعلیمات بے اثر ثابت ہونگی۔ پانچویں صفت ”تدبر“ ہے، جب تک کہ قرآن کریم کی تلاوت اور اس میں غور و فکر کرنے کا تعلق دل کی گہرائیوں سے نہ ہو، اس کے مضامین کا سمجھنا اور زندگی کو ان کے رنگ میں رنگنا ناممکن ہے۔ چھٹی صفت ”مجاہدہ“ ہے، یعنی قرآن کریم کے سمجھنے اور اس کے معانی و مفاہیم کو دل میں اتارنے کے لئے اپنی توانائیوں کو صرف کرنا، اس کے بغیر قرآن کریم سے استفادہ مشکل ہے۔ اور ساتویں صفت ”ادب و عظمت“ ہے کہ جب تک دل میں اس کتاب عظیم کی عظمت و توقیر نہ ہو، اور اس سے غایت درجہ ادب و تعظیم کا معاملہ نہ کیا جائے اور اللہ کے کلام کی محبت ریشہ ریشہ میں سامنے جائے، اس وقت تک اس سے ہدایت اور فیض کا حصول ناممکن ہے۔

ان جملہ صفات پر اگر غور کیا جائے، اور ان کے معنوی پہلو کو پیش نظر رکھا جائے تو قرآن کریم سے استفادہ کرنا آسان ہو سکتا ہے، اور قرآن کریم کی فصاحت کی ترجمانی کرنا اور اسکی آیتوں کا ترجمہ اسی کی روح کے مطابق کرنا سہل اور

قصص قرآنی۔ اغراض و اسالیب

محمد نفیس خاں ندوی

رفیق دار عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی

اصلاح کے لیے جن انبیاء کے کار نبوت کو بطور مثال پیش کرنا تھا اسی قدر حصہ پھیلا کر مختلف سیاق کے ماتحت پیش کیا گیا، جس سے ایک طرف تو قرآن کریم کے بیان جمالی اور الفاظ و ترکیب سے جو من موعنی اور روحانی کشش ہے وہ کہیں پر ختم نہیں ہوئی، اور دوسرے جہاں پر جس چیز کو جتانے کی ضرورت ہوتی ہے وہ جتانے لگی، اور ہر چیز کو ایک نئے انداز اور ایک دلکش و دل آویز پیرایہ میں پیش کر دیا گیا۔

قرآن کریم میں بیان کیے گئے واقعات اپنے اندر عبرت کا خزانہ رکھتے ہیں، ان کے اندر قوموں کی اصلاح کی غرض سے کھلی اور واضح دلیلیں موجود ہیں۔ اس لیے ان کو مختلف مقامات پر تھوڑا تھوڑا کر کے بیان کیا گیا ہے تاکہ عقل انسانی اس سے قریب ہو اور ہدایت انسانی کا قرآنی مقصد پوری طرح حاصل ہو۔

قرآن مجید نے ہدایت و تذکیر امم کے لیے جن جن اصولوں پر زور دیا ہے ان میں گزشتہ قوموں کے واقعات اور ان کے نتائج کو خاص اہمیت حاصل ہے، ان کے ذکر سے اجتماعی حالات پر اثر پڑتا ہے، اور یہ حقیقت بھی سامنے آ جاتی ہے کہ آج کے انسانوں کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کا سعادت و شقاوت کا وہی

قرآن عزیز میں حق تعالیٰ شانہ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے مختلف معجزانہ اسلوب بیان اختیار فرمائے ہیں، ان اسالیب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ گزشتہ قوموں کے واقعات و قصص کے ذریعے ان کے نیک و بد اعمال اور پھر ان اعمال پر نتائج و ثمرات کو یاد دلاتا ہے اور پھر ان کے ذریعے عبرت و بصیرت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اسی لیے ان قصوں میں تاریخی تسلسل نہیں پایا جاتا۔ بلکہ ابلاغ حق اور دعوت الی اللہ کے اہم مقاصد کے پیش نظر صرف انہی واقعات کو سامنے لایا جاتا ہے جو اس غرض و غایت کو پورا کرتے ہوں، اسی لیے قرآن کریم نے ان قصوں کو مختلف انداز اور مختلف پیرایے میں بیان کیا ہے، تاکہ سامعین کے دل میں وہ گھر کر سکیں اور فطری اور طبعی رجحانات کو ان حقائق کی جانب متوجہ کیا جاسکے۔ یہ جب ہی ممکن ہے جب ایک بات کو مختلف پیرایہ بیان اور مناسب حال اسلوب سے بار بار دہرایا جائے اور خوابیدہ قوائے فکریہ کو بیدار کیا جائے۔ انہی مقاصد کے پیش نظر قصص قرآنی کے مطالعے کے بعد یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم میں کسی نبی کا ذکر داستان سرائی کے انداز میں نہیں کیا گیا، اور نہ افسانہ طرازی قرآن کا موضوع ہے، بلکہ معاشرے کی اجتماعی

انسان کے اندر صداقت اور اللہ کی عطا کردہ صلاحیت کو دکھانا تھا۔ اسی طرح عاد و ثمود کی چھوٹی چھوٹی بستیاں اور کار نبوت کے مختصر دائرے کو عبرت کے لیے بتایا گیا ہے، ان قصوں میں آپ دیکھیں گے کہ ایک جگہ پر ان کا واقعہ بیان کیا گیا ہے تو دوسرے مقامات پر ان کی طرف صرف اشارے ہیں۔ البتہ جن پیغمبروں کا ذکر بار بار آیا اور جن کے قصوں کو متعدد بار دہرایا گیا ہے ان میں حضرت موسیٰ کا ذکر سب سے زیادہ ملتا ہے، کیونکہ ان کو ایک ایسی قوم سے سابقہ تھا جو اپنے زوال کی انتہا

قانون ہے، جو گزشتہ اقوام کے ساتھ رہا ہے۔ اس کے احکام میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ جس طرح سنگھیا کی تاثیر اس لیے نہیں بدل سکتی کہ وہ کس عہد اور کس سنہ میں استعمال کی گئی ہے، اسی طرح قوموں اور جماعتوں کے اعمال کے نتائج بھی اس لیے نہیں متغیر ہو سکتے کہ وہ کس ملک یا کس زمانہ میں پیش آئے۔

حضرت لوط، حضرت صالح اور حضرت ہود کی قوموں نے اپنے پیغمبروں کو جس طرح جواب دیا اور پھر ان کو جو سزا بھگتنی پڑی قرآن کریم نے اس کو کھول کھول کر بیان کر دیا گیا

تک پہنچی ہوئی تھی، تمام اجتماعی نقائص جو سوسائٹیوں میں پائے جاتے ہیں وہ بنی اسرائیل میں موجود تھے، حالانکہ بنی اسرائیل وہ ہیں جن کی اوپر کی پشتوں میں انبیاء اور سلاطین گذرے ہیں، مگر فرعون مصر کے قابض ہو جانے کے بعد ان کے اندر تمام اجتماعی خرابیاں جمع ہو گئیں، جس کے نتیجہ میں ان کی حیثیت ایک کچلی ہوئی اور بے بس ولا چار قوم کی ہو گئی تھی

..... خیال رہے کہ قرآن کریم ایک ہدایت نامہ ہے نہ کہ تاریخ کی کوئی کتاب۔ پس وہ ان تاریخی واقعات کو محض اس لیے نہیں بیان کرتا کہ یہ وہ واقعات ہیں جن کا تاریخ میں درج ہونا ضروری ہے، بلکہ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ ان واقعات سے پیدا شدہ نتائج کو رشد و ہدایت کے لیے موقعیت و عبرت بنائے، اور انسانی عقل و جذبات سے اپیل کرے کہ وہ نوا میں قوائین فطرت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ان تاریخی نتائج سے سبق حاصل کریں اور ایمان لائیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے.....

ہے، تاکہ امت محمدیہ وہ حرکت نہ کرے جو پچھلی امتوں نے کی ہے، یہ قرآن کا ایک خاص موضوع ہے، اس لیے جن انبیاء کی زندگی میں عبرت کا زیادہ پہلو ہے ان کو زیادہ تفصیل سے مکرر، سہ کر بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسف کا قصہ ایک سورہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے اندر نصائح، اللہ کے قدرت کی جلوہ گری، ایک تاریک کنویں سے نکال کر حکومت کی اعلیٰ کرسی تک پہنچانے کا پورا منظر نظر آتا ہے، صداقت و عفاف سے بھری ہوئی زندگی کس طرح رحمت الہی کو دعوت دیتی ہے، اللہ کی طرف بلانے کے کیا اسالیب ہیں، وہ سب اس میں پائے جاتے ہیں۔

جن کو اس مرحلہ سے نکالنا پیغمبر وقت کا کام تھا۔ دوسری طرف وقت کے سرمایہ دار جن کی نمائندگی قارون کر رہا تھا، اس کا مقابلہ بھی اسی بے بس قوم کو کرنا تھا۔ وہاں کے جادوگر بھی پیغمبر کی دعوت کے برسر پیکار تھے، اس گھرے ہوئے اور تاریک ماحول میں جو اسوہ دیا گیا اور تباہ ہونے والی قوم نے جس طرح پیغمبرانہ ہدایات کی ناقدری کی

حضرت یوسف کی زندگی میں جس پہلو کو واضح کرنا تھا وہ اللہ کی عظمت اور ذرہ کو آفتاب بنانے کی قدرت اور ایک

حضرت یوسف کی زندگی میں جس پہلو کو واضح کرنا تھا وہ اللہ کی عظمت اور ذرہ کو آفتاب بنانے کی قدرت اور ایک

ان کو دکھانا بھی مقصود تھا۔

معیار سے گر جاتا ہے بلکہ وہ بار خاطر بھی ہوتا ہے اور سماعت کے لیے گراں بھی۔ اسی لیے مستشرقین و معاندین نے اس پہلو سے بھی قرآن کریم پر اعتراضات کیے ہیں، اور پوری قوت سے جہاں یہ بات کہی ہے کہ قرآنی قصوں میں تاریخی ترتیب ملحوظ نہیں رکھی گئی ہے وہیں یہ بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ قرآن میں واقعات کی تکرار پائی جاتی ہے، بعض قصوں کا اعادہ کثرت سے کیا گیا ہے، اور صرف چند نبیوں کا ذکر ہے وہ بھی کئی کئی جگہوں پر۔ لیکن اس اعتراض کو قبول کرنے سے پہلے یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ کلام میں کس قسم کی تکرار معیوب سمجھی جاتی ہے، کیونکہ فنی اعتبار سے کلام کے دوسرے عناصر کی طرح تکرار میں بھی نقص و کمال اور حسن و قبح کے دونوں پہلو پائے جاتے ہیں، چنانچہ جب تکرار بے موقع و بے محل ہو، ناگوار خاطر ہو اور اس سے کسی قسم کا کوئی فائدہ بھی نہ حاصل ہو تو بلاشبہ یہ تکرار عیب شمار کی جائے گی، لیکن اگر وہی تکرار موقع محل کی مناسبت سے ہو، اچھوتے اور البیلے انداز سے ہو اور سننے والے کو کیف و وجد سے سرشار کرنے والی ہو تو یہی تکرار کلام کا حسن بن جاتی ہے اور اس کے ادبی محاسن بلند سے بلند تر ہو جاتے ہیں، تکرار کے سلسلہ میں اس تفصیل کو ذہن میں رکھتے ہوئے اگر قصص قرآنی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قرآن کریم میں جہاں بھی قصص کی تکرار نظر آتی ہے وہ ہر جگہ ضرورت کے تقاضوں کے مطابق ہے، موقع و محل کی پوری رعایت کے ساتھ ہے، بے سود تکرار سے کہیں کام نہیں لیا گیا، اور پھر ہر جگہ ایسا نرا لا والیلا انداز ہے کہ بے کیف ہونا تو الگ رہا اس سے اور زیادہ سامان ذوق فراہم ہوتا ہے۔

یہ بات اس وقت ہے جب ہم یہ اعتراف کریں کہ

حضرت موسیٰ کے علاوہ حضرت عیسیٰ کے قصے کو بھی قرآن کریم میں خاصی اہمیت دی گئی ہے۔ اسی لیے اس کا تعلق ایک طرف اللہ کی قدرت سے تھا کہ جس طرح وہ بغیر ماں باپ کے حضرت آدم کو پیدا فرما سکتا ہے اسی طرح اس نے حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا، دوسرے یہ کہ حضرت عیسیٰ کے متعلق مختلف گروہ مختلف عقیدہ رکھتے تھے، ایک طبقہ وہ تھا جس کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اس طرح پیدا کیا جس طرح ایک مرد اور ایک عورت کا ملاپ تخلیق کا ذریعہ بنتا ہے، اسی طرح یہ بھی عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کی بیٹی ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ، حضرت مریم، اور حضرت عیسیٰ ایک ہی مقدس خاندان کے افراد ہیں جسے ”ہولی فیملی“ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور جس پر ایمان رکھنا عیسائیت کا دوسرا نام ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ کی الوہیت، حضرت عیسیٰ کی عبدیت اور اس کے ساتھ قدرت الہی کا مظہر ان تینوں کا بیان ان واقعات میں مذکور ہے جن کو قرآن مجید نے اپنے مؤثر اور فیصلہ کن اسلوب میں پیش کیا ہے، اور اس بات کی صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتہ کے ذریعہ وجود عیسیٰ کا سامان کیا گیا، وہ ابن اللہ نہیں تھے، ابن مریم تھے، اور جس طرح حضرت آدم بغیر ماں باپ کے دنیا کے سامنے آئے، اسی طرح حضرت عیسیٰ کا وجود بشریہ بغیر باپ کے ظہور پذیر ہوا۔

تکرار اور اس کے اسباب

زبان و بیان کی نزاکتوں کو سمجھنے والا ہر با ذوق شخص اس سے واقف ہے کہ کسی بھی کلام میں الفاظ و معانی کی تکرار ایک بہت بڑا عیب ہے۔ اس سے کلام نہ صرف یہ کہ ادب کے اعلیٰ

ایک ہدایت نامہ ہے نہ کہ تاریخ کی کوئی کتاب۔ پس وہ ان تاریخی واقعات کو محض اس لیے نہیں بیان کرتا کہ یہ وہ واقعات ہیں جن کا تاریخ میں درج ہونا ضروری ہے، بلکہ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ ان واقعات سے پیدا شدہ نتائج کو رشد و ہدایت کے لیے موعظت و عبرت بنائے، اور انسانی عقل و جذبات سے اپیل کرے کہ وہ نوا میں وقو امین فطرت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ان تاریخی نتائج سے سبق حاصل کریں اور ایمان لائیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے اور اس کے دست قدرت ہی میں تمام کائناتی نظام ہے، اور اسی مذہب کے احکام کی پیروی میں فلاح و نجات اور ہر قسم کی ترقی کا راز مضمر ہے جس کا نام اسلام ہے۔

قرآن مجید فصاحت و بلاغت کا بلند اور روشن ترین نمونہ ہے۔ اس کے اندر علوم و معارف کا ایک سمندر پنہاں ہے، لیکن اس سے وہی شخص مستفید یا لطف اندوز ہو سکتا ہے، جو عربی زبان کے محاسن کو اچھی طرح جانتا ہو۔ قرآن مجید میں جو ظاہری تکرار پائی جاتی ہے وہ بلا وجہ اور بے معنی نہیں ہے۔

نوٹ: اس مضمون کے تیار کرنے میں درج ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا۔

- ☆ ام الکتاب، از مولانا ابوالکلام آزاد۔
- ☆ مکررات قرآن، از مولانا عبداللہ عباس ندوی۔
- ☆ قرآن میں تکرار کی نوعیت اور قصہ آدم و ابلیس۔

از مولانا ابواللیث ندوی اصلاحی

واقعی قرآن کریم میں واقعات کی تکرار پائی جاتی ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں واقعات کی تکرار ہے ہی نہیں۔ یہاں اس بات کو سمجھنے کے لیے آدم و ابلیس کا قصہ ہی کافی ہے، جس کو قرآن کریم نے سات سورتوں میں مختلف اسالیب میں پیش کیا ہے، سورہ بقرہ، سورہ اعراف، سورہ حجر، سورہ اسراء، سورہ کہف، سورہ طہ، اور سورہ ص۔ ایک ہی واقعہ کو ان سات موقعوں پر دیکھنے کے بعد بظاہر محسوس ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں واقعات کی تکرار موجود ہے، لیکن فی الحقیقت ان ساتوں جگہوں پر اس واقعہ کو بیان کرنے کے مقاصد بالکل جدا گانہ ہیں، سورہ بقرہ میں اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد نبوت و خلافت کا اثبات ہے، سورہ اعراف میں آدم کی تکریم ہے، سورہ حجر میں آخرت کا اثبات ہے، سورہ اسراء میں طغیان کا انجام ہے، سورہ کہف میں شیطان کی عداوت ہے، سورہ طہ میں عزم انسانی کا ضعف ہے، اور سورہ ص میں قیامت کا ثبوت اور ضمناً مشرکین کے تکبر پر تقریض ہے۔ اسی لیے ان ساتوں سورتوں میں اس واقعہ کو الگ الگ پہلو سے بیان کیا گیا ہے، اور ہر جگہ نئے اسلوب اور نئے الفاظ کو اختیار کیا گیا ہے، چنانچہ یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ یہ تکرار قرآن کریم کی خصوصیات بیانیہ میں داخل ہے، کیونکہ کوئی بڑے سے بڑا صاحب قلم اور فنکار ادیب اگر ایک قصہ کو مختلف الفاظ میں بیان کرنا چاہے اور مختلف نتائج دکھانا چاہے تو وہ نام کام رہے گا، اس کے لیے یہ امر محال ہوگا کہ وہ فصاحت و بلاغت کی تمام رعنائیوں کے ساتھ ایک واقعہ کو متعدد مقامات پر الفاظ بدل کر پیش کرے۔ یہ پہلو قرآن کریم کے اعجاز کا ہے۔

راہ سوال تاریخی ترتیب کا تو خیال رہے کہ قرآن کریم

قرآنی قصوں میں انسانی طبائع اور رجحانات کی تصویر

محمد خالد ہاندوی ندوی

استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

قرآن کریم کتاب رشد و ہدایت ہے۔ صحیفہ عبرت ہے تو حضرت ابراہیم کی مفصل سرگذشت سناتا ہے، اور یہود و نصاریٰ کے بجائے عاد و ثمود اور قوم لوط کے واقعات بیان کرتا ہے۔ لیکن یہ امر پیش نظر رہے کہ قصہ نگاری قرآن کریم میں مقصود بالذات نہیں؛ کہ ان میں انہی موضوعات اور اصول و قوانین کو اپنایا جاتا، اور اسی طرز و انداز کو اختیار کیا جاتا جو واقعہ نگاری کا خاص طریق کار ہے۔ قرآن مجید نے دینی مقاصد کو پورا کرنے کیلئے جن اسباب و وسائل کو قبول کیا ہے ان میں ایک واقعہ نگاری بھی ہے۔ قرآن کا بنیادی مقصد دعوت دین ہے۔ اور قصہ گوئی یا واقعہ نگاری دعوت کو لوگوں تک پہنچانے کا ایک وسیلہ اور بس۔ مگر دینی مقاصد کے تابع ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ واقعات کو پیش کرنے میں فنی خصوصیات کو نظر انداز کر دیا۔ اور انسانی نفسیات کی عکاسی میں ادب کے عناصر لازمہ کے مفقود ہونے سے ان کی تاثیر و سحر اندازی میں نقص واقع ہو گیا ہے۔ بلکہ قرآنی قصوں کا رنگ و آہنگ، اس کا باکلیں، اسلوب بیان کی جدت طرازی ہر جگہ بدرجہ اتم موجود ہیں۔

قدرت خداوندی نے انسانی طبائع و رجحانات کو متنوع خصوصیات کا حامل بنایا ہے۔ خاندان بشریت کے ہر فرد کی

قرآن کریم کتاب رشد و ہدایت ہے۔ صحیفہ عبرت ہے۔ جسے انسانیت کی رہنمائی و رہبری کیلئے نازل کیا گیا ہے۔ تاکہ وہ قرآن کی پیش کردہ توجیہات و ہدایات کی روشنی میں اپنی سعادت و خوشحالی کے اسباب فراہم کر لے، قرآن حکیم چونکہ انسان کی ہدایت کیلئے نازل ہوا۔ اسلئے اس میں انسانی نفوس کی رعایت پایا جانا، بشری جذبات و میلانات کی تصویر کشی کا ہونا گزیر تھا۔ اسی لئے وہ اپنی تمام آیات و سورتوں میں خواہ ان کا تعلق احکام سے ہو یا اصول تمدن سے۔ وعظ و حکمت کا بیان ہو یا انبیائے سابقین کی دعوتی جدوجہد کا تذکرہ یا اقوام ماضیہ کی حکایات و واقعات کا بیان ہر جگہ اس میں انسانی طبیعت و مزاج کا بھرپور خیال رکھا ہے۔

قرآن مجید کے قصوں میں نظم کلام، موقع بیان اور مخاطب کے حالات کی پوری رعایت کی گئی ہے، جو اس کی بلاغت و اثر انگیزی کا خاص سبب ہے۔ وہ کبھی اور کہیں مخاطب کی نفسیات و جذبات، اس کے عقائد و میلانات اور عادات و مالوفات سے صرف نظر نہیں کرتا۔ چنانچہ اہل کتاب کا تذکرہ ہوتا ہے تو کبھی حضرت داؤد و سلیمان کے قصہ بیان کرتا ہے اور کبھی حضرت موسیٰ و عیسیٰ کی داستان سامنے لاتا ہے لیکن جب اہل عرب اور قریش کو مخاطب کرتا

دوسرے کے نزدیک عیاری اور مکاری ایک فن ہے، فریب دہی ایک کمال ہے۔ ذاتی منفعت کا حصول ایک پسندیدہ مشغلہ، وہ اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کی خاطر انسانی معاشرہ کی بلی تک چڑھا سکتا ہے۔ قرآن کریم اپنے پر تاثیر اور مخصوص طرز بیان کے ساتھ قصص کی پیرانہ بیان میں ان دونوں گروہوں کے طبائع و رجحانات کی نہایت حسین انداز میں تصویر کشی کرتا ہے، اس سے اس کا مقصد یہ ہے کہ جماعت اولیٰ کا واقعہ بیان کر کے ایک مومن مخلص کیلئے عبرت و موعظت کا سامان فراہم کر لے تاکہ اس قرآنی کردار میں محاسن اور خیر کے جو پہلو ہیں ان سے استفادہ کر سکے۔ اور جماعت ثانیہ سے قلبی نفرت اور بیزاری پیدا ہو۔ اس کی عادات و رذیلہ رجحانات سدیہ سے بچنے کی سعی کی جائے۔

قصہ گرچہ مختصر ہے لیکن جاذبیت و دلکشی اثر انگیزی میں اپنی مثال آپ ہے۔ مقصدیت کے اعتبار سے نہایت واضح و جلی، انداز گفتگو میں جدت، اور نتائج و عواقب، دروس و عبرت کے بے مثال نمونے اپنے دامن میں عمدہ ترتیب سے سجائے ہوئے ہے۔ قصہ کے کردار اور اسکے پلاٹ کا تذکرہ اس لئے نہیں کہ اس کا مقصود عبرت و بصیرت اور ہدایت و سعادت ابدی کا حصول ہے۔ اسی لئے قرآن کریم محاکات کے پیرایہ بیان میں انسانی طبائع و رجحانات کی عکاسی پر اکتفا کرتا ہے، اور نفسیاتی تحلیل و تجزیہ سے کام لیتا ہے اور محسوسات کو مشاہدات کے قالب میں ڈھالنا چاہتا ہے۔ بھلا خلاق عالم سے زیادہ طبائع بشری کا واقف کار کون ہو سکتا ہے؟ انسانی جبلت کی عکاسی اس سے زیادہ بہتر اسلوب میں کون کر سکتا ہے؟ قرآن کا یہ بے مثال قصہ زبان و مکان کی حد بند یوں سے آزاد ہے، وہ

فطرت دوسرے سے جداگانہ ہے۔ ہر ایک کے رجحانات و میلانات میں کافی اختلاف ہے۔ لیکن چونکہ وہ ہر ایک کیلئے سرچشمہ ہدایت ہے، شاہ و گدا، مفلس و غنی، صنعت و ناتواں، اور طاقتور سبھی برابر کے مخاطب ہیں، اسی لئے قرآن نے ان تمام نفوس بشریہ کی ذہنی ساخت کو اپنے اسلوب کلام میں ملحوظ رکھا ہے تاکہ ہر این آدم آئینہ قرآن میں اپنی تصویر ملاحظہ کر سکے۔ اور اس کی روشن ہدایات کے مطابق اپنی زندگی کا لائحہ عمل مرتب کر سکے۔

بدقت نظر اگر قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو اس کے قصوں کے ضمن میں انسان کے مختلف طبائع و رجحانات، مثلاً، رنج و غم، خوشی و مسرت، مصلحت شناسی، شجاعت و بہادری، بزدلی و پست ہمتی، کبر و نخوت، تواضع و انکسار، بے حیائی اور شرم و حیا، یقین کامل و نفاق باطن، فریب دہی اور صداقت، بے وفائی اور وفاداری، بخل و امساک، جو دو سخا، جبر و احتساب، عجلت پسندی و اشتعال، تحمل و برداشت، اور ظلم و ستم کے بے مثال میلانات کی جلوہ گری نظر آئیگی ایسا معلوم ہوگا جیسے قرآنی قصہ نگاری میں انسان کے تمام رجحانات و میلانات کی مشکل صورت پیش کردی گئی ہو۔

قرآن کریم کی سورہ قلم میں اصحابہ الجنت کا واقعہ پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں دو قسم کے انسانوں کی فطرت، ان کے مزاج و رجحانات کی تصویر کشی کی ہے، ان میں سے ایک گروہ، الفت و محبت تعاون و ہمدردی اور ایثار و موساسات کو حیات انسانی کا حقیقی حسن و جمال، تصور کرتا ہے۔ اور دوسرے کی طبیعت میں خود غرضی مفاد پرستی، بخل، اور حرص و ہوس کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ پہلا عشق و محبت کو سرچشمہ حیات انسانی سمجھتا ہے تو

تاریخ انسانی کے کسی خاص دور، یا کسی مخصوص طبقہ کی ترجمانی نہیں کرنا چاہتا بلکہ قیامت تک آنے والی نسل انسانی کیلئے ان دونوں گروہوں کو بحیثیت ایک نمونہ کے پیش کرنا چاہتا ہے، اس کا مقصد یہ بتلانا ہے ایسے طبائع و نفسیات کے حامل افراد ہر زمانہ اور ہر قوم میں ہوئے ہیں اور ہونگے، ان کے انجام خیر و بد سے انسانیت کو سبق حاصل کرنا چاہئے، اور ان کے مزاج و مذاق کے اعتبار سے دعوت و ارشاد کی پالیسیاں متعین کی جانی چاہئیں، قرآنی قصوں کا یہی وہ خاص امتیاز ہے کہ وہ زمان و مکان کی حدود سے بلند ہو کر انسانی زندگی کے ساکن و صامت سمندر میں تموج و ارتعاش پیدا کرتے ہیں، حیات نو کا مژدہ سناتے ہیں۔

تاریخ انسانی کے کسی خاص دور، یا کسی مخصوص طبقہ کی ترجمانی نہیں کرنا چاہتا بلکہ قیامت تک آنے والی نسل انسانی کیلئے ان دونوں گروہوں کو بحیثیت ایک نمونہ کے پیش کرنا چاہتا ہے، اس کا مقصد یہ بتلانا ہے ایسے طبائع و نفسیات کے حامل افراد ہر زمانہ اور ہر قوم میں ہوئے ہیں اور ہونگے، ان کے انجام خیر و بد سے انسانیت کو سبق حاصل کرنا چاہئے، اور ان کے مزاج و مذاق کے اعتبار سے دعوت و ارشاد کی پالیسیاں متعین کی جانی چاہئیں، قرآنی قصوں کا یہی وہ خاص امتیاز ہے کہ وہ زمان و مکان کی حدود سے بلند ہو کر انسانی زندگی کے ساکن و صامت سمندر میں تموج و ارتعاش پیدا کرتے ہیں، حیات نو کا مژدہ سناتے ہیں۔

دعویٰ میں بلاشبہ سچا ہے "إن هذا لهو القصص الحق"۔
قصص قرآنی کے اس درخشندہ افق پر ہمیں عبارت کا جمال و جلال، اسلوب کی پاکیزگی اور فکر و خیال کی شفافیت نظر آئے گی، اندازہ گفتگو کی عفتگی اور موقع کی نزاکت و حساسیت کا اندازہ ہوگا، انسانی طبائع سے غایت درجہ ہم آہنگی اور توافق کا احساس ہوگا، انسانی رجحانات اور اس کے نفسیات و جذبات کے عقدہ کشائی ہوتی نظر آئے گی، عرض و تقدیم کا حسین اسلوب مضرب دل کے تار چھیڑتا محسوس ہوگا، آئے سورہ قلم کی ان آیات کی تلاوت کرتے ہیں: جن میں اصحاب الجہۃ (باغ والوں) کا قصہ (مذکور ہے، جس میں قرآنی قصوں کے مذکورہ محاسن اپنے تمام جلوہ طرازیوں کے ساتھ موجود ہیں۔ ﴿إِنَّمَا بَلَّوْنَاہُمْ کَمَا بَلَّوْنَا أَصْحَابَ الْحَنَةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَیَصْرِنَّہَا مُصْبِحِیْنَ ☆ وَلَا یَسْتَشْنُونَ ☆ فَطَافَ عَلَیْہَا طَایِفٌ مِّنْ رَبِّکَ وَہُمْ نَائِمُونَ ☆ فَأَصْبَحَتْ کَالصَّرِیمِ ☆ فَنَادُوا مُصْبِحِیْنَ ☆ أَنْ اَعْدُوا عَلَیْ حَرْبِنَا کُمْ إِنْ کُنْتُمْ

حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی قصہ جب زمان و مکان کی بے جا قیودات سے پاک ہوتا ہے، تو وہ ہر زمانہ اور ہر مکان میں اپنی اثر انگیزی کے جوہر دکھانے پر قادر ہوتا ہے۔
اس سے معلوم ہوا کہ واقعات قرآنی اپنے مقاصد کی تحقیق اور اسباب رشد ہدایت کے بیان میں نہ زبان و مکان کی وضاحت کے پابند ہیں اور نہ اشخاص و کردار کے ذکر کے محتاج۔
کیونکہ قرآن کریم اصلاً کتاب رشد و ہدایت ہے، صحیفہ نور ایمان ہے منبع علم و عرفان ہے۔ رہے تاریخی واقعات کی تحقیق، فلسفیانہ نظریات و افکار اور قصص و واقعات کا بیان، تو وہ ثانوی درجہ کی چیزیں ہیں، مقصود بالذات نہیں، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ واقعات قرآنی میں قصہ کے موجودہ اصول و آداب کی رعایت ملحوظ نہیں اس لئے نزول قرآن کا زمانہ قصہ کی موجودہ تعریف اور اس کے فنی اصول و آداب کی تدوین سے پہلے کا ہے اور پھر نقد و ادب کے موجودہ اصول و قوانین عقل انسانی

سے ہر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگا، آخر کو انہوں نے کہا افسوس ہمارے حال پر بیشک ہم سرکش ہو گئے تھے بعید نہیں کہ ہمارا رب ہمیں بدلہ میں اس سے بہتر باغ عطا فرمائے ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ایسا ہوتا ہے عذاب اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑا ہے کاش یہ لوگ اسکو جانتے۔

ان آیات میں ان لوگوں کا قصہ بیان کیا گیا ہے جنہیں وراثت میں ایک عمدہ باغ ملا تھا، ان کا باپ ایک مرد صالح اور مومن صادق تھا، اپنے باغ سے یتیموں اور فقراء کا حق پابندی سے ادا کرتا تھا، لیکن اس نیک طینت انسان کی وفات کے بعد اب اس کے بیٹے فقراء و مساکین کو محروم کر کے تنہا اس سے مستفید ہونا چاہتے ہیں۔ ذرا چشم تصور دیکھتے تمام وارثین مل کر کچھ سوچ بچار کر رہے ہیں۔ فقراء و مساکین کو محروم کرنے کی اسکیموں پر غور و خوض جاری ہے، اسی درمیان ان میں سے ایک فیاض و سخی اور شریف النفس انسان انہیں اپنے والد کے نقشہ قدم پر چلنے کی دعوت دیتا ہے، لیکن یہ سب اس کی ناصحانہ باتوں پر کان نہیں دھرتے، اور اس نیک سرشت انسان کی نحیف و ناتواں آواز صد ابصر اثابت ہوتی ہے۔

یہ انسانی نفسیات کی دو متضاد مثالیں ہیں، ایک مثال اس بخیل اور حریص اور لذائذ دنیوی کے دلدادہ انسان کی ہے جو اپنی حریصانہ فطرت کی وجہ سے اپنے خالق و مالک اور قادر مطلق سے بے خبر ہے، وہ صرف اپنی خوشحالی کا خواہاں ہے۔ دوسروں کے فقر و فاقہ اور موت و حیات سے اسے کوئی دلچسپی نہیں، لیکن وہیں جو دو سخا ایثار و قربانی اور شریفانہ اخلاق و کردار کا وہ نمونہ بھی ہمارے سامنے موجود ہے جس کا مقصود و مشن تمام

صَارِمِينَ ☆ فَانطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ ☆ اَنْ لَا يَدْخُلَهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مُسْكِينٌ ☆ وَعَدُوا عَلٰى حَرَدٍ قَادِرِينَ ☆ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا اِنَّا لَضَالُونَ ☆ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ☆ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَكُمْ لَوْلَا تَسْبُحُونَ ☆ قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا اِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ☆ فَاقْبَلْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَتَلَامُونَ ☆ قَالُوا يَا وَيْلَنَا اِنَّا كُنَّا طَاغِينَ ☆ عَسَى رَبُّنَا اَنْ يُبَدِّلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا رَاغِبُونَ ☆ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ☆ ﴿

ترجمہ: ہم نے ان (اہل مکہ) کو اسی طرح آزمائش میں ڈالا ہے جس طرح ایک باغ کے مالکوں کو آزمائش میں ڈالا تھا۔ جب انہوں نے نے قسم کھائی کہ صبح سویرے ضرور اپنے باغ کے پھل توڑیں گے اور وہ کوئی استثناء نہیں کر رہے تھے، رات کو وہ سوئے پڑے تھے کہ تمہارے رب کی طرف سے ایک بلا اس باغ پر پھر گئی اور اس کا حال ایسا ہو گیا جیسے کئی ہوئی فصل ہو، صبح ان لوگوں نے ایک دوسرے کو پکارا کہ اگر پھل توڑنے ہیں تو سویرے سویرے اپنی کھیتی کی طرف نکل چلو، چنانچہ وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے کہ آج کوئی مسکین تمہارے باغ میں نہ آنے پائے وہ کچھ نہ دینے کا فیصلہ کئے ہوئے صبح سویرے جلدی جلدی اس طرح وہاں گئے جیسے کہ وہ (پھل توڑنے پر) قادر ہیں، مگر جب باغ کو دیکھا تو کہنے لگے ہم راستہ بھول گئے ہیں، نہیں بلکہ ہم محروم رہ گئے ہیں ان میں جو سب سے بہتر آدمی تھا اس نے کہا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے، وہ پکاراٹھے پاک ہے ہمارا رب واقعی ہم گناہ گار تھے پھر ان میں

انسانیت کی خوشحالی اور راحت و آرام ہے۔

ان تمام بھائیوں نے رات کو منصوبہ بنایا، کہ صبح سویرے باغ کے پھل توڑ لیں گے اور فقراء کیلئے کچھ بھی نہ چھوڑیں گے۔ چنانچہ وہ صبح کے طلحے اندھیرے میں اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے نکلے، آپس میں ایک دوسرے کو یہ نصیحت بھی ہو رہی ہے کہ دیکھو سبک گامی کو لازم پکڑو اور قدموں کی آہٹ بلند نہ ہونی چاہئے۔ نہایت محتاط انداز میں چلتے رہو، کہیں ایسا نہ ہو بنا بنایا کھیل بگڑ نہ جائے، انسانیت کا ایک چھوٹا سا جعبہ تھا، ایک خاندان جو اپنی طمع و حرص سے مجبور ہو کر معصیت الہی کے لئے گھر سے نکل پڑا تھا، مجرمین کا یہ گروہ تعداد میں بہت کم تھا، لیکن ان کا جرم نہایت شنیع تھا، یہ وہ جرم تھا جس کے اثرات متعدد ہوا کرتے ہیں، کیونکہ حرص و ہوس کا روگ لاشعوری طوراً انسانی نفوس پر اپنی تصویریں بنا لیتا ہے، اور پھر پورا کا پورا معاشرہ بلکہ پوری انسانیت ان اصنام حرص کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہے، جرم کی اسی سنگینی کے پیش نظر حریصوں کے اس گروہ کو کچھ سبق ملنا ہی چاہئے تھا تاکہ دوسروں کے لئے تازیانہ عبرت ہو، اور زمان و مکان و قیود سے ماوراء تمام حریصانہ طبائع کے لئے سامانِ نصیحت ہو سکے، وہ باغ کی طرف تیز گامی سے رواں دواں ہیں، اور فطرت یہاں تمام اسبابِ تمسخر و استہزاء کے ساتھ ان کے استقبال کی منتظر؛ باغ کا منظر دیکھ کر سانسوں کا زیر و بم دیکھنے کے قابل، کہاں کل وہ سرسبز باغ اور آج چٹیل و بخر میدان، کہاں وہ نرم خرام ہواؤں کے جھونکے، اور اب یہ باد صحر، آن کی آن میں تمناؤں کا خرمن خاکستر، امیدوں کا شیش محل چشم زدن میں چکنا چور۔

وَعَدُوا عَلٰی حَرْدٍ قَادِرِينَ ☆ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُونَ ☆ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ☆ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ☆

”صبح سویرے جلدی جلدی وہ لوگ اس طرح وہاں گئے جیسے کہ وہ (پھل توڑنے پر) قادر ہیں، مگر جب باغ کو دیکھا تو کہنے لگے، ہم راستہ بھول گئے ہیں، نہیں بلکہ ہم محروم رہ گئے، ان میں جو سب سے بہتر آدمی تھا، اس نے کہا: میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے“

یہ دونوں انسانی گروہ ہر معاشرے اور ہر جماعت میں پائے جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ان دونوں قسم کے انسانوں کے طبائع و میلانات کی ایک جیتی جاگتی تصویر بنا کر قرآن نے پیش کر دی ہے۔ ملاحظہ کیجئے: کیا قرآن کے مقصد میں کوئی غموض و ابہام ہے؟ کیا وہ انسانیت کے اس کے طبقہ کے متعلق یہی نہیں کہنا چاہتا کہ حرص و ہوس اور طمع و بخل کے جذبات لائق ستائش نہیں؟ خود غرضی، انانیت، مفاد پرستی کوئی محمود صفات نہیں؟ اس لئے ان رجحانات سیئہ کو ترک کر دینا چاہئے اور سب کو متحد ہو کر ایک خوشحال اور پر امن معاشرہ کی تشکیل کی کوشش کرنی چاہئے جہاں الفت و محبت، خیر سگالی و ہمدردی کا خوشگوار ماحول ہو، جہاں کا ہر فرد بشر دوسروں کی راحت و آرام کا خواہاں اور چین و سکون کے لئے کوشاں ہو، آج حرص و ہوس کی آگ میں جھلتا ہوا یہ معاشرہ اس قصہ کی روشنی میں اپنے مسائل کا حل تلاش کر سکتا ہے، کیونکہ اس کے پیغام میں تازگی ہے، جدت ہے، اور جب تک اس دنیا میں حرص و طمع کے جذبات موجود رہیں گے یہ قرآنی تمثیل انسانیت کو طریق مستقیم کی رہنمائی کا فریضہ ادا کرتی رہے گی۔ ☆☆☆

ابراہیمی قصوں میں قرآنی ہدایات

محمد مسعود عزیز می ندوی

رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

حضرت ابراہیم کی ولادت اور وطن:

حضرت ابراہیم کا سال ولادت سرچارلس مارشٹن محقق اثریات کی جدید تحقیق کے مطابق ۲۱۶۰ ق م ہے، عمر توریت میں ۱۷۵ سال درج ہے، سال وفات اس حساب سے ۱۹۸۵ ق م ٹھہرتا ہے، حضرت ابراہیم کے والد کا نام تاریخ تھا یا عربی تلفظ میں آزر، وطن آبائی ملک بابل یا کلدانیہ (کالڈیا)، جدید جغرافیہ میں اسی ملک کو "عراق" کہتے ہیں، جس شہر میں آپ کی ولادت ہوئی اس کا نام توریت میں اور (UR) آیا ہے، مدتوں یہ شہر نقشہ سے غائب تھا، اب از سرنو نمودار ہو گیا، یہ شہر خلیج فارس کے دہانہ فرات اور عراق کے پایہ تخت بغداد کے تقریباً درمیانی مسافت پر ہے، حضرت ابراہیم نے آنکھ کھولی تو ہر طرف مشرکانہ ماحول نظر آیا، بلکہ باپ چونکہ بت پرست، بت ساز اور بت فروش تھا، اس لیے گھر بتوں سے پٹا پڑا تھا۔

حضرت ابراہیم بچپن سے ہی

سلیم الفطرت تھے:

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو بچپن سے ہی عقل سلیم اور فطرت راشدہ عطا کی تھی۔ قرآن میں ہے: "وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ" (سورہ

الانبياء حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل ہیں، آپ کی ولادت اور حضرت نوح علیہ السلام کی ولادت کے درمیان ۸۹۰ سال کا عرصہ ہے۔ توریت کے اس بیان کو اگر مان لیا جائے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ۹۵۰ سال ہوئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی زندگی میں ساٹھ سال کے ہو گئے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصوں میں قرآنی ہدایات ایک طویل مضمون ہے، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ کا ذکر قرآن کریم کی پچیس سورتوں میں آیا ہے۔ واضح رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات زندگی کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے حالات بھی ملے جلتے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے ۸۶ سال کی عمر میں پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر (۱۷۵) سال ہوئی۔ گویا حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ (۸۹) سال رہے۔ حضرت اسحاق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے سو سال کی عمر میں پیدا ہوئے۔ وہ اپنے والد صاحب کے ساتھ (۷۵) سال رہے۔

والدین کو کیسے نصیحت کریں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصوں میں ہدایت کا بہت سا سامان موجود ہے۔ حضرت ابراہیم نے چونکہ مشرکانہ ماحول میں آنکھیں کھولی، اس لیے ان کو سب سے پہلے باپ سے واسطہ پڑا، حضرت ابراہیم اپنے باپ کو ادب اور محبت کے ساتھ طرح طرح کی نصیحتیں کرتے رہے، مگر باپ نے ایک نہ مان کر دی، بلکہ انہیں دھمکی دی کہ میں تمہیں سنگسار کر دوں گا۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا: مگر میں تو اپنے مہربان خدا سے آپ کی مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا۔ سورہ مریم میں مذکور اس واقعہ سے قرآن کریم یہ ہدایت دیتا ہے کہ والدین کا جو مقام ہے وہ بہت اونچا ہے۔ اگر ماں باپ مشرک بھی ہوں، تو ان کا ادب و احترام، ان کا پاس و لحاظ کیا جائے، اور نصیحت کی ضرورت پڑے تو بھی ادب و احترام کا معاملہ ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔

چاند، ستارے اور سورج خدا نہیں ہو سکتے:

سورہ انعام میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنی قوم کے جھوٹے معبودوں کی قلعی کھولنے اور ان کی بے چارگی اور عاجزی کو ظاہر کرنے کے لیے عملی اقدام شروع کیے۔ پہلے انہوں نے آسمانی معبودوں یعنی ستاروں کی طرف توجہ کی، ان کو بطور استفہام معبود بتلایا، پھر چاند کی طرف توجہ کی، پھر اس کو معبود سمجھا، پھر سورج کی طرف توجہ کی اور اس کو بڑا سمجھا کہ یہی بڑا معبود ہے، مگر جب یہ بھی ستاروں کی اور چاند کی طرح غروب ہو گیا تو پھر آپ نے اعلان کیا کہ "قَالَ يَا قَوْمِ اِنَّي بَرِيٌّ مِّنْكُمْ شُرُكُوتِكُمْ" اے میری قوم تم جن (ناپائیدار اور تغیر

الانبیاء) اور ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی بچپن ہی سے وہ ہدایت عطا کی جو ان کے لائق تھیں۔ ہم ان کی استعداد و اہلیت کو جانتے تھے، اس لیے حضرت ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم کی یہ حالت دیکھ کر ان سے فرمایا "مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ" یہ صورتیاں کیا ہیں؟ جن کے آگے تم جھکے بیٹھے ہو (خود ہی ان کو گھڑتے ہو اور پھر انہیں کے آگے سر جھکا دیتے ہو) انہوں نے جواب دیا (اور تو ہم کچھ جانتے نہیں مگر سہ، سے بڑی دلیل بت پرستی کی سچائی کی یہ ہے کہ) ہم نے اپنے بزرگوں کو ان کی پوجا کرتے پایا ہے۔ بھلا ان جیسے عقل، سمجھ اور تجربے والے لوگ کیسے غلط کام کر سکتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا: اس جواب سے تمہاری حقانیت اور عقل مندی تو ثابت نہیں ہوئی۔ ہاں یہ ثابت ہوا کہ تم اور تمہارے بزرگ دونوں کھلی گمراہی میں ہیں۔ ساری قوم کے برخلاف حضرت ابراہیم کی یہ بات سن کر ان کو تعجب ہوا اور وہ کہنے لگے: کیا سچ مچ تیرا یہی عقیدہ ہے، یا تو محض ہنسی، دل لگی کر رہا ہے؟ حضرت ابراہیم نے جواب دیا: میرا عقیدہ یہی ہے اور میں پورے یقین اور بصیرت کے ساتھ اس کی گواہی دیتا ہوں کہ تمہارے پروردگار یہ تمہارے ہاتھوں کے تراشے ہوئے بت نہیں بلکہ تمہارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا نظام چلانے والا، وہ خدا ہے جس نے ان کو بنایا، اور قسم خدا کی میں تمہارے بتوں کی حقیقت بتانے کے لیے خفیہ تدبیر کروں گا، جب تم لوگ پیٹھ پھیر کر جا چکو گے۔ یہ بات حضرت ابراہیم نے ذرا آہستہ سے کہی، تھوڑے لوگوں نے سنی، بہت سوں نے نہ سنی۔

(سورہ الانبیاء آیت ۵۱/۵۷)

بطان ثابت کرنے کا موقع مل گیا، فرمایا تو پھر کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان چیزوں کو پوجتے ہو جو تم کو نہ نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان (اور یہ تو بعد کی بات ہے اپنے ہی آپ کو نقصان سے نہیں بچا سکتی) تف ہے تم پر اور ان پر جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو، کیا تم (اتنی بھی بات) نہیں سمجھتے۔

(سورہ الانبیاء آیت ۶۷)

اس واقعہ میں بتوں کی بے بسی کو ظاہر کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار کرنا تھا، اور بتوں کے بارے میں بتلانا تھا کہ یہ تو اپنے کو کسی ضرر سے نہیں بچا سکتے، بے جان ہیں تم کو کیا نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

میرا رب وہ ہے جو مارتا اور جلاتا ہے :

سورہ بقرہ میں نمرود کا واقعہ مذکور ہے، نمرود حضرت

ابراہیم کے زمانہ کا بادشاہ تھا، جس کو حضرت ابراہیم سے خطرہ محسوس ہوا چونکہ وہ خدائی کا دعویٰ کرتا تھا، اس نے حضرت ابراہیم کو بلایا اور اپنے رب ہونے کا اقرار کرانا چاہا، حضرت ابراہیم نے فرمایا ”ربی الذی یحییٰ ویمیت“ میرا رب وہ ہے جو مارتا ہے اور جلاتا ہے ”قال انا احی و امیت“ اس نے

کہا کہ میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں (سورہ بقرہ آیت ۲۵۸) اور ایک بے قصور شخص کو مار ڈالا، اور مجرم کو رہا کر دیا، اس نے بادشاہ ہونے کی وجہ سے اپنی قوم کی آنکھوں میں دھول ڈالنا چاہی، حضرت ابراہیم نے دوسری دلیل دی، جہاں اس کی بادشاہت کی طاقت کام نہ آسکی، آپ نے فرمایا ”ان اللہ یأتی بالشمس من المشرق فأت بها من المغرب فبیت الذی کفر“ (سورہ بقرہ آیت ۲۵۸) بے شک اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے، تو تو اسے مغرب سے نکال کر

قبول کرنے والی) چیزوں کو خدائے بزرگ و برتر کے ساتھ خدائی میں شریک کرتے ہو، میں ان سے بے تعلق ہوں (سورہ انعام آیت ۱۷۹/۷۶) اس واقعہ میں یہ بتلایا کہ اس کائنات میں کوئی چیز کتنی بھی بڑی ہو جس کی ذات و صفات ناپائیدار ہیں وہ خدا نہیں ہو سکتیں۔

بتوں میں نفع و نقصان پہنچانے کی

صلاحیت نہیں:

سورہ الانبیاء میں یہ واقعہ ہے جس کے بارے میں حضرت ابراہیم نے کہا تھا کہ زمینی معبودوں کی حقیقت دکھانے کے لیے میں خفیہ تدبیر کروں گا، آخر وہ دن آیا جب شہر والے سالانہ جشن منانے کے لیے گھروں سے باہر گئے اور ان کے بت خانے میں کوئی پجاری اور محافظ نہ رہا، حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموشی سے بت خانہ میں داخل ہوئے، اور ایک ہتھوڑے سے سب بتوں کو توڑ دیا، صرف ایک بڑا بت چھوڑا، اور ہتھوڑا اس کی گردن میں لٹکا دیا، جب ان لوگوں نے واپس آ کر صورت حال دیکھی، حضرت ابراہیم پر شک کیا، تو انہوں نے حضرت ابراہیم سے پوچھا کہ تو نے یہ حرکت کی ہے؟ حضرت ابراہیم نے جواب دیا ”بل فعلہ کبیرہم ہذا فاستلوہم ان کانوا ینطقون“ اسی نے تو کیا ہی ہے، یہ ان سب کا بڑا ہے (قرینہ یہ ہے کہ اسی نے یہ حرکت کی ہوگی) ان بتوں ہی سے پوچھو اگر یہ بول سکتے ہوں، ان لوگوں نے شرمندگی سے سر جھکا کر کہا، اے ابراہیم تجھ کو معلوم ہے کہ یہ بت بول نہیں سکتے۔

(سورہ الانبیاء آیت ۶۵)

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی حماقت اور

پاک دامن کی اللہ تعالیٰ کیسے حفاظت کرتا ہے:

اس واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم نے وطن چھوڑ کر کسی ایسی جگہ جانے کا فیصلہ کیا جہاں وہ امن اور یکسوئی کے ساتھ خداوند تعالیٰ کی عبادت کر سکیں، چنانچہ انہوں نے سرزمین فلسطین کا رخ کیا، اس سفر میں ان کے ساتھ ان کی بیوی حضرت سارہ تھی، یہاں کچھ عرصہ رہ کر وہ مصر کی طرف منتقل ہو گئے، شاہ مصر کو اطلاع ملی کہ یہاں ایک شخص آیا ہے جس کی بیوی بہت خوبصورت ہے، اس نے ان کو بلوایا، اور غلط کاری کا ارادہ کیا، جس میں وہ ناکام رہا، پھر اس نے اپنی غلطی کی معافی چاہی اور بہت سامال، مویشی، غلام اور باندیاں دے کر احترام کے ساتھ رخصت کیا، اور اپنی بیٹی حضرت ہاجرہ کو بھی حضرت سارہ کے حوالہ کر دیا، تاکہ وہ ان کی خدمت گزاری کرے اور تہذیب و اخلاق بھی سیکھے، پھر حضرت سارہ نے حضرت ہاجرہ کو اپنے شوہر کے حوالہ کر دیا، جنہوں نے ان سے نکاح کر لیا، جن سے حضرت اسماعیل پیدا ہوئے۔

اطمینان قلب کے لیے مشاہدہ:

حضرت ابراہیم کی فطرت میں تحقیق و تجسس کا مادہ بے حد تھا، ان کا طبعی مذاق یہ تھا کہ وہ ہر عجیب و غریب واقعہ کی حقیقت اور اصلیت کا تحقیقی علم حاصل کریں، اس لیے سورہ بقرہ میں حضرت ابراہیم کا یہ واقعہ مذکور ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُخْبِتُ السَّمَوَاتِي قَالَ أُولَئِمُ تَوَمِنَ قَالَ بَلَىٰ وَلَكِنَّ لِيُطَمِّئِنَ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَيَّ

دکھادے (یہ سن کر) وہ کافر حیران رہ گیا، اور وہ سمجھ گیا کہ ابراہیم کا خدا ایسا کر سکتا ہے کہ وہ مغرب سے بھی سورج نکال سکتا ہے، اس لیے وہ خاموش رہا۔

داعی کی اللہ تعالیٰ کیسے حفاظت کرتا ہے:

اس کے بعد نمرود نے ناکام ہو کر طاقت آزمائی اور حضرت ابراہیم کو عبرت تاک سزا دینے کا فیصلہ کیا اور ایک بڑے میدان میں آگ کا الاؤ جلانے کا حکم دیا، اور بڑی بڑی لکڑیوں کا اس میں انبار لگا کر اس کو شعلہ زار بنایا گیا، پھر حضرت ابراہیم کو مخفیق کے ذریعہ آگ میں پھینک دیا گیا، حضرت ابراہیم نے ”حسبنا اللہ ونعم الوکیل“ فرمایا ”قالوا حرقوه وانصرو آلہتمکم ان کنتم فاعلین“ (نمرود اور اس کے افسروں نے) کہا ابراہیم کو پھونک ڈالو اور (اس طرح) اپنے دیوتاؤں (کی رسوائی کا بدلہ لے کر ان) کی مدد کرو، اگر تم کر سکتے ہو ”قلنا یانار کونسی بردا وسلاما علی ابراہیم“۔

(سورہ انبیاء آیت ۶۸/۶۹)

(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) ادھر ہم نے آگ کو حکم دیا کہ اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا (مگر ایسی ٹھنڈی نہیں کہ جس سے انہیں تکلیف پہنچنے لگے، بلکہ) ایسی ٹھنڈی جس سے ان کو چین اور سلامتی حاصل ہو، آگ کا حضرت ابراہیم پر اثر نہ کرنا، یہ دراصل ایک معجزہ تھا، اور اللہ تعالیٰ دینی دعوت کا کام کرنے والوں کی ایسے ہی حفاظت کرتا ہے:

آج بھی ہو جو ابراہیم سا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

کے مٹے مٹائے نشان تھے، جسے حضرت آدم علیہ السلام نے خدا کے حکم سے اس کی عبادت کے لیے تعمیر کیا تھا، چھوڑ آئیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بلا پس و پیش اس حکم کی تعمیل کی اور وادی غیر ذی زرع میں ان کو چھوڑ دیا، سورہ ابراہیم میں ہے: ﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْعِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾۔ (سورہ ابراہیم آیت ۳۷)

اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی اولاد کو ایک چٹیل میدان میں جہاں کھیتی نہیں ہے، تیرے (پرانے) مقدس گھر (بیت اللہ) کے پاس لایا ہے، اے پروردگار مقصد یہ ہے کہ وہ یہاں (اس مقام کو) مرکز بنا کر نماز قائم کریں (اور تمام دنیا میں عبادت و اطاعت خداوندی کا ڈنکہ بجائیں) لہذا تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے (کہ وہ ان کی بات سنیں) اور ان کو (کھانے پینے کی تمام چیزوں کے علاوہ مختلف) پھل بھی عطا کرتا کہ وہ تیرا شکر ادا کریں، حضرت ابراہیم کا مقصد اس غیر آباد علاقہ میں اپنے خاندان کو آباد کرنے سے صرف یہ تھا کہ اس جگہ کو مرکز بنا کر ساری دنیا میں اطاعت خداوندی کا پیغام پہنچایا جائے، چنانچہ اسی بنا پر یہاں حج کا فریضہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا، اس واقعہ میں دین کے لیے خاندان کی قربانی کی یہ عجیب مثال ہے۔

اکلوتے بیٹے کی قربانی:

اس آزمائش کے بعد قرآن کریم میں ایک آزمائش اور منقول ہے، کہ حضرت ابراہیم کو خواب میں حکم ملا کہ اپنے اکلوتے فرزند کو ہمارے راستے میں قربان کر دو، چنانچہ حضرت

كُلُّ جَبَلٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مِّمَّا أَذْعَمُنَّ بِإِيتِنِكَ سَعْيًا وَاغْلَمَ أُنَّ
اللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۵﴾ (سورہ بقرہ آیت ۲۶۰)

اور (یاد کرو اس واقعہ کو) جب ابراہیم نے کہا اے میرے پروردگار! تو مجھے دکھا کہ کس طرح تو مردوں کو زندہ کر دے گا (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ کیا تم کو یقین نہیں (حضرت ابراہیم نے جواب میں کہا) کیوں نہیں لیکن دلی اطمینان چاہتا ہوں (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ چار پرندوں کو لو، پھر ان کو اپنے ساتھ مانوس کرو، پھر (مختلف پہاڑوں میں سے) ہر پہاڑ پر (ان کے ٹکڑے کر کے) ایک ایک ٹکڑا رکھ دو، پھر ان کو پکارو، وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ قدرت والا ہے، اور حکمت والا ہے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہی کیا، اور وہ پرندے اپنے اپنے جسموں کے ساتھ حضرت ابراہیم کی آواز پر دوڑتے ہوئے چلے آئے، گویا حضرت ابراہیم کا ایمان مشاہدہ میں بدل گیا، اور یقین و اطمینان سے معائنہ و مشاہدہ کا درجہ حاصل کر لیا یہی حضرت ابراہیم کی خواہش تھی کہ ان کے درجہ ایمان میں ترقی ہو، چونکہ یہ واقعہ عجیب و غریب تھا اور اس میں بڑی حکمت و مصلحت پوشیدہ تھی، اس لیے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ صاحب قوت و قدرت ہے اور اس کے ہر کام میں مصلحتیں اور حکمتیں ہوتی ہیں۔

بیوی بچے کی قربانی:

حضرت اسماعیل جب چھوٹے ہی تھے کہ حضرت ابراہیم اور ان کی بیوی حضرت ہاجرہ کا ایک سخت امتحان لیا گیا، حکم الہی ہوا کہ حضرت ہاجرہ کو ان کے معصوم بچے کے ساتھ حجاز کے بنجر اور غیر آباد علاقہ میں اس مقام پر جو یمن سے شام جانے والی شاہ راہ پر پڑتا تھا، اور جہاں اللہ تعالیٰ کے اس مقدس گھر

نے خدائے واحد کے لیے تعمیر کیا تھا، اب صرف اس کے نشانات باقی تھے، چنانچہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل دونوں نے زل کر بیت اللہ کی تعمیر پرانے کھنڈوں کے نشانات پر شروع کی، نئے سرے سے بنیادیں کھودیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا کر لاتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام رڑے رکھتے جاتے اور دونوں دعا کرتے جاتے ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ☆ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔

(بقرہ آیت ۱۲۷/۱۲۸)

اور (اس وقت کا تصور کرو) جب ابراہیم اور ان کے ساتھ اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں (پرانے نشانات پر نئے سرے سے) بلند کر رہے تھے (اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے تھے) (اے ہمارے پروردگار! ہماری اس خدمت کو) قبول فرما، بے شک تو دعا کا سننے والا ہے، اور دل کی حالت کو جاننے والا ہے، اے ہمارے پروردگار! تو ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھ، اور ہم دونوں کی اولاد میں ایک اپنی فرمانبردار امت پیدا کر اور ہم کو ہماری عبادت کے صحیح ڈھنگ (خصوصاً حج کے شعائر اور آداب) سکھا (اور اگر ان پر عمل کرنے میں کوئی کوتاہی ہو) تو ہم کو معاف کر، بے شک تو بڑا رحمت کے ساتھ متوجہ ہونے والا ہے، اور رحم کرنے والا ہے، چنانچہ بیت اللہ کی طرف آج پوری امت مسلمہ رخ کر کے نماز پڑھتی ہے، پوری دنیا سے بیت اللہ کے حج و زیارت کے لیے لوگ سفر کر کے جاتے ہیں، اور یہ اس دعا کی برکت سے امت محمدیہ مسلمہ کے لوگ ہیں جو

ابراہیم شام سے چل کر مکہ معظمہ آئے اور بچہ کو بنا سنوار کر اپنے ساتھ جنگل میں لے گئے، پھر بچہ کا امتحان لینے کے لیے ان سے کہا ”یا بنی ان اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری“ اے بیٹے! میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ تجھے ذبح کرتا ہوں، تو تو بھی سوچ سمجھ کر بتا تیری رائے کیا ہے؟ حضرت اسماعیل نے بے جھجک جواب دیا ”یا ابا جان! تم کو خدا کی طرف سے جو حکم دیا جا رہا ہے، اسے کر گزرو (میرا خیال نہ کرو) اگر اللہ نے چاہا تو تم مجھ کو صبر کرنے والوں میں پاؤ گے (تم جلد ہی دیکھ لو گے کہ میں اس امتحان میں کس طرح صبر و تحمل کے ساتھ پورا اترتا ہوں)

”قلما اسلما وتله للحمین ونادیناه ان یا ابراہیم قد صدقت الرؤیا انا کنلک نحزی المحسنین“ پھر جب (باپ بیٹے) دونوں نے خدا کے حکم کی تعمیل میں سر جھکا دیا اور ہم نے ان کو پکار کر کہا اے ابراہیم! تو نے خواب کو سچ کر دکھایا (اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں) ہم نیکو کاروں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ذنبہ قربانی کا آیا اور وہ ذبح کیا گیا ”وفدیناه بذبح عظیم“ اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو اس کا فدیہ بنایا ”وترکنہا فی الآخرین سلام علی ابراہیم کنلک نحزی المحسنین“۔ (الصفات ۱۱۰/۱۰۲) اور اس رسم کو پچھلے لوگوں میں باقی رکھا، سلام ہو ابراہیم پر، ہم یونہی بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو، اب یہ سنت بن گئی اور قیامت تک کے لیے یہ سنت ابراہیمی امت محمدیہ پر ضروری قرار دی گئی۔

بیت اللہ کی تعمیر:

کچھ مدت بعد حضرت ابراہیم کو اللہ کا حکم ہوا، کہ وہ خدا کے مقدس گھر کی تعمیر کریں، جسے حضرت آدم علیہ السلام

بھی بوڑھے کھوسٹ ہو چکے ہیں۔ (سورہ ہود)

حضرت ابراہیم کو فرشتوں نے سلام کیا، انہوں نے ان کی میزبانی کے لیے پھڑپھڑا دیا، جب انہوں نے نہ کھایا تو گھبرائے، تو انہوں نے کہا کہ گھبراؤ نہیں ہم فرشتے ہیں۔

میزبانی کے آداب:

اس واقعہ سے میزبانی کے کچھ آداب معلوم ہوتے ہیں، جو شخص کسی کے پاس جائے اسے سلام کرنا چاہئے، آنے والے سے اگر پہلے جان پہچان نہ ہو تو اس سے واقفیت حاصل کی جائے، حضرت ابراہیم نے فرمایا قوم منکروں، آپ کو نہیں پہچانتا، آپ اپنا تعارف کرائیں، مہمان کی خاطر داری کے لیے گھر کے سب متعلقین کو مستعد رہنا چاہئے اور اپنی ذمہ داری کو محسوس کرنا چاہئے، حضرت ابراہیم کی بیوی حضرت سارہ بھی مہمانداری کے لیے تیار کھڑی تھی، گھر میں جو بہترین چیز ہو، اسے خوش دلی کے ساتھ مہمان کے سامنے پیش کرنا چاہئے، حضرت ابراہیم نے فوراً بھنا ہوا گائے کا پھڑا جو گھر میں سب سے بہتر چیز تھی مہمانوں کے سامنے پیش کر دیا، مہمان کو بھی میزبان اور اس کے گھر والوں کو خوش کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اگر کوئی تحفہ پیش نہ کر سکے تو ایسی باتیں ہی کرے جس سے میزبان اور اس کے گھر والوں کا دل خوش ہو جائے، یہ موضوع بہت تفصیلی اور طویل ہے کیونکہ حضرت ابراہیم کی پوری زندگی مجاہدوں اور قربانیوں سے بھری پڑی ہے، قرآن کریم میں جس قدر واقعات مذکور ہیں ان میں سے چند واقعات کو اجمالی طور پر ذکر کیا گیا ہے، اور بتلایا گیا ہے کہ قرآن کریم اس واقعہ سے کیا ہدایت پیش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان واقعات سے سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ☆☆☆

ابراہیم و اسماعیل دونوں کی مشترکہ (جسمانی اور روحانی) اولاد میں ہیں۔

نبی آخر الزماں کی بعثت کی دعا:

اس کے بعد دعا فرمائی ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۱۲۹) اور اے ہمارے پروردگار! اس امت مسلمہ میں ایک رسول انہی میں سے بھیج جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ان کو (تیری) کتاب اور اس کے اسرار کی تعلیم دے، اور ان کو (اپنی صحبت میں رکھ کر برائیوں سے) پاک و صاف کرے، بے شک تو عزت والا اور حکمت والا ہے، یہ دعا خاتم الانبیاء سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے متعلق ہے؛ کیونکہ مذکورہ بالا امت مسلمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور نبی پیدا نہیں ہو گا جو اس دعا کا مصداق ہو۔

حضرت اسحاق کی ولادت کی

خوشخبری:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق ہیں، جو حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسماعیل کی پیدائش کے ۱۲ سال بعد پیدا ہوئے، حضرت اسحاق کی پیدائش کی بشارت فرشتوں نے اس وقت دی جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب کے لیے آئے تھے، پہلے وہ حضرت ابراہیم کے ہاں پہنچے، انہوں نے حضرت سارہ کو حضرت اسحاق کی پیدائش کی بشارت دی، حضرت سارہ نے تعجب اور مسرت کے ساتھ کہا کہ اب میرے اولاد ہوگی؟ جب کہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں، اور بانجھ بھی ہوں، اور میرے شوہر

قصص قرآنی اور

سورۃ کہف کے قصص اربعہ

مولانا سجاد حسین صاحب
استاد مدرسہ دینیہ، غازی پور

زندگی پیدا کرنے والے خالق سے ربط پیدا کرتے ہیں۔ دوسری زبانوں میں قرآنی قصوں کو ہی بنیاد بنا کر قصے لکھے جاتے ہیں۔ اس طرح کے قصے بہت مفید ہیں اور زندگی کی تعمیر میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ اس کے بغیر زندگی خشک و بے جان ہوتی ہے۔ (۱) قرآن مجید جو ایک لافانی، بے نظیر و بے مثال سرچشمہ ہدایت ہے، یہ کتاب ہدایت بھی ہے اور کتاب عبرت و موعظت بھی۔ یہ ایک ایسا مکمل دستور حیات ہے، جسے خالق کائنات نے اپنے رسول (ﷺ) کے ذریعے اپنے بندوں کے پاس بھیجا ہے۔ دیگر موضوعات کی طرح اس کا ایک موضوع قصہ اور داستان بھی ہے۔ لیکن اس طور پر کہ یہ ہر طب و یا بس کا تذکرہ نہیں کرتا۔ یہ غیر ضروری امور کے بجائے اس بات پر روشنی ڈالتا ہے کہ واقعات میں عبرت پذیری کا کیا سامان مضر ہے؟ اور طلب رکھنے والا اس سے کس قدر مستفید ہو سکتا ہے؟۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانُوا فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةً لِّأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّلْقَوْمِ الْمُؤْمِنِينَ (يوسف ۱۱۱)

ترجمہ: یقیناً ان لوگوں کے قصے میں دانشمندیوں کے لیے بڑی ہی عبرت ہے، یہ کوئی جی سے گڑھی ہوئی بات نہیں ہے، بلکہ اس کتاب کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے آچکی ہے،

قصص و حکایات کا اپنا ایک مقام و مرتبہ ہے، ان کی اہمیت و افادیت، اثر آفرینی، ماحول اور معاشرے پر ان کی اثر اندازی، تربیت و کردار سازی میں ان کے اہم رول سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ سابقہ زمانوں میں ان کا بیحد مؤثر اور طاقت ور رول رہا ہے، اور بطور ایک مستقل فن کے ان کو عروج حاصل ہوا۔ امراء و سلاطین کے یہاں اہتمام کے ساتھ ایسے افراد موجود رہا کرتے تھے جنہیں فن قصہ گوئی میں مہارت حاصل ہوا کرتی تھی۔ عوام و خواص دونوں کے لیے اگر ایک طرف یہ تفریح و دل بستگی کا ذریعہ رہے ہیں تو دوسری طرف عبرت و موعظت کے لیے بھی ان کا کردار مسلم ہے۔ اب انقلابات زمانہ اور حالات کی تبدیلی، نیز دور جدید کے وسائل و ترقیات اور سامان تفریح نے اس صنف کی افادیت کو کم کر دیا ہے، اور رفتہ رفتہ یہ فن قصہ گوئی اب ختم ہوتا جا رہا ہے۔ حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی فرماتے ہیں:

”آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت سے ہی قصہ گوئی کا رواج ہوا ہے۔ یہ زندگی کا جزء لاینفک ہے، اور تعلیم و تربیت کا بھی اہم جزء ہے۔ چوپال میں بھی جو قصے ہوتے ہیں وہ ضائع نہیں ہوتے۔ بلکہ ان سے بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ادب میں فن کاری پیدا کرنے کے لیے بھی قصے کی ضرورت ہے۔ قرآن میں بیان کردہ قصے تربیت اور زندگی کو صحیح رخ پر لگانے کے لیے ہیں۔ ان قصوں کا بہت فائدہ ہے، یہ قصے

محدود رکھتے ہوئے بیان کیا گیا ہے، اور ان کی تفصیلات اور ان کے متعلقات کی وضاحت قرآن مجید میں نہیں کی گئی ہے، بلکہ سننے والوں کی واقفیت اور مزید واقفیت کے لیے ان کو ان کی صلاحیت و جستجو و تحقیق پر چھوڑ دیا گیا ہے۔“ (۳)

قرآن مجید کے موضوعات میں سے ایک اہم موضوع قصص اور واقعات ہیں، ان میں کچھ تو گزشتہ زمانے کے ساتھ وابستہ ہیں، یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات، فرماں بردار اور نافرمان قوموں کے واقعات۔ اور ان واقعات میں سے کچھ زمانہ آئندہ کے ساتھ مخصوص ہیں، یہ وہ قصے ہیں جن میں قیامت، حشر و نشر، جنت و دوزخ وغیرہ کا تذکرہ ہے۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

”قرآن کریم کا تیسرا اور اہم موضوع ”قصص اور واقعات“ ہیں۔ قرآن کریم میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں انہیں دو قسموں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے، ایک وہ واقعات جو ماضی سے متعلق ہیں، اور دوسرے وہ جو مستقبل سے متعلق ہیں۔ ماضی کے واقعات میں باری تعالیٰ نے زیادہ تر انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات بیان فرمائے ہیں، اور ان کے علاوہ بعض نیک یا نافرمان افراد و اقوام کے واقعات بھی مختلف جگہوں پر ذکر کیے گئے ہیں۔

ان قصوں کو بیان کرنے سے قرآن مجید کا مقصود تاریخ نگاری نہیں ہے بلکہ وہ ان قصوں کو یاد دلانا ایک طرف تو تذکیر و موعظت کا سامان مہیا فرماتا ہے، اور مسلمانوں کو انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت و عزیمت سے سبق لینے پر مجبور کرتا ہے، اور دوسری طرف یہ واضح کر دینا چاہتا ہے کہ سابقہ قوموں اور امتوں کے یہ بصیرت افروز سچے واقعات اس ذات گرامی کی زبان پر جاری ہوئے ہیں جو بالکل امی ہے، اور اس نے آج تک کسی

نیز ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں (ہدایت کی) ساری باتوں کی تفصیل ہے، اور رہنمائی ہے اور رحمت ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”قرآن کریم نے دعوت کے لیے واقعات بیان کرنے اور مثالیں دینے کا اسلوب اختیار کیا ہے، دوسرے وسائل دعوت کی بہ نسبت یہ طریقہ زیادہ زود اثر اور دلنشین ہے، اور مقصد کے حصول میں یہ طریقہ زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہوا ہے۔ ایک طرف قرآن کریم نے اگر تفصیلی ضابطے اور قانونی باریکیاں بتانے کو ضروری نہیں سمجھا ہے تو دوسری طرف اس خلا کو (اگر اس کو خلا سمجھا جائے جو درحقیقت خلا نہیں ہے) انبیاء کرام کی سیرت اور ان کے مواعظ اور دعوت پر مکالموں کے نمونوں سے پُر کیا ہے۔ یہ نمونے دلوں پر اثر اندازی کی بے انتہا قوت رکھتے ہیں، ذہن و قلب پر ان کا سحر کی مانند اثر ہوتا ہے۔“ (۲)

اس سلسلے میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی یہ تحریر بھی راہ نما ہے جو آپ نے ”ارض القرآن ایک بڑا علمی کارنامہ“ کے عنوان کے تحت تحریر فرمائی ہے، جس سے اس سلسلے میں مزید وضاحت ہوتی ہے، فرماتے ہیں:

”قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کے تذکرے آئے ہیں جو نصیحت و عبرت کا سامان رکھتے ہیں، اور بڑی اہمیت کے حامل ہیں، ان کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ان میں صحیح واقعہ بیانی کے ساتھ بڑی تاثیر بھی ہے، لیکن وہ واقعہ عام انسانی قصوں اور کہانیوں کی طرح نہیں ہیں۔ وہ عبرت و اصلاح کا کام کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں صرف سبق آموز واقعات کو ان کے صرف سبق آموز پہلوؤں کے اندر

ہوتا ہے۔ ایک ہی قصے کو بعض اوقات کئی کئی بار دہرایا گیا ہے۔ ایک ہی نبی کا واقعہ مختلف مقامات پر مذکور ہے۔ بکثرت وعیدیں، بشارتیں، تنبیہیں، نصیحتیں، دلائل، شواہد اور تاریخی واقعات ایسے ہیں جو جگہ جگہ مذکور ہیں۔ خود قرآن مجید نے کہا: ﴿کتاباً متشابہاً مثانی﴾ (سورہ زمر: ۲۳) (ایک ایسی کتاب جس کے مضامین آپس میں ملتے جلتے اور بار بار دہرائے ہوئے ہیں)۔ قرآن مجید نے یہ اسلوب کبھی اختصار سے کبھی تفصیل سے اختیار کیا ہے۔ اس کا یہ طریقہ حکمتوں سے خالی نہیں ہے۔ اس ضمن میں سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی رائے گرامی ہے:

”یہ بات قابل غور ہے کہ پورے واقعہ کو نہیں بلکہ اس کی بعض کڑیوں کو مکرر کر لایا جاتا ہے۔ خصوصاً ان کڑیوں کو جن میں عبرت و موعظت پر مشتمل مواد مذکور ہوتا ہے۔ جہاں تک پورے واقعہ کو دہرانے کا تعلق ہے تو ایسا قرآن میں شاذ و نادر ہی ہوا ہے، اور وہ بھی خاص وجوہ و اسباب اور سیاق و سباق کی مناسبت کی بناء پر۔ جب قاری واقعہ کی مکرر لائی گئی کڑیوں کا مطالعہ کرتا ہے اور ساتھ ہی اس کے سیاق و سباق پر نگاہ ڈالتا ہے تو ان کو مکمل طور پر اس موقع سے ہم آہنگ پاتا ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ جس کڑی کو جہاں کہیں بھی لایا گیا ہے، اور اس کے لیے جو اسلوب بیان بھی اختیار کیا گیا ہے وہ بالکل درست ہے۔ اس بات کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ بنیادی طور سے قرآن کریم کتاب دعوت ہے، اس لیے واقعہ کی جو کڑی ذکر کی گئی ان دونوں میں کامل یک رنگی و ہم آہنگی کا ہونا اولین مقصد ہے۔ اور ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے، مگر واقعہ کا فنی پہلو اس سے متاثر نہیں ہو پاتا۔“ (۶)

صاحب ”بصائر القرآن“ کے رائے ہے:

”قرآن مجید میں بہت سے قصے اور حکایتیں مذکور

کے پاس رہ کر اس قسم کا کوئی علم حاصل نہیں کیا۔ اس لیے یقیناً اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے باخبر کیا جاتا ہے، اور جو کلام وہ تلاوت فرما رہے ہیں وہ کوئی انسانی کلام نہیں، وہ خدا کا کلام ہے۔ پھر ان قصوں کے درمیان علم و حکمت کے بے شمار خزانے پوشیدہ ہیں اور ان کی ہر آیت انسان کو زندگی کے ان گنت مسائل پر صحیح اور بہتر رہنمائی کرتی ہے۔

قرآن کریم نے پیشین گوئی کے طور پر مستقبل کے واقعات بھی ذکر فرمائے ہیں۔ اس قسم کے واقعات میں قیامت کی نشانیاں، قیامت کے احوال، حشر و نشر کا منظر، دوزخ کی ہولناکیاں اور جنت کی دل فریبیاں بیان کی گئی ہیں، چنانچہ قیامت سے پہلے زمین سے ایک بولتے ہوئے جانور کا نمودار ہونا، یا جوج ماجوج کا خروج، صور اسرائیل، سوال و جواب، جنوں کے باہم مکالمے، قرآن مجید میں متعدد جگہ موجود ہیں۔“ (۴)

سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”قرآن مجید میں واقعات خالص دینی مقصد و غایت کو پورا کرنے کے لیے بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں دینی مقاصد کا دائرہ بڑا وسیع ہے، اور ان کا احاطہ و استیعاب کا رے دارد والی بات ہے۔ اس لیے قرآن تمام دینی مقاصد کو پورا کرنے کے لیے واقعات سے کام لیتا ہے، مثلاً وحی و رسالت کا اثبات، توحید، وحدت ادیان، انذار و تبشیر، مظاہر قدرت، خیر و شر کا انجام، عجلت و تاخیر، صبر و جزع، شکر و صبر اور دیگر اغراض و مقاصد جن کو پورا کرنے کے لیے قرآن میں واقعہ نگاری سے کام لیا گیا ہے۔“ (۵)

قرآن مجید کی واقعہ نگاری میں، اس کے مباحث و مضامین میں تکرار بھی پائی جاتی ہے۔ قاری کو بار بار اس کا مشاہدہ

ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔

کہہ کر پرچم توحید بلند کیا ہے، اور شرک سے مکمل اظہار برأت کیا ہے۔

تیسری جگہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ذَلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا (کہف: ۸۲)

ترجمہ: یہ تیرے رب کا احسان ہے۔ میں نے یہ کام اپنی مرضی سے نہیں کیا۔

چوتھی جگہ ہے:

قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّي ... (کہف: ۹۸)

ترجمہ: ذوالقرنین نے (تکمیل کار کے بعد) کہا کہ یہ میرے پروردگار کی مہربانی ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں اللہ وحدہ لا شریک کی قدرت کاملہ کا مکمل اظہار و اقرار ہے۔ اس بات کا اعلان ہے کہ اس کائنات کی ہر شے اس کی محتاج ہے۔ حکمرانی و بالادستی اسی کو حاصل ہے۔ ہر انسان اسی کا مجبور و محتاج ہے۔ ہاں جب اس کا فضل شامل حال ہو جائے، عطا و بخشش کا در کھل جائے تو پھر وہی انسان محیر العقول کا رنامے انجام دے ڈالتا ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا دیگر مخصوص سورتوں کے ساتھ اس سورت کی تلاوت کا بھی معمول رہا ہے۔ اس کا ذکر اپنی ایک تحریر میں یوں فرمایا ہے:

”جمعہ کے دن جن سورتوں کے پڑھنے کا شروع سے میرا معمول ہے، ان میں سورہ کہف بھی شامل ہے۔

ہیں، اور اسی بنا پر ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ جہاں قرآن کے دیگر مضامین نے ایک مردہ قوم کو زندہ، اکھڑوں کو مہذب و شائستہ، بے اخلاقوں کو بااخلاق بنا دیا، خلاصہ یہ کہ دم بھر میں تمام عرب کی کایا پلٹ دی، وہاں ان قصوں نے بھی بہت بڑا حصہ لیا۔ کفار و مشرکین اگر چہ دشمنی کی راہ سے ان قصوں کو ”أساطیر الأولین“ کہا کرتے تھے، لیکن ان کو خبر نہیں تھی، اور یہی قصے اندر اندر اپنا کام کر رہے تھے۔ آخر ایک روز ان کو پرچم اسلامی کے سایہ میں لاکھڑا کر دیا۔ پھر دوسرے حصے قرآن کے ساتھ یہ قصے بھی زندگی کے ہر شعبے میں ان کے رہ نما تھے۔“ (۷)

سورہ کہف قرآن مجید کی اٹھارہویں سورت ہے۔ اس سورت کے بارے میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں جن سے اس کی اہمیت و فضیلت کا اندازہ ہوتا ہے۔ دیگر کئی سورتوں کی طرح سورہ کہف کا بھی مرکزی موضوع عقائد کی درستی ہے۔ اس میں توحید باری تعالیٰ کا اثبات اور خالق و مخلوق کے درمیان فرق و امتیاز کو واضح کیا گیا ہے، اور یہ کام اس میں مذکور چار قصوں سے لیا گیا ہے۔ اس سورت میں اصحاب کہف کی زبان سے صاف صاف شرک سے بیزاری اور توحید کی پرستاری کا اعلان اس جملے سے کیا گیا ہے:

رَبَّنَا رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُنْ نَدُّعُو مِنْ دُونِهِ إِلَهًا۔ (کہف: ۱۳)

ترجمہ: ہمارا پروردگار وہ ہے جو سب آسمانوں اور زمینوں کا پروردگار ہے، ہم اس کے سوا کسی کو معبود نہیں پکاریں گے۔

اسی طرح اس مرد مومن کا قول بیان ہوا ہے، جس نے لِكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا۔ (کہف: ۳۸)

ترجمہ: ہمارا پروردگار تو اللہ تعالیٰ ہے، اور میں اپنے پروردگار کے

اس سورت کی جزئیات اور مشتملات کے سلسلے میں
تحریر فرماتے ہیں:

”یہ سورت چار قصوں پر مشتمل ہے۔ جو اس کے
سنگ میل یا ستون کہے جاسکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ وہ
محور ہیں جن کے گرد اس کی ساری تعلیم و موعظت اور دانش و
حکمت گردش کر رہی ہے۔ (۱) اصحاب کہف کا قصہ (۲)
صاحب الجنتین (دوباغ والے) کا قصہ (۳) حضرت موسیٰ
اور حضرت خضر علیہما السلام کا قصہ (۴) ذوالقرنین کا قصہ۔ یہ
جو اپنے اسلوب بیان اور سیاق و سباق کے لحاظ سے جدا ہیں
مقصود اور روح کے لحاظ سے ایک ہیں، اور اس روح نے ان کو
معنوی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ مربوط اور ایک لڑی میں
منسلک کر دیا ہے۔“ (۱۰)

ڈاکٹر سحیحی صالح ”علوم القرآن“ میں تحریر کرتے ہیں:
”اگر سرسری جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت اجاگر ہوتی
ہے کہ سورت کا ان مضامین کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ یہ حقائق
نہایت اچھوتے اور دل نشیں انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ ان
کی بناء پر یہ سورت ایک یگانہ اور منفرد اسلوب کی حامل نظر آتی
ہے۔ یہ حقائق غیبی امور سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان میں
ایمان کے اسرار و رموز پر روشنی ڈالی گئی ہے۔“ (۱۱)

یہ بات قابل غور ہے کہ سورہ کہف مکہ مکرمہ میں اس
وقت نازل ہوئی جب وہاں مٹھی بھر مسلمان ظلم و استبداد کی چکی میں
پس رہے تھے۔ ظلم و جبر کی آخری حدیں ان پر ختم کر دی گئی تھیں۔
وہ ظالم اور شقی القلب کفار کے خون آشام بچوں کے درمیان اُخذ
اُخذ کا زمرہ بلند کر رہے تھے، وہ لوگ جن کو خون کی چاٹ لگی
ہوئی تھی اور جو اس دین جدید کے پیر و کاروں کو کسی طرح بھی صفحہ

حدیث نبوی کے مطالعے کے دوران مجھے علم ہوا کہ اس میں
سورہ کہف پڑھنے اور اس کو یاد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، اور
اس کو دجال سے حفاظت کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔“ (۸)

الحمد للہ حضرت کا یہ سلسلہ تادم واپس قائم رہا۔ اس
سورت کا تعارف کراتے ہوئے مولانا تحریر فرماتے ہیں:

”اجمالی طور پر اس ذہن و خیال کو لیکر میں اس سورت
کی طرف اس طرح متوجہ ہوا، جیسے وہ میرے لیے بالکل نئی
ہے۔ میں یہ چراغ (یعنی اس سورت کے متعلق میرے ابتدائی
نقوش) لے کر اس سورت کے مضامین اور مشتملات کی تلاش و
جستجو میں نکل پڑا۔ اس وقت میں نے محسوس کیا کہ وہ معانی و
حقائق کا ایک نیا عالم ہے جس سے میں اب تک نا آشنا تھا۔ میں
نے دیکھا کہ پوری سورت صرف ایک موضوع پر مشتمل ہے،
جس کو میں ”ایمان و مادیت کی کشمکش“ یا ”غیبی قوت اور عالم
اسباب“ سے تعبیر کر سکتا ہوں۔ اس میں جتنے اشارے، حکایات
واقعات اور موعظ اور تمثیلیں گزری ہیں، وہ سب انہیں معانی
کی طرف اشارہ کرتی ہیں، کبھی کھل کر، کبھی در پردہ۔“

مجھے اس نئی دریافت یا نئی فتح سے بڑی مسرت
حاصل ہوئی۔ رسول اللہ (ﷺ) کی نبوت اور قرآن مجید کے
اعجاز کا ایک نیا پہلو میرے سامنے آیا۔ مجھے اس کا اندازہ نہ تھا
کہ یہ کتاب جو چھٹی صدی عیسوی میں نازل ہوئی، اس دجالی
تمدن و تہذیب کی (جو سترہویں صدی عیسوی میں پیدا ہوئی اور
پردان چڑھی، اور بیسویں صدی عیسوی میں پک کر تیار ہوئی)
نیز اس کے نقطہ عروج اور اختتام اور اس کے رہبر اعظم (جس کو
نبوت کی زبان میں ”دجال“ کہا گیا ہے) کی ایسی سچی اور بولتی
ہوئی تصویر انسانوں کے سامنے پیش کر دے گی۔“ (۹)

و ثابت قدمی اور جہاد و قربانی کا وہ قصہ ہے جو انسانیت اور حق و عقیدہ کی راہ میں بار بار پیش آتا رہا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسباب ارادۃ الہی کے تابع ہیں، اور ایمان و عمل صالح کی تصدیق و توثیق کرتے ہیں۔ اس لیے مومن کا راستہ و طریقہ صرف یہ ہے کہ وہ ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ اس ارادہ کو اپنی طرف متوجہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید کا مستحق بنے۔“ (۱۳)

تیسرا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہما السلام کا ہے۔ اصحاب کہف کے قصے کی بہ نسبت اس کا غیبی معاملات سے زیادہ تعلق ہے۔ اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جن مناظر کے مشاہدہ کا ذکر ہے، بظاہر وہ عام عقل انسانی سے متصادم ہیں، لہذا حیرت و استعجاب کا پایا جانا بدیہی ہے، لیکن پیش آمدہ حالات سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ بہ اعتبار انجام سارے اقدامات موزوں و بر محل اور عین مناسب حال تھے، کیونکہ اللہ رب العزت نے ان کو اپنی رحمت سے نوازا تھا اور خصوصی علم عطا کیا تھا: ﴿رحمة من ربك﴾ ، ان واقعات کی تاویل پیش کر کے حضرت خضر علیہ السلام کا مقصد اپنی غیب دانی کا اظہار نہ تھا، بلکہ ﴿و ما فعلتہ عن أمری﴾ کے ذریعہ وہ عاجزی کے اظہار کے ساتھ ان کی حکمت و مصلحت کو اللہ رب العزت کے حوالے کرتے ہیں۔ یہ طریقہ ہے اللہ کے ایک برگزیدہ بندے کا جو ہر نعمت پر شکر گزار ہوتا ہے، اور شکر و اعتراف کے ساتھ اس کی نسبت اللہ جل شانہ کی طرف کرتا ہے۔ برخلاف مادہ پرستانہ ماحول میں زندگی گزارنے والے مادیت کے پرستاروں کے کہ ان کی نگاہ میں صرف وہی درست ہے جس کو وہ درست سمجھتے ہیں، ان کو یہ غرہ ہوتا ہے کہ کائنات کا سارا علم ہم کو حاصل ہے، شعور و آگہی پر

ہستی سے منا ڈالنے کے لیے کمر بستہ تھے۔ اور اس کے لیے انہیں کسی بھی تدبیر سے گریز نہیں تھا۔ خلاصہ یہ کہ اہل ایمان کے لیے ہر سانس دو بھر ہو گئی تھی۔ ایسے روح فرسا اور حوصلہ شکن ماحول میں اس سورت کا نزول ہوا جس نے زخم پر مرہم کا کام کیا، ٹوٹے ہوئے دلوں کے لیے دلجوئی کا سامان ہوا۔ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسینی ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اس سخت و نازک گھڑی میں جب مایوسی و بے دلی پوری فضا پر محیط تھی، کیلجے منہ کو آ رہے تھے، اور آنکھیں پتھرانے لگی تھیں، قرآن مجید نے مکہ مکرمہ کے اہل ایمان کو ایک طرف حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کا نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا وہ قصہ یاد دلایا جو فرد اور جماعت اور ایک نبی اور ان کے قوم کے متعلق ہے۔ دوسری طرف اصحاب کہف کا یہ قصہ بیان کیا جس میں ایک ظالم و جابر بادشاہ کے سامنے ایمان کے امتحان کی داستان بیان کی گئی ہے۔ یہ قصے اپنے زمانے اور ماحول کے لحاظ سے، نیز اپنی شخصیتوں اور کرداروں کے اعتبار سے ضرور مختلف ہیں، لیکن اپنے مقصد میں متحد و متفق اور اپنے اختتام و نتیجے میں ایک دوسرے سے بہت مشابہ اور قریب ہیں۔ ایک مرکزی نقطہ ان سب میں پایا جاتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا ارادۃ قاہرہ، جو ایک مومن کو کافر پر، متقی کو فاجر پر، مظلوم کو ظالم پر، کمزور کو طاقت ور پر، اور غریب کو امیر پر، اس طرح غالب و فتیاب کرتا ہے کہ انسانی عقلیں اس کی توجیہ و تشریح سے قاصر رہتی ہیں، ایک کافر بھی ایمان لانے پر مجبور ہوتا ہے اور شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔“ (۱۲)

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ آگے تحریر فرماتے ہیں:

”اصحاب کہف کا قصہ ایمان و جوانمردی، استقامت

رطب اللسان ہوتے ہیں۔ انہیں اس بات کا اقرار بھی ہے کہ اگر اللہ کی مرضی ہوگی تو اس کا ایک اشارہ بھی بڑے سے بڑے منصوبوں اور کوہ پیکر تعمیرات کو بھی پلک جھپکتے خس و خاشاک کی مانند بہا لے جائے گا۔

علاوہ ازیں سورت کے ابتدائی حصے میں ایک اہم مضمون کی طرف بھی اشارہ ہے، توجہ اس جانب دلائی جا رہی ہے کہ وہ لوگ جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، ان کی معیت و رفاقت اختیار کی جائے۔ ارشاد باری ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ... (کہف: ۲۸)

ترجمہ: اور اپنے آپ کو مقید رکھا کیجئے ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں صبح و شام، محض اس کی رضا جوئی کے لیے۔

اس آیت میں اہل ذکر اور علماء و صلحاء کی ہم نشینی کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے کہ دعوت حق کا انحصار دو دروہ دار اسی قسم کے لوگوں پر ہے، خواہ وہ تنگ دست ہوں یا امیر، طاقت ور ہوں یا کمزور، حقیقی عزت ایمان و تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔

اس سورت کی آخری آیات میں منکرین قیامت اور آخرت فراموشوں، جن میں سرفرست یہودی لابی ہے، جس کا واحد مقصد عالمی پیمانے پر اپنی بالادستی قائم کرنا اور امت مسلمہ جس کو انہوں نے اپنا زلی حریف بنا رکھا ہے، اس کو عالمی نقشے سے مٹانا پہلا اور آخری مقصد ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿۶۷﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعِيَّهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿۶۸﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ

ہمیں مکمل دسترس حاصل ہے، حکمت و دانائی پر اجارہ داری ہماری ہی ہے۔

اس سورت کا چوتھا اور آخری قصہ ذوالقرنین کا ہے۔ ان کی شخصیت کے تعین میں مختلف آراء ہیں، لیکن ان کے تمام نمایاں اوصاف اس سورت میں مذکور ہیں جن سے ان کے جذبہ خیر و صلاح کا اظہار ہوتا ہے، اور ان کے تعلق باللہ کا علم ہوتا ہے۔ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ قوت و شوکت ذاتی اہلیت و صلاحیت کی مرہون منت نہیں، بلکہ محض اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں۔ انہیں اوصاف حمیدہ کی وجہ سے وہ مظلوموں، بیکسوں، ضعیفوں اور پست کردہ افراد کے لیے کشادہ دست، مونس و غم خوار، محسنوں کے ساتھ محسن، اور ظالموں، چیرہ دستوں، سفاکوں کے حق میں شمشیر بے نیام تھے۔ انہوں نے طویل اسفار کیے اور ایک طرف مشرق کے آخری سرے سے دوسری طرف مغرب کے آخری کنارے تک پہنچے۔ قرآن مجید میں ذوالقرنین کے واقعہ کا ذکر ان فاتحین فرماں رواؤں کی طرح نہیں کیا گیا ہے جن کا اولین مقصد ملک گیری ہوتا ہے، جو حرص کے مارے ہوتے ہیں، بلکہ اس واقعہ میں ان کی مسیحائی، ہمدردی اور عوام کے مال و اسباب سے بے نیازی کا اظہار ہے۔ جن کے کردار و اخلاق میں رضائے الہی کی جستجو ملتی ہے، اور وہ عوام الناس کے حق میں اپنی صالحیت و نافعیت ثابت کرتے ہیں، وہ عوام کے مفاد میں سرکش قوم سے حفاظت کے لیے جب پشتہ کی تعمیر سے فارغ ہوتے ہیں تو ان کے اندر بڑائی کا خیال نہیں آتا، وہ اس مہتم بالشان کارنامے پر نازاں نہیں ہوتے بلکہ سراپا عجز و انکسار بن کر اپنے رب کی رحمت و فضل اور اس کی کبریائی میں

حواشی

- (۱) کاروان ادب ص ۲۲۳- اپریل ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء، ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔ (۲) تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب: مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ۔ ص ۲۵-۲۴۔ طبع ۱۴۰۱ھ-۱۹۸۱ء۔ (۳) کاروان ادب ص ۲۱-۲۲۔ مارچ ۱۹۹۷ء، ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔ (۴) علوم القرآن: مفتی محمد تقی عثمانی ص ۳۱۵۔ طبع ۱۴۱۲ھ-۱۹۹۳ء۔ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند۔ (۵) قرآن کے فنی محاسن: سید قطب شہیدؒ۔ مترجم پروفیسر غلام احمد حریری ص ۲۲۰۔ طبع ۱۹۹۰ء۔ اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی۔ (۶) بصائر القرآن: محمد مہدی ص ۵۔ طبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ۔ ۱۹۲۲ء۔ (۷) معرکہ ایمان و مادیت: مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ۔ ص ۹۔ طبع ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۸ء۔ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ۔ (۸) ایضاً ص ۹۔ (۹) ایضاً ص ۱۲-۱۳۔ (۱۰) ایضاً ص ۲۱-۲۲۔ (۱۱) علوم القرآن: ڈاکٹر سحیحی صالح۔ مترجم پروفیسر غلام احمد حریری ص ۳۰۹۔ مطبوعہ تاج کمپنی، دہلی ۱۹۹۸ء۔ (۱۲) معرکہ ایمان و مادیت: مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ۔ ص ۳۳-۳۵۔ طبع ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۸ء۔ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ۔ (۱۳) معرکہ ایمان و مادیت: مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ۔ ص ۶۷۔ طبع ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۸ء۔ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ۔ (۱۴) ایضاً ص ۱۲۶۔

فَحَبِطْتُ أَعْمَالَهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ☆
(کہف: ۱۰۳-۱۰۵)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم تمہیں ان لوگوں (کاپتہ) بتائیں جو اعمال کے لحاظ سے بالکل ہی گھائے میں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری کوشش دنیا ہی کی زندگی میں (صرف و غارت ہو کر رہی، وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ کوئی بڑا اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ تو وہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی نشانیوں اور اس کے دیدار کی طرف سے کفر کیے ہوئے ہیں، سوان کے (سارے) کام غارت گئے اور قیامت کے دن ان (کے اعمال) کا ذرا بھی وزن نہ قائم رکھیں گے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”یہ تصویر ان یہودیوں پر سب سے زیادہ منطبق ہے، جنہوں نے تازیانوں اور تہیبوں سے اتنی بھری ہوئی اور طویل تاریخ کے باوجود آخرت کو فراموش کر دیا۔ اس سے ان کی عالمی سرگرمیوں پر بھی زد پڑتی ہے، جس نے عقل و حکمت، صنعت و سائنس، حکومتوں کے انقلاب اور بغاوتوں میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے، اور اپنی غیر معمولی ذکاوت اور فکری و عملی صلاحیتوں کو صرف تخریبی اور منہنی مقاصد، انتشار پیدا کرنے اور انارکی پھیلانے، طاقت کے لیے کشمکش، اور ایک نئی نسل یعنی مقدس نسل اسرائیلی کی برتری اور صرف ایک قوم یعنی اللہ کی ”پسندیدہ امت“ کی سیادت پر مرکوز کر دیں۔“ (۱۴)

اس سورت میں مذکور افکار و نظریات اس کے مرکزی مضمون کے ساتھ پوری مطابقت و یگانگت رکھتے ہیں۔ اس کے مطالعے سے قرآن مجید کی تعلیمات کی ہمہ گیری کا علم ہوتا ہے۔ اس کا اختتام بھی آغاز کے ساتھ ہم آہنگ و یک زبان ہے۔

قرآنی قصوں میں ظاہری تکرار اور اس کی ادبی و فنی معنویت

محمد فرمان ندوی

(استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)



قبل اس کے کہ ہم تکرار کے ادبی پہلو کی طرف اشارہ کریں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تحریر کی روشنی میں قصوں کے مقاصد کی طرف اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

”قرآن کریم میں قصوں کے ذکر کرنے کا مقصد قطعاً یہ نہیں ہے کہ انسان ان کی جزئیات اور مشمولات سے واقف ہو جائیں، بلکہ بنیادی اور حقیقی مقصد یہ ہے کہ ان واقعات کے تناظر میں قاری کا ذہن شرک و معاصی کی شاعت اور اس پر اللہ تعالیٰ کی گرفت، نیز نیک بندوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور ان کی توجہ خاص کی طرف منتقل ہو جائے“

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے قصے کے ان ہی اجزاء کا

تذکرہ کیا ہے جو کسی ناچیز سے مفید اور سبق آموز ہوں۔

تکرار کی ادبی حیثیت:

قرآن کریم جزیرۃ العرب میں نازل ہوا، وہاں عربی زبان و ادب کے رمز شناس شعراء اور ادباء کی ایک بڑی تعداد تھی، اور وہ اصناف سخن سے اچھی طرح واقف تھے، قرآن نے ان کی سطح سے بات کہی ہے۔ کہیں ایجاز اور کہیں اطناب ان کے کلام کا خاصہ ہے، اور اطناب کی شکلوں میں تکرار بھی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام
على سيد المرسلين، محمد وعلى آله وأصحابه
أجمعين، أما بعد!

صدر محترم، مندوبین کرام، اور معزز سامعین!

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی ایسی لازوال کتاب ہے، جو ظاہر و باطن، الفاظ و معانی، ہر لحاظ سے معجزہ ہے، اگرچہ عرب جیسے ماحول میں اس کے الفاظ، جملوں کی ساخت، عبارتوں کی تقدیم و تاخیر اور اس کا حسن ترتیب بادی النظر میں اعجازی پہلو لئے ہوئے ہے اور قرآن نے اسی عنوان سے کئی مقامات پر عربوں کو چیلنج کیا ہے، سورہ بقرہ ۲۳، سورہ کہف ۱۰۹، سورہ اسراء ۸۸ وغیرہ کی آیات اس پر شاہد عدل ہیں، لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک معنی اعجاز کلام کا بحر ناپیدا کنار ہے، اور جس قدر اس میں غوطہ زنی کی جائے گی، جدت کردار اور معانی بحر زخار ہو پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔ علامہ اقبالؒ نے بہت پہلے کہا تھا۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان

اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

حضرات! مستشرقین نے قرآن کریم کے خلاف جو

بے بنیاد اعتراضات کئے ہیں، ان میں جہاں اس کے بعض

باطنی پہلو ہیں، وہیں ظاہری پہلوؤں میں تکرار قصص بھی ہے،

(۹) اسحاق (۱۰) یعقوب (۱۱) یوسف (۱۲) یوب (۱۳) شعیب (۱۴) موسیٰ (۱۵) ہارون (۱۶) یونس (۱۷) داؤد (۱۸) سلیمان (۱۹) الیاس (۲۰) الیسع (۲۱) زکریا (۲۲) یحییٰ (۲۳) عیسیٰ (۲۴) ذوالکفل۔ (اکثر مفسرین کے نزدیک) (۲۵) حضرت محمد صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

قرآن کے اصلی مخاطب:

قرآن میں جن انبیاء کے واقعات کو بار بار دہرایا گیا ہے، وہ چار ہے: (۱) حضرت آدم علیہ السلام (۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام (۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام (۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ خصوصیت کے ساتھ ان چار انبیاء کرام کا تذکرہ صرف اس لئے ہے کہ اس وقت دنیا میں چار طبقات کے لوگ پائے جاتے تھے، ایک عمومی طبقہ (بنی نوع انسان)،

دوسرے مشرکین، تیسرے یہود، اور چوتھے نصاریٰ، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے تذکرہ تخلیق و خلافت ارضی کے ذریعہ سے پوری انسانیت کو اس کی حقیقت اور اس کے مقصد حیات کی طرف متوجہ کیا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ اس وجہ سے کیا ہے کہ مشرکین اپنے آپ کو انہی کی ملت کا پیروکار سمجھتے تھے، اس طرح

.....قرآن نے انہی قصوں کا تذکرہ کیا ہے جن سے جزیرہ عرب کے باشندے پوری طرح واقف تھے، چاہے وہ اشخاص ہوں یا اقوام، قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح، قوم شعیب، قوم لوط، قوم موسیٰ یا ان جیسے قوموں کا تکرار صرف اس لئے ہے کہ عرب اپنے سفر و حضر میں ان واقعات کا تذکرہ بار بار سنتے تھے، اور ان کی بستیوں سے گزرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توجہ کو اس پہلو کی طرف بار بار ملتفت کیا ہے، تاکہ اب بھی وہ ہوش کے ناخن لیں.....

ہے، اور یہ تکرار صرف نفس کے اندر اصل معنی و مدعا کو اتارنے کے لئے ہوتی ہے، کیونکہ انبیاء کرام کا اصل مقصد لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف بلانا تھا، اور روئے زمین پر امن و سلامتی کو قائم کرنا تھا، اور وہ اس وقت تک ممکن نہیں تھا جب تک کہ برے جرائم کو معاشرہ سے ختم نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ قرآن کریم نے ایک قصے کو کئی بار ذکر کیا ہے اور اسی کی طرف مصنف مکررات القرآن نے اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”یہ قصے قرآن کریم میں بار بار ذکر کئے گئے ہیں اور متعدد انداز میں بیان کئے گئے ہیں، ان کو قرآن کریم کی زبان میں تصدیق کہا گیا ہے، یعنی ایک بات یا ایک مثال یا قصے کو متعدد اور متنوع انداز میں کہنا فن بلاغت کی شاخ اعجاز القرآن کی اصطلاح میں اس کو تصدیق کہا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

انظر کیف

نصرف الآيات ثم هم يصدفون (آپ دیکھئے تو ہم کس طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے پیش کر رہے ہیں) (ص: ۹۱)

حضرات! قرآن کریم

میں جن انبیاء و رسولوں کے اسمائے گرامی اور واقعات بیان کئے گئے ہیں ان کی تعداد ۲۳ یا ۲۵ ہے۔

(۱) آدم (۲) اوریس (۳) نوح

(۴) ہود (۵) صالح (۶) ابراہیم (۷) لوط (۸) اسماعیل

اللہ تعالیٰ نے ان کو صحیح راستہ کی رہنمائی کی ہے، حضرت

موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے واقعات یہود و نصاریٰ کے لئے باعث عبرت و نصیحت ہے کہ وہ صحیح رخ پر اپنی زندگی کا سفر طے کریں، علامہ سید سلیمان ندویؒ مقالات سلیمانی میں تحریر فرماتے ہیں:

”قرآن کے اصلی مخاطب صرف چار ہیں“

(مقالات سلیمانی ص: ۲۸)

چند قوموں ہی کے واقعات کا

تذکرہ ماربلا کیوں؟

مولانا عبداللہ عباس ندوی اپنی کتاب ”مکرات قرآن“ صفحہ نمبر ۱۸ پر رقمطراز ہیں:

”جن انبیاء کی سیرتیں قرآن مجید میں نمونے کے طور پر پیش کی گئی ہیں، ان میں ہر بات کو بار بار نہیں کہا گیا، بلکہ صرف انہی باتوں پر زور دیا گیا ہے جس کا تعلق عقیدہ توحید، اصلاح معاشرت اور تعمیر

انسانیت سے ہے۔

قرآنی قصوں کے تکرار کی

فنی معنویت:

حضرات! پیدائش آدم، فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم، اور شیطان کا انکار یہ عنوان قرآن میں تقریباً پانچ جگہوں پر آیا ہے، سورہ بقرہ میں: ۳۲، سورہ اعراف: ۱، سورہ حجر، سورہ کہف، سورہ ص۔ لیکن ان میں استشہاد و استدلال کے لحاظ سے خاصا فرق ہے اور قصہ کی جزئیات یکجا نہیں ذکر کی گئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں ظاہری تکرار اگر نظر آ رہی ہے تو یہ کوتاہ نظری کی دلیل ہے کیونکہ جس کو تکرار سمجھا جا رہا ہے وہ تکرار نہیں بلکہ وہ تنوع اور تعدد ہے، اسی کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کتاب قصص القرآن صفحہ نمبر ۱۸ میں رقمطراز ہیں:

”قرآن کریم کا یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ وہ ایک ہی واقعہ کو مختلف سورتوں میں، ان سورتوں کے مضامین کے مناسب نئے اور اچھوتے انداز میں بیان کرنے کے باوجود واقعہ کی اصل حقیقت اور اس کی متانت اور سنجیدگی میں ادنیٰ سافرق بھی نہیں آنے دیتا، کہیں واقعہ کی تفصیل سے کہیں اجمال، کسی مقام پر اس کا ایک پہلو نظر انداز کر دیا گیا تو دوسرے مقام پر اسی کو سب سے زیادہ نمایاں حقیقت دی گئی ہے، ایک جگہ اسی واقعہ سے مسرت و انبساط و سرور پیدا کرنے والے نتائج نکالے گئے ہیں، تو دوسری جگہ واقعہ میں معمولی سا تغیر کئے بغیر خوف و دہشت کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔“

حضرات! قرآن نے انہی قصوں کا تذکرہ کیا ہے

جن سے جزیرہ عرب کے باشندے پوری طرح واقف تھے، چاہے وہ اشخاص ہوں یا اقوام، قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح، قوم شعیب، قوم لوط، قوم موسیٰ یا ان جیسے قوموں کا تکرار صرف اس لئے ہے کہ عرب اپنے سفر و حضر میں ان واقعات کا تذکرہ بار بار سنتے تھے، اور ان کی بستیوں سے گذرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توجہ کو اس پہلو کی طرف بار بار ملتفت کیا ہے، تاکہ اب بھی وہ ہوش کے ناخن لیں، اور ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ اپنی زندگی کو مزین کر کے سعادت دارین سے سرفراز ہوں۔

☆☆☆☆

قرآنی قصوں میں

نسوانی جذبات و احساسات کی جھلکیاں



محمد انوار عالم ندوی مدرسہ فلاح المسلمین امین محمد حیدر، رائے بریلی

سے شروع ہو کر والناس، پر ختم ہوتی ہے، اور سورہ بقرہ کے ابتدائی رکوع کی تلاوت کی اور بیٹھ گئے۔ پوری مجلس میں احساس شکست سے سناٹا چھا گیا۔ قرآن مجید کے الہامی وابدی ہونے کا بین ثبوت آج کا یہ سیمینار بھی ہے، قرآن مجید میں خواتین اور صنف نازک کا تذکرہ مختلف پیرایہ میں ملتا ہے۔ اس سے اس کی جس ذہنی و فکری بلندی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس مقالے میں اس کا احاطہ ممکن نہیں میں یہاں چند کا تذکرہ کرنا چاہوں گا۔

حضرت موسیٰ فرعونی جبر و استبداد سے بفضل ربہ نجات پانے کے بعد معمول کی زندگی گزارتے رہے کہ ایک دن قبطی جو فرعون کی قوم سے تھا، اور اسرائیلی جس سے حضرت موسیٰ تھے، دونوں کے درمیان ہاتھ پائی ہو رہی تھی، یہ دیکھ کر ان کا خون کھولنے لگا، اور اس میں شک نہیں کہ موسیٰ کا بنی اسرائیل کی ذلت و غلامی پر غم و غصہ اور ان کی حمایت و نصرت کا عین اور بے پناہ جذبہ ایک فطری و قدرتی جذبہ تھا، اسرائیلی نے مدد کیلئے آواز دی، حضرت موسیٰ نے سمجھا یا مگر مصری نہ مانا، موسیٰ نے غصے میں آ کر ایک طمانچہ رسید کر دیا، مصری اس ضرب کو برداشت نہ کر سکا اور راہی عدم ہو گیا، یہ

۱۹۹۲ء میں نیویارک میں عالمی مذاہب کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں دنیا کے مختلف مذہبی پیشوا اور علماء دین نے شرکت کی، ایک دن عنوان یہ رکھا گیا، کہ آج سب اپنی اپنی مذہبی کتابوں کا تعارف کرائیں گے، کراچی کے مولانا ذوالفقار صاحب شریک کانفرنس تھے۔ مجلس منعقد ہوئی شرکاء حاضر ہوئے، پروگرام شروع ہوا، اسپیکر نے مذاہب کا اجمالی تعارف کرایا، اور سب سے پہلے مذہب اسلام کے نمائندہ کو دعوت دی گئی،

مولانا ذوالفقار صاحب مانگ پر تشریف لائے، موضوع کی تعیین پر مسرت و انبساط کا اظہار کیا، اور فرمایا کہ قبل اس کے کہ ہم اپنی مذہبی کتاب قرآن مجید کا تعارف کرائیں، ہماری صرف ایک گزارش ہے کہ ہمارے جتنے بھی قابل قدر مذہبی رہنما تشریف فرما ہیں، وہ اپنی مذہبی کتاب کا تعارف اس کی اصلی زبان میں پیش کریں گے۔ ہمارا مذہب اسلام ہے جو خدائی مذہب ہے، ان الدین عند اللہ الاسلام، انسانوں کی ہدایت و رہبری کے لئے قرآن مجید کو لوح محفوظ سے حضرت جبریلؑ کے ذریعہ حضور اکرم ﷺ پر عربی زبان میں نازل فرمایا، بلسان عربی میں۔ جو آلم ذلك الكتب

استحیاء کی تعبیر صنف نازک کی صفت شرم و حیا کی ایسی عکاسی کر رہی ہے، جس پر فصحاء و بلغاء عرب سردھنتے ہیں، اور برملا اعتراف کرتے ہیں، ذلك الکتب لاریب فیہ۔ وہ لڑکیاں حضرت موسیٰ کی امانتداری عفت و پاکدامنی قوت و طاقت کا مشاہدہ کر چکی تھیں، والد کے سامنے تجویز پیش کی اور کمال احتیاط سے کنایہ و مجاز کے اوج ثریا پر پہنچ کر کہا، یابنت استاجرہ إن خیر من استأجرت القوى الامین، ان دونوں میں سے ایک نے کہا، ابا جان اس کو نوکر رکھ لیجئے، البتہ بہتر نوکر جس کو آپ نوکر رکھنا چاہیں وہ ہے جو زور آور امانتدار ہو، اس جگہ ایک طرف پیرسال ناتواں والد کی خدمت کا جذبہ کار فرما ہے تو دوسری طرف قدرتی و فطری جذبہ بشریت کی عکاسی ہے۔

سورہ نمل میں حضرت سلیمان اور ملکہ سبا کا ایک واقعہ قدرے تفصیل سے بیان ہوا ہے، جو اپنی تفصیلی و جزوی لحاظ سے بہت دلچسپ واقعہ ہے، اس میں سے صرف ملکہ سبا کی تمام تر ذکاوت و ذہانت، دولت و ثروت کا زعم پاش پاش کرنے والا واقعہ حضرت سلیمان کی خدمت میں حاضری کے موقع پر ”کشففت عن ساقیہا“ کی فنی محاسن و بلاغت کو بیان کرنا مقصود ہے، جو شہنشاہیت کے باوجود صنف نازک کی ذہنیت اور اس کے احساس کمتری پر دال ہے، حضرت سلیمان نے اظہار مقصد، اللہ کی طرف دعوت، زمرہ ایمان میں شمولیت کی پیش کش کرنے سے پہلے جنوں کی مدد سے ایک عالیشان محل تیار کروایا، جو آگینہ کی چمک، قصر کی رفعت اور عجیب و غریب صنعت کاری کے لحاظ سے بے نظیر تھا۔ اور اس میں داخل ہونے کیلئے سامنے جو صحن پڑتا تھا اس میں بہت بڑا حوض

واقعہ ہونا تھا، کہ قاتل کے بارے میں پورے ملک میں تفتیش و تلاشی شروع ہوگئی، پتہ چلا کہ قاتل وہی محل کا پروردہ، مصر کا دودھ پیتا موسیٰ ہے اور حضرت موسیٰ کے قتل کا مشورہ ہونے لگا، شہر کے آخری کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہا، ان الملا یأتمرون بك لیقتلوك فاحرج انی لك من الناصحین۔ فخرج منها خائفا یتربع قال رب نجنی من القوم الظلمین۔

جب اس نے مدین کی سرزمین پر قدم رکھا، تو دیکھا کہ کنویں کے سامنے بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ جانوروں کو پانی پلایا جا رہا ہے۔ جماعت سے ذرا فاصلہ پر دو لڑکیاں کھڑی ہیں، اور اپنے جانوروں کو پانی پر جانے سے روک رہی ہیں، حضرت موسیٰ سمجھ گئے، یہاں بھی وہی سب ہو رہا ہے، جو دنیا کی ظالم طاقتوں نے اختیار کر رکھا ہے، صنف نازک اور سراپا شرم و حیا میں اتنی کہاں جرأت کہ وہ مردوں سے پہلے اپنے جانوروں کو پانی پلائیں، حضرت موسیٰ سے یہ حالت نہ دیکھی گئی، دریافت کرنے پر بتایا ہم مجبور ہیں، ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں، ان میں اب یہ طاقت نہیں کہ وہ ان کی مزاحمت کو دور کر سکیں حضرت موسیٰ کو جوش آگیا، بھیڑ کو چیرتے ہوئے کنویں پر جا پہنچے، بڑا ڈول اٹھایا، اور تہا کھینچ کر لڑکیوں کے مویشیوں کو پانی پلادیا، اور لڑکیاں گھر چلی گئیں، خلاف عادت جلد واپسی پر انکے والد کو سخت تعجب ہوا، تفصیلات سننے کے بعد اطمینان ہوا، اور بے یار و مددگار غریب الوطن اجنبی موسیٰ کو بلانے کیلئے ان میں سے ایک لڑکی کو بھیجا، وجاءتہ احدثا ممشی علی استحیاء قالت إن امی یدعوك لیجزیک أجر ماسقیت لناء، اس جگہ علی

یوں ہے کہ حضرت مریم عابدہ و زاہدہ اور عفت مآب اپنے خلوت کدہ میں مشغول عبادت رہتیں، اور ضروری حاجات کے علاوہ کبھی اس سے باہر نہیں نکلتی تھیں۔

ایک مرتبہ مسجد اقصیٰ کے مشرقی جانب لوگوں کی نگاہوں سے دور ایک گوشہ میں تنہا بیٹھی تھیں، کہ اچانک خدا کا فرشتہ انسانی شکل میں ظاہر ہوا، حضرت مریم نے ایک اجنبی شخص کو اس طرح بے حجاب سامنے دیکھا، تو گھبرا گئیں، اور نسوانی غیرت میں بولیں، اگر تجھکو کچھ بھی خدا کا خوف ہے تو میں خدائے رحمن کا واسطہ دیکر تجھ سے پناہ چاہتی ہوں، فرشتہ نے کہا مریم خوف نہ کھاؤ، میں انسان نہیں بلکہ خدا کا فرستادہ فرشتہ ہوں، اور تجھ کو بیٹے کی بشارت دینے آیا ہوں، حضرت مریم نے جب یہ سنا، تو ازراہ تعجب فرمانے لگیں میرے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے جب کہ مجھ کو آج تک کسی بھی شخص نے ہاتھ نہیں لگایا، اسلئے کہ نہ تو میں نے نکاح کیا ہے، اور نہ میں بدکار ہوں، فرشتے نے جواب دیا، میں تو تیرے پروردگار کا قاصد ہوں، اللہ نے فرمایا ”یہ میں اسلئے کروں گا کہ تجھ کو اور تیرے لڑکے کو کائنات کیلئے اپنی قدرت کاملہ کے ”اعجاز“ کا نشان بنا دوں، اور لڑکا میری جانب سے ”رحمہ“ ثابت ہوگا، اور یہ میرا اہل فیصلہ ہے، وہ میرا کلمہ ہوگا، اس کا لقب مسیح اور اس کا نام عیسیٰ ہوگا۔ وہ دنیا و آخرت دونوں میں باوجاہت اور صاحب عظمت رہیگا۔“

اس مقام پر حضرت مریم کو تھوڑی دیر کیلئے حیرت و استعجاب ہوا کہ تو اللہ و تناسل کے عام قانون سے جدا قانون اعجاز کے مطابق محض حکم الہی اور ارادہ باری سے ہی رحم مریم میں وجود پذیر ہوگا، جس کا نام مسیح ہوگا، ایک لمحہ کیلئے پریشان

کھدوا کر پانی سے لبریز کر دیا، اور پھر شفاف آب گینوں اور بلور کے ٹکڑوں سے ایسا نفیس فرش بنایا گیا، کہ دیکھنے والے کی نگاہ دھوکا کھا کر یہ یقین کر لیتی تھی کہ صحن میں صاف و شفاف پانی بہ رہا ہے۔

ملکہ سبا سے کہا گیا قصر شاہی میں قیام کرو، ملکہ محل کے سامنے پہنچی تو شفاف بہتا ہوا پانی پایا۔ یہ دیکھ کر ملکہ نے پانی میں اترنے کیلئے کپڑوں کو ساق سے اوپر چڑھایا تو حضرت سلیمان نے فرمایا اس کی ضرورت نہیں ہے، سارے کا سارا محل اور اس کا خوبصورت صحن چمکتے ہوئے آب گینہ کا ہے۔

ملکہ کی ذکاوت و فطانت پر یہ سخت چوٹ تھی۔ اس نے لاوشکر، تخت و تاج کے ساتھ حضرت سلیمان کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

قرآن مجید کے مباحث میں ایک بحث عورتوں کی نبوت کا ہے۔ اس سلسلے میں علماء کے مختلف اقوال و نظریات ہیں، علامہ سید سلیمان ندوی ”ارض القرآن میں یوں رقم طراز ہیں کہ عورتوں کا نبی ہونا فطرت کے خلاف ہے:

”وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحی

إلیهم“ اور سورہ مائدہ میں ”ماالمسیح بن مریم الارسل قدخلت من قبلہ الرسل وامہ صدیقہ،“ یہ دونوں واضح اور بین دلیل ہیں عورت کے نبی نہ ہونے کی۔ إذ قالت الملئكة یمریم إن اللہ یشرك بکلمة منه اسمہ المسیح عیسی بن مریم وجیہا فی الدنیا والآخرة ومن المقربین، ویکلم الناس فی المهد وکھلاومن الصلحین، قالت رب انی یکون لی ولد ولم یمسننی بشر، واقعہ

قرآن مجید کے فنی محاسن، سلاست و روانی سحر بیانی و سحر آفرینی اور نکات و بصائر کا جائزہ ہر دور میں لیا گیا ہے، اور یہ کام ہوتا رہے گا، اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو گونا گوں صفتوں سے آراستہ کیا ہے، اسی طرح قرآن مجید کے اندر بھی انسانوں کی ذہنی و عقلی کدو کاوش کے لئے ان گنت عناوین رکھ چھوڑا ہے، جو اس کا اعجاز ہے۔

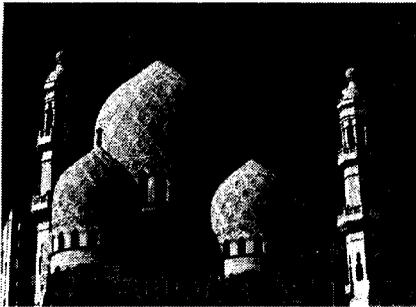


ہوئیں، حضرت مریم پر تنہائی کی تکلیف اور نزاکت حال سے جو خوف طاری اور اجزاء پیدا ہو گیا تھا، فرشتہ کی تسلی آمیز پکار اور عیسیٰ جیسے برگزیدہ بچے کے نظارے سے کا فور ہو گیا۔ وہ عیسیٰ کو دیکھ دیکھ کر شاد کام ہونے لگیں۔ تاہم یہ خیال پہلو میں ہر وقت کانٹے کی طرح کھٹکتا رہتا تھا، کہ اگرچہ خاندان اور قوم میری پاکدامنی و عصمت سے نا آشنا نہیں ہے، پھر بھی ان کی اس حیرت کو کس طرح مٹایا جاسکے گا، کہ بن باپ کے کس طرح ماں کے پیٹ سے بچہ پیدا ہو سکتا ہے، لیکن اللہ کی قدرت کاملہ اور معجزہ باہرہ نے جماعت انسان کی زبان کو گنگ کر دیا۔ جب نو مولود نے کہا:

قال انى عبدالله اتنى الكتب وجعلنى نبيا وجعلنى مباركا بين ماكنت و اوطنى بالصلوة والزكوة مادمت حيا، وبرا ابوالدنى ولم يجعلنى جبارا شقيا، والاسلم على يوم ولدت ويوم ابعث حيا.

میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی، اور نبوت عطا فرمائی، اور مجھے ہر جگہ بابرکت بنایا جہاں کہیں بھی میں رہوں، اور تاحیات مجھے نماز و زکوٰۃ کا حکم دیا، اور والدہ کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی، اور اس نے مجھ کو ظالم و بد بخت نہیں بنایا، سلامتی ہو مجھ پر اس دن جبکہ میں پیدا ہوا، اور اس دن بھی جس دن دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا۔

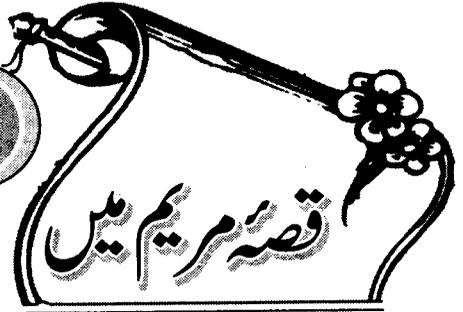
قوم نے جب ایک شیر خوار بچہ کی زبان سے یہ حکیمانہ کلام سنا، تو حیرت میں رہ گئی، اور اس کو یقین ہو گیا کہ مریم کا دامن بلاشبہ ہر قسم کی برائی اور تلویٹ سے پاک ہے، اور اس بچے کی پیدائش کا معاملہ یقیناً منجانب اللہ ہے۔



جذبات و احساسات کی تصویرگری

مولانا علاء الدین ندوی

استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ



لوگ بھی دیکھ لیتے کہ انسانی وجدان کس کس انداز سے جھوم جھوم جاتا ہے۔

چونکہ قرآنی تصویر کشی بلکہ جذبات نگاری کو خلاق فطرت کے قلم نے تخلیق بخشا ہے اس لئے ہر واقعہ کے نبض حیات میں اتار چڑھاؤ زوروں پر دکھائی دیتا ہے، اس کے قالب میں بلند افکار و معانی، بلند اقدار حیات تو ہوتے ہیں مگر جذبات نگاری ان میں روح بن کر پیوست ہوتی، جیسے کہ دھن میں موسیقی کا زریوم، گلاب کی پگھڑیوں میں خوشبو کی مہک اور گرمی گفتار میں جوش و مسرت کی لہک۔ جذبات نگاری کے یہ نغمے الفاظ کے پیکر میں پیوست ہوتے ہیں جس سے ایک طرف تو نقاش فطرت کی تصویر کشی کا حسن دو بالا ہو جاتا ہے اور دوسری طرف قاری کا وجدان اور حواس قابو میں آکر مسرور اور مطمئن ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ تصویر قرآنی کے صحت مند جذبات قلب کے لئے لطیف اور خوش کن جھونکے ہیں جن میں زندگی کی اصلیت اور اقدار حیات کی عظمت کے نقوش پنہاں ہوتے ہیں، اگر کہیں جذبات نگاری میں مکالمہ شامل ہو جائے تو ڈرامے کی کشش اور تاثر پیدا ہو جاتا ہے اور زندگی حرکت پذیر ہو جاتی ہے۔

ہم ذیل کی سطور میں اس عالم رنگ و بو کی چنیدہ، بزرگیدہ

قصہ گوئی یا تاریخ نویسی قرآن کریم کا مستقل بالذات عنصر نہیں ہے۔ وہ کتاب ہدایت و بصیرت ہے جو صحت مند زندگی کی تعمیر اور آخرت کی ابدی کامیابی چاہتا ہے۔ قصہ گوئی کے اسالیب میں تصویر نگاری، واقعہ نگاری، منظر نگاری اور جذبات نگاری ابلاغ کا ذریعہ ہیں جو قوس و قزح کی مانند جگمگاتے رنگ ہیں، جس سے قاری اور سامع کی جمالیاتی حس بیدار اور وجدان منفعل و متاثر ہوتا ہے۔ قرآن کریم کے بو قلموں ادبی اسالیب کی طرح فن قصہ گوئی بھی دینی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ قصہ گوئی میں تصویر کشی، کردار نگاری، خاکہ نگاری، مکالمہ نگاری اور ڈرامائیت کا حسین رچاؤ ہوتا ہے، جس کے لطن سے اخلاق کے تابندہ نقوش ابھرتے ہیں اور معانی و مطالب کا سیل رواں ہر بند توڑ کر ذہن انسانی میں سما جانا چاہتا ہے۔

قرآنی تصویر کشی، منظر نگاری اور جذبات نگاری کا انداز اتنا اچھوتا ہوتا ہے کہ زندگی تموج پذیر اور ذہنی افکار متشکل ہو جاتے ہیں، اس حرکت میں قوت گویائی کا اضافہ ہو جاتا ہے تو اس میں نشاط انگیز جاذبت پیدا ہو جاتی ہے۔ شرعی طور پر اگر تصویر کشی اور منظر نگاری کے ان زندہ نمونوں کو ڈرامے کی شکل میں اسٹیج پہ لانے کی حرمت نہ ہوتی تو سطح میں

ہیں، ان کی خدا ترسی کی کرامت کا ظہور ہے کہ اللہ نے موسیٰ اور غیر موسیٰ پھلوں کا انتظام کر رکھا ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام جوانی کی فطری شورشوں سے پاک و صاف اور تعلق مع اللہ کی لذت و حلاوت سے مالا مال ہیں۔

یہ ایک اس پیکر عصمت کی خلوت گاہ عبادت میں ایک خوب و مرد کامل آکھڑا ہوتا ہے، کمن مریم و رطہ حیرت میں پڑ جاتی ہیں، اس گوشہ تہائی میں ایک اجنبی مرد کی اچانک آمد، بلا اجازت آمد کیا معنی؟ پاکیزہ اور معصوم مریم خوف سے کانپ جاتی ہیں، جسم میں سنسنی دوڑ جاتی ہے، انجامانے اندیشوں میں گھر جاتی ہیں، مانا کہ بے داغ، پاکیزہ زندگی عفت و عصمت کی خود نگہبان بن جاتی ہے، مگر صنف نازک ہیں، خلوت گزریں ہیں، ”پناہ“ کا خیال دل میں ٹیس مارتا ہے اور اپنے خدا کے سامنے پناہ کی طلب گار بن کر پورے عجز و نیاز سے عرض کرتی ہیں:

﴿إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِن كُنْتَ تَقِيًّا﴾

(مریم ۱۸)

تو اگر کوئی خدا ترس آدمی ہے تو میں تجھ سے رحمن کی پناہ مانگتی ہوں۔

اچانک وارد ہو جانے والے اجنبی جس کی زہرہ جینی پہ نور کا تڑکا تھا، کو تقویٰ کا واسطہ دے کر اپنی طہارت نوازی اور خشیت الہی دونوں کا اظہار کر دیتی ہیں۔ کنواری مریم نہیں جانتیں کہ یہ مرد کامل روح امین حضرت جبرئیل (علیہ السلام) ہیں، اس لئے عزت مآب کے معصوم دل و دماغ میں خوفناک اندیشوں کا جنم لینا ایک فطری امر ہے۔

اور افضل ترین خاتون کنواری مریم علیہا السلام کے لطیف جذبات اور عقیف احساسات کے شیش محل میں ہلچل مچا دینے والے احساسات و جذبات کی صورت گری کا نمونہ دکھانا چاہتے ہیں، جذبات نگاری کی ان واقعاتی کڑیوں کو اٹھارہ آیتیں اور پانچ مناظر مربوط کرتے ہیں۔

پہلا حیرت انگیز منظر:

پہلے منظر کا آغاز اس بیان سے ہوتا ہے:

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ اتَّخَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْفِيًّا ۖ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۗ﴾

(مریم ۱۶-۱۷)

”اور اے محمد اس کتاب میں مریم کا حال بیان کرو جب کہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر مشرقی جانب گوشہ نشین ہو گئی تھی اور پردہ ڈال کر ان سے چھپ بیٹھی تھی، اس حالت میں ہم نے اس کے پاس اپنے روح کو (یعنی فرشتے کو) بھیجا اور وہ اس کے سامنے پورے انسان کی شکل میں نمودار ہو گیا۔“

حضرت مریم علیہا السلام معصومیت اور عصمت کی گود میں پلنے والی صالح خاندان کی ایک کنواری اور پاک طینت دوشیزہ ہیں، پیدا ہونے سے پہلے ہی خدا کی عبادت کے لئے نذر کر دی جاتی ہیں، نشوونما کے لفیل حضرت زکریا علیہ السلام بنتے ہیں۔ اپنے گھر اور معاشرے سے الگ تھلگ ہو کر تزکیہ نفس، عبادت و ریاضت کے لئے مسجد کے مشرقی گوشے میں خلوت نشین اور تہائی پسند ہو گئی ہیں، ہمکل تحفظ اور کلی اطمینان کے ساتھ گوشہ عاقبت (محراب) میں اللہ سے لو لگائے محتلف بیٹھی

دوسرا حیرت انگیز منظر

﴿ قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي

بَشْرًا وَلَمْ أَكْ بِغَيًّا ﴾ (مریم ۲۰)

میرے ہاں کیسے لڑکا ہوگا جب کہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے اور میں کوئی بدکار نہیں ہوں!!!۔

اب تو یقین ہو چکا تھا کہ یہ اجنبی مرد کامل خدائے قدوس کا فرستادہ ہے اور ”پاکیزہ لڑکے“ کی بشارت تو مشیت الہی ہے، جو ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ مریم بنت عمران کی بوکھلاہٹ بشارت خداوندی اور عطائے ربانی پر نہیں بلکہ اپنی ذات کے حوالے سے اس کے ممکن العمل ہونے اور نہ ہونے پر تھی، آخر لڑکا کیسے ہو جائے گا، جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں، نہ ہی میں کوئی نافرمان اور بدکار عورت ہوں!!؟ اس روح فرسا بشارت سے حیرت و استعجاب کے کانٹے چھڑ رہے تھے، اس لئے یہاں یہ وضاحت اور صاف گوئی بروقت اور بر محل تھی۔

مگر معاً بعد ہی وہ بشارت سنانے والا مرد خو برو دانا اپنی حیرت زا بشارت کی تائید و توثیق کرتے ہوئے یوں گویا ہوا:

﴿ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً

لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴾ (مریم: ۲۱)

(ایسا ہی ہوگا، تیرا رب فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لئے بہت آسان ہے اور ہم یہ اس لئے کریں گے کہ اس لڑکے کو لوگوں کے لئے ایک نشان بنائیں اور اپنی طرف سے ایک رحمت، اور یہ کام ہو کر رہنا ہے۔)

ہاں ایسا ہی ہوگا، اس لئے ہوگا کہ یہی اس کی مشیت ہے اور ایسا کرنا اس کے لئے بہت آسان ہے، اس خدائی فیصلے کے

خلوت گاہ عبادت میں ایک خوبصورت و نیک سیرت مرد کامل کی آمد سے حضرت مریم علیہا السلام کی حیرت و استعجاب ابھی کا فور بھی نہ ہوا تھا کہ اس نے وہ بات کہہ دی جس سے ہر انسان ششدر ہو کر رہ جائے گا۔

﴿ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ

غُلَامًا زَكِيًّا ﴾ (مریم ۱۹)

(میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں)

﴿ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ ﴾ (میں تیرے رب کا فرستادہ ہوں) کے اظہار سے حضرت مریم علیہا السلام کے ذہنی کرب و الم میں کمی تو آئی اور ڈھارس بھی بندھی کہ میں کسی جلسازی اور فریب کاری کے دام میں گھری نہیں ہوں، مگر ﴿لَأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا﴾ (کہ میں تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں گا) کے بول سن کر تو وہ شرم سے پانی پانی ہو گئیں، غیرت دوا آتش ہوئی اور ان کے اندرونی جذبات زیر و بم ہونے لگے۔

پاکیزہ لڑکا دینے کی بات نے پاکیزہ خصلت اور کنواری مریم کے عقیف جذبات میں ارتعاش پیدا کر دیا، وہ عرق ندامت میں ڈوب گئیں، اور حیرت و خوف کے ملے جلے جذبات سے لرزہ بر اندام ہو گئیں۔

یہ وقت تھا کہ اب ایمانی جرات اور نسوانی غیرت سے کام لے کر اپنے ناموس کی حفاظت اور صالح خاندان کی شرافت کے دفاع کی خاطر زبان کھولیں، چنانچہ اپنی حیرت و اچنبھے پن کا اظہار انہوں نے اس طرح کیا۔

اپنی جائے اعتکاف سے نکل کر دور کے مقام (بیت لحم) چلی گئیں، مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے لعن طعن اور قیل و قال سے کم از کم محفوظ رہیں۔

کیسا کر بناک لمحہ ہوگا؟! کیسی بے چینی، بے کلی، بے بسی اور پریشان خاطرگی سے دوچار ہوئی ہوں گی، اس کا اندازہ وہ دو شیزہ کر ہی نہیں سکتی جوازِ دواچی زندگی سے گذر کر یہاں تک پہنچی ہے، باحیا اور باعصمت مریم تو دنیا میں ایک نرالے ہی انداز کی حاملہ خاتون تھیں۔

اور جب زچگی کا وقت آیا تو تکلیف نے ایک کھجور کے سائے تک پہنچا دیا، یہ ان کی زندگی کا پہلا اور آخری زچگی کا تجربہ تھا، موقع کی نزاکت کو ملحوظ رکھئے، دردِ زہ کی تکلیف کا اندازہ کیجئے، نہ کوئی دایہ، نہ کوئی ہمنوا، نہ کوئی پرسان حال، تکلیف کی ٹیس ہر لمحہ بڑھتی جا رہی ہے، بے بسی کا ماحول ہے، خوفناک تنہائی کا سناٹا ہے، عزیزوں اور پڑوسیوں کی ملامت کا ڈر ہے، قوم کے روح فرسا سوالات کا خوف ہے، عصمت و عفت پہ ہرزہ سرائیوں کی بوچھاڑ کا خطرہ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس خطرناک اور نازک خدائی آزمائش سے عہدہ برآ ہونے کی فکر دامنگیر ہے جو ان کو اندر سے گھلائے دے رہی ہے۔

کیسی المناک آزمائش تھی یہ؟!

کیسا ذہنی بھونچال تھا یہ؟!

اب تک تو حمل کو لوگوں سے کسی نہ کسی طرح چھپا لیا گیا اب یہ بچہ، بن باپ کا بچہ، اسے لے کر کہاں جاؤں گی؟ اپنی عزت و ناموس کو رسوائی سے کیسے بچا پاؤں گی؟ اس طرح کے کتنے اندیشے تھے جن کے تصور ہی سے وہ سخت ذہنی اذیت کی

بعد شوہر آشنا ہونا کوئی ضروری نہیں اور یہی خالق کائنات کا قطعی فیصلہ ہے..... پاکیزہ لڑکا تمہاری ہی لکھ سے جنم لے گا، وہ خدا کی کرشمہ سازی کا مظہر اور اس کی رافت و رحمت کا نمائندہ ہوگا، یہی طے شدہ امر ہے اور یہی انٹ فیصلہ ہے۔

کنواری مریم گم صم ہیں مگر ان کی قوت مخیلہ کے بحر بیکراں میں سمندروں کی تلاطم خیز موجوں اور طوفانوں کی مانند روح فرسا خیالات اٹھ رہے ہیں۔ منظر نگاری کا دوسرا پارٹ ختم ہوتا ہے اور پردہ گرا دیا جاتا ہے۔

تیسرا حیرت انگیز منظر

﴿فحملته﴾ (مریم کو اس بچے کا حمل رہ گیا۔)

(مریم: ۲۲)

اب مریم یکا یک حاملہ ہو گئیں، قضا و قدر کے اس حتمی و قطعی فیصلے کے بعد فنی حیثیت سے ہمیں ایک خلا نظر آتا ہے، ویسے ہی زمانی خلا جیسے استقرِ حمل اور وضعِ حمل کے درمیان ہوتا ہے، یہ فنی خلا فکر و خیال کے لئے ایک وسیع جولا نگاہ مہیا کر دیتا ہے، اس لطیف فنی خلا کے توسط سے بڑی آسانی کے ساتھ اس پاکیزہ اور شریف انفس خاتون کے کرب و الم کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، جسے حمل کے بعد جھیلنا پڑا، ان کے اندر قلق و اضطراب کا ایک طوفان امنڈ رہا ہوگا، وہ ذہنی کوفت اور پریشان فکری میں مبتلا رہتی ہوں گی، خدا کی بشارت سہی!! مگر خاندان اور سماج کے ہر فرد کی زبان سے ابھرنے والے اعتراضات اور سوالیہ نشانات کے کیا کیا جوابات دئے جائیں گے؟! اس پر متزاد یہ کہ اپنے درد و الم کا اظہار بھی کسی سے نہیں کیا جاسکتا، کسی کو درد کا درماں اور غم کا ساتھی بھی نہیں بنایا جاسکتا تھا، ناچار جب حمل کے آثار ظاہر ہونے لگے تو وہ

تَرَيْنَ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ
صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ☆

(مریم ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶)

(فرشتے نے پائنتی سے اس کو پکار کر کہا، غم نہ کرو تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ رواں کر دیا ہے اور تو ذرا اس درخت کے تنے کو ہلا، تیرے اوپر تو تازہ کھجوریں ٹپک پڑیں گی، پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر، پھر اگر کوئی آدمی تجھے نظر آئے تو اس سے کہہ دے کہ میں نے رحمان کے لئے روزے کی نذر مانی ہے، اس لئے آج میں کسی سے نہ بولوگی۔)

غم و اندوہ کے کیسے کیسے طوفان اٹھے، کس کس انداز سے گھبراہٹ اور سراسیمگی طاری ہوئی، مگر جب ہاتھ غیب کی پکار سنی، ظاہری نعمتوں (معجزوں) کا چشم خود مشاہدہ فرمایا، اپنے قریب رواں دواں چشمے کو دیکھا، کھجور کے تنے کو ہلانے سے تازہ کھجوروں کو ٹوٹ ٹوٹ کر اپنے سامنے گرتے دیکھا، پاکیزہ فطرت نو مولود کی شیریں کلامی اپنے کانوں سے سنی تو طمانیت کی ٹھنڈک، یقین و اعتماد کی طاقت اور سرور و شادمانی کی سکینت کا احساس ہوا، کھانے پینے کا یہ غیبی نظم، تازہ کھجور، زچگی کی مناسب ترین غذا اور آب شیریں کا چشمہ رواں، پیاس بھانے اور طہارت حاصل کرنے کا غیبی سامان باعث تسکین خاطر ہو گیا اور مبارک و پاکیزہ لخت جگر آنکھوں کی ٹھنڈک اور رنج و الم کا مسیحا بن گیا۔

پانچواں حیرت انگیز منظر

ایک پاکیزہ فطرت بیٹی کی پیدائش سے کنواری مریم کی گود ہری ہو چکی تھی، زچہ بچہ کے لئے خورد و نوش کا غیبی انتظام

شکار تھیں، اس ناخوشگوار پس منظر میں پیکر نسوانیت کے فطری جذبات بے تابانہ اہل پڑتے ہیں، وہ کشاکش زندگی سے نکل جانا چاہتی ہیں اور موت کو ہر درد کا درباں اور ہر مرض کا مسیحا جان کر گلے لگا لینا چاہتی ہیں، چنانچہ درد بھرے دل کی پکار سوختہ زبان سے یوں بلند ہوتی ہے:

﴿ يَا كَيْتِي مِثْ قَبْلُ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا مِّنْسِيًّا ﴾

(مریم ۲۳)

(کاش میں اس سے پہلے ہی مرجاتی، اور میرا نام و نشان نہ رہتا۔)

یہ زندگی کا وہ دور اہا تھا جہاں وہ کھڑی تھیں، انہیں یقین کامل تھا کہ یہ شدنی ہے اور امر ربی ہے، اور یہی منشاء خدا وندی ہے، مگر رسوائی اور بے آبروئی کے خوف سے وہ کانپ جایا کرتی تھیں۔

چوتھا حیرت انگیز واقعہ

منظر تبدیل ہوتا ہے، رنج و غم کے بھنور میں پھنس جانے والی مریم، شرمساری اور رسوائی کے تصور سے بے قرار مریم کی حیرت ناکیاں ختم ہونے پر نہیں آتیں! یہاں رحمت الہی کی سکینت کا آب زلال مریم کے غموں کو دھو ڈالتا ہے، آلام و آزار کا ازالہ کرتا ہے اور اپنی کرشمہ سازیوں سے ان کے کرب و بلا کے لئے راحت رسائی کا سامان کرتا ہے، کہیں پاس نشیبی حصے سے آواز آتی ہے، اور یہ آواز لگانے والا ان کا نو مولود بیٹا تھا یا فرشتہ.....

﴿فَنَادَاهَا مِن تَحْتِهَا أَلَا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ

تَحْتِكَ سَرِيًّا ☆ وَهَزَيْ إِلَيْكَ بِجَذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطُ عَلَيْكَ رَطْبًا حِينِيًّا ☆ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا فَإِمَّا

شیطانی وسوسوں کے تیر و نشتر برسانے لگے، بدگمانیاں ایک پاکباز خاتون پر حملہ آور ہو گئیں، پہلا وار خود ان کی ذات اقدس پر تھا:

﴿يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿۲۸﴾ يَا أُخْتُ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمَّكَ بَغِيًّا ﴿۲۹﴾﴾ (مریم ۲۸، ۲۹)

(اے مریم!) یہ تو تو نے بڑا پاپ کر ڈالا، اے ہارون کی بہن نہ تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی کوئی بدکار عورت تھی۔)

پھر جتنی زبانیں، الزام تراشیوں اور طعن و تشنیع کی بوچھار کی اتنی ہی کثرت، ہر چہار جانب سے لعنت، ملامت اور نفرت کا اظہار، ہارون کی بہن! تمہارا خاندان تو دین و اخلاق کا پاسبان تھا، تمہارا باپ تو پاک طینت اور تمہاری ماں نیک سیرت تھی، یہ کیسی بوالہچی ہے، یہ شرمناک حرکت تم سے کیوں سرزد ہوئی۔

حضرت مریم چپ کے روزے سے تھیں، جس کا بنی اسرائیل میں رواج تھا، ہاتھ سے اپنے نومولود کی طرف اشارہ کرتی ہیں، بچے سے پوچھ لو، لوگ ایک بار پھر حیرت سے گڑھی تو گئے، ایسی شرمناک حرکت اور یہ پھر مضحکہ خیز جواب، ہم گود کے شیر خوار بچے سے کیا بات کریں؟

لحمہ بھی نہ گزرا کہ بچے نے زبان کھول دی اور لوگوں کی ہرزہ سرائیوں کے جواب میں اس نے جو کچھ کہا، اس سے تو معترضین دریائے حیرت میں غرق ہو گئے، فرمایا:

﴿إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ﴿۳۰﴾ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ ﴿۳۱﴾﴾

کیا چاچکا تھا، مگر اپنی عفت و عصمت کے داغدار ہونے کا خیال، اپنے شریف و صالح خاندان کی رسوائی کا تصور ہی کرب و اذیت کو ہوا دے جاتا تھا اور زخم دل کو ہرا کر دیتا تھا۔

ایک غیر شادی شدہ کنواری لڑکی کی گود میں بچہ.....؟ اس نومولود کو لئے اپنے خاندان اور قوم کے لوگوں کا سامنا کروں تو کیسے کروں؟

ان کے احساسات کی دنیا میں ایک جوار بھانا ہوگا، دماغ میں ابال آرہا ہوگا، قدموں میں لرزیدگی ہوگی، نازک جذبات کے آگینے اندیشوں کی کور سے ریزہ ریزہ ہوتے ہوئے غلوت گاہ عبادت میں جبرئیل امین (مرد کامل) نے جو بشارت سنائی تھی وہ ایک مبارک اولاد کی شکل میں ان کی روح تک کو سرشار اور شخصیت کو جاوداں بنا گئی، یقیناً یہ بشارت مریم کے لئے تسکین جاں اور راحت قلب و جگر تھی۔۔۔۔۔ مگر اگلے مرحلے کی ابتلا و آزمائش کا انہیں اندازہ تھا، انہیں معلوم تھا کہ کیسی کیسی ناوک انگلیاں ہونے والی ہیں، کیا کچھ الزام تراشیاں نہ کی جائیں گی، مگر ہمت و عزیمت کا پہاڑ بن گئیں اور پیش آمدہ صورتحال کو قضا و قدر کے حوالے کر دیا، وہ آبادی میں آئیں، خاندان والوں کا سامنا کیا.....

﴿فَأَنتَ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ﴿۳۲﴾﴾ (مریم ۳۲)

(پھر وہ بچے کو لئے ہوئے اپنی قوم میں آئی۔) لوگ اس باعصمت بیٹی کی سیرت کی پاکیزگی، کردار کی بلندی اور زہد و عبادت سے شغف سے واقف تھے، مگر عام انسانوں کی سوچ سے ان کی سوچ کچھ زیادہ بلند تھی، ایک عابدہ اور زاہدہ بن باپ کے بچے کو سینے سے لگائے اپنے لوگوں میں کھڑی تھیں، پہلے تو لوگ سکتے میں آ گئے، پھر جو بھڑکے تو

قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ☆ وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي
وَرَبُّكُمْ فَأَعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ☆

(مریم ۳۶، ۳۷)

(یہ ہے عیسیٰ بن مریم اور یہ ہے اس کے بارے میں وہ
سچی بات جس میں لوگ شک کر رہے ہیں، اللہ کا یہ کام نہیں ہے
کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے، وہ پاک ذات ہے، وہ جب کسی بات کا
فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا اور بس وہ جاتی ہے (اور عیسیٰ
نے کہا تھا کہ) اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی ہے پس
تم اس کی بندگی کرو یہی سیدھی راہ ہے۔

☆☆☆☆☆

وَالزَّكَاةَ مَا دُمْتُ حَيًّا ☆ (مریم ۳۰، ۳۱)

(میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور نبی
بنایا اور بابرکت کیا جہاں بھی رہوں، اور نماز اور زکاۃ کی پابندی
کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں، اور اپنی والدہ کا حق ادا
کرنے والا بنایا، اور مجھ کو جبار اور شقی نہیں بنایا، سلام ہے مجھ پر
جب کہ میں پیدا ہوا اور جب کہ میں مروں اور جب کہ زندہ
کر کے اٹھایا جاؤں۔)

ہاں میں بن باپ کا بچہ ہوں، مگر کسی مافوق الفطرت
ہستی کا فرزند نہیں ہوں، مجھ میں الوہیت کا کوئی شائبہ نہیں،
میں بندہ خدا ہوں اور بندگی میرا شیوہ زندگی ہے
----- ہاں میں خدا کا فرستادہ اور پیغمبر ہوں اور رحمت و
محبت الہی کا سندیہ لے کر آیا ہوں۔ میں ہرگز خدا کا شریک
کار اور بیٹا نہیں ہوں، میں اپنے کردار اور گفتار میں کرشمہ ساز
قدرت کی کھلی نشانی ہوں۔ میں برکتوں کا خزانہ ہوں اور
امراض روحانی کا مسیحا، جب تک زندہ رہوں نماز اور زکاۃ
میرا طرہ امتیاز ہوگا، اپنی ماں کا وفا شعار اور اطاعت گزار بن
کر رہوں گا۔

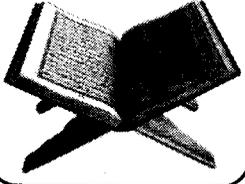
ان ابدی حقائق کا اظہار بلند آہنگی کے ساتھ کر دیا جاتا
ہے اور حیرت انگیز خدائی مناظر کا ڈراپ سین ہو جاتا ہے،
سکینت و طمانیت حضرت مریم کے رخ زیبا پر ہویدا ہو جاتی
ہے، ڈرامائی کہانی اور جذبات کی تصویر گری اختتام پذیر
ہو جاتی ہے اور جلال آمیز فرمان الہی کے انٹ بول سنا کر
پردہ گرا دیا جاتا ہے۔

﴿ ذَلِكْ عَيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ
يَمْتَرُونَ ☆ مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ سُبْحَانَهُ إِذَا

قال رسول الله

صلوات الله عليه

ان بیوں کے
سید الفیصل



قرآنی قصوں میں مرگالمہ نگاری

ایک مختصر جائزہ

عبدالہادی اعظمی ندوی

مرکز الامام ابی الحسن الندوی، رائے بریلی

دعوت کن الفاظ میں، کس طریقے سے اور کس اسلوب سے دی؟ ان کی دعوت کا بنیادی محور کیا تھا؟ کس چیز پر انہوں نے سب سے زیادہ زور دیا؟ اگر کسی نے ان کے ساتھ کج روی (مجادلہ) کیا تو انہوں نے کس انداز سے اس کا منہ بند کیا؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت کس لہجے میں سنائی؟ نافرمانوں کو وعید کس اسلوب میں دی؟

یہاں صرف سورہ یوسف میں حضرت یعقوبؑ گفتگو مذکور ہے۔

سورہ یوسف میں جگہ جگہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی گفتگو کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد و توکل ہے، ان کو ہر واقعہ میں خدا کی قدرت کا ہاتھ نظر آتا ہے، بات بات پر وہ اللہ کا نام لیتے ہیں اور اس کی بڑائی بیان کرتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈال دینے کے بعد ان کے بھائی جب رات کو روتے ہوئے حضرت یعقوبؑ کے پاس آتے ہیں اور جھوٹی تفصیلات بتاتے ہیں تو حضرت یعقوبؑ صاف صاف فرمادیتے ہیں کہ:

بَلْ سَأَلْتُ لَكُمْ أَنْفُسَكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ
وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ (۱۸)

قصہ نگاری میں مکالمے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے ذریعے کردار کے احساسات و جذبات اور افکار و خیالات کی ترجمانی ہوتی ہے، اس کی نفسیات اور اس کے مزاج کی عکاسی ہوتی ہے، اور اس کے اخلاقی پہلو بھی ظاہر ہوتے ہیں۔

قرآنی قص و واقعات میں مکالمات کے متعدد نمونے ملتے ہیں، جن میں اللہ رب العزت اور موسیٰؑ کا مکالمہ اللہ رب العزت اور حضرت زکریاؑ کا مکالمہ اللہ رب العزت اور ایلین کا مکالمہ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ہوڈ، حضرت صالحؑ، حضرت شعیبؑ حضرت موسیٰؑ کا اپنی اپنی قوموں سے مکالمہ، مریمؑ اور جبریلؑ کا مکالمہ، اہل جنت اور اہل نار کا مکالمہ، اہل اعراف کا اہل نار سے مکالمہ، حضرت ابراہیمؑ اور فرشتوں کا مکالمہ، سورہ کہف میں دو باغ والوں کا مکالمہ، حضرت موسیٰؑ اور حضرتؑ کا مکالمہ، سورہ یوسف میں حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کے مکالمے خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

قرآن میں انبیاء علیہ السلام کے قصص کے ضمن میں ان کے اور ان کی قوم کے درمیان ہونے والے مکالمات نقل کئے گئے ہیں، ان کے ذریعے یہ بتایا گیا ہے کہ انہوں نے

بارے میں تمہارا اعتماد کچھ کاہوں؟ سو اللہ ہی سب سے بڑھ کر نگہبان ہے اور وہی سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔ اس کے بعد یوسفؑ کے بھائی اپنا سامان کھولنے کے بعد جب دوبارہ بنیامین کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت طلب کرتے ہیں تو حضرت یعقوبؑ فرماتے ہیں۔

لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ۔

کہ میں تو اسے تمہارے ساتھ ہرگز بھیجنے کا نہیں، جب تک کہ تم اللہ کی قسم کھا کر مجھے قول نہ دے دو گے کہ تم اسے واپس لے ہی آؤ گے۔

جب یوسفؑ کے بھائیوں نے قسم کھا کر اپنا قول دے دیا تو یعقوبؑ نے فرمایا:

والله على ما نقول وكيل

یعنی اگر تقدیر الہی سے کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے جس میں تم سب گھر جاؤ اور نکلنے کی بھی کوئی سبیل نہ رہے تب تو میں کیا کر سکتا ہوں، ہاں اپنے مقدور اور زندگی بھر بنیامین کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرو گے، یہ پختہ عہد و پیمانے لے کر اور قسمیں لے کر زیادہ تاکید اور اہتمام کے طور پر فرمایا:

والله على ما نقول وكيل

یعنی جو کچھ عہد و پیمانے ہم اس وقت کر رہے ہیں، وہ سب خدا کے سپرد ہے، اگر کسی نے خیانت و بد عہدی کی، وہی سزا پائے گا یا یہ کہ قول و اقرار تو اپنے مقدر کے موافق پختہ کر رہے ہیں، لیکن ان باتوں سے جو مقصد اصل ہے، وہ خدا کی حفاظت و نگہبانی سے ہی پورا ہو سکتا ہے، خدا نہ چاہے تو سارے اسباب و تدابیر رکھی رہ جائیں۔

کہ یہ سب تمہاری سازش اور محض اپنے دلوں سے تراشی ہوئی باتیں ہیں۔ بہر حال میں صبر جمیل اختیار کرتا ہوں، جس میں نہ کسی غیر کے سامنے شکوہ ہوگا نہ تم سے انتقام کی کوششیں، صرف اپنے رب سے دعا کرتا ہوں کہ اس صبر میں میری مدد فرمائے، اور اپنی اعانت غیبی سے جو باتیں تم ظاہر کر رہے ہو ان کی حقیقت اس طرح آشکار کر دے کہ سلامتی کے ساتھ یوسف سے دوبارہ ملنا نصیب ہو۔

اسی طرح ان کے بھائی پہلی بار عزیز مصر کے پاس سے غلہ لے کر لوٹتے ہیں اور حضرت یعقوبؑ سے بنیامین کو اپنے ساتھ مصر لے جانے کی اجازت مانگتے ہیں، اور عرض کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے گیارہویں بھائی کا حصہ نہیں ملا، بلکہ آئندہ کے لئے ہمیں یہ فرمان ہوا ہے کہ اگر ہم لوگ اسے نہ لے گئے تو یہ سمجھا جائے گا کہ ہم لوگ دھوکے سے گیارہواں حصہ وصول کرنا چاہتے تھے اور غلہ کا حصہ ہم میں سے کسی ایک کو بھی نہ ملے گا، اب اس کا علاج صرف یہ ہے کہ اس مرتبہ بنیامین کو بھی ہمارے ہمراہ کر دیجئے، ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے۔

يا أبا نافع منا الكيل ، فأرسل معنا أخانا نكتل وإنا له لحافظون۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا۔

هَلْ أَمْنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمْنُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ فَالْتَهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ۔

کیا اس کے بارے میں بھی میں تم پر ویسا ہی اعتماد کر لوں جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی یوسف کے

سفید پڑ گئیں، تو ان کے لڑکوں نے کہا:

تَالُوهُ تَفْتَوْتُمْ تَذَكَّرُ يُوسُفَ حَتَّى تَكُونُوا
حَرَصًا أَوْ تَكُونُوا مِنَ الْهَالِكِينَ۔

کہ بخدا آپ تو سدا یوسف کی یاد میں لگے رہیں گے، حتیٰ کہ جاں بلب ہو جائیں گے، یاد مہی نکل جائے گا، تو اس پر بھی حضرت یعقوبؑ نے جو ارشاد فرمایا اس میں ان کا اعتماد و توکل علی اللہ پوری طرح ظاہر ہے، فرمایا:

إِنَّمَا أَسْكُنُ بَيْتِي وَحُضْرِي إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ يَبِينِي إِذْ هَبُوا
فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَيَأَسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَيْئَسُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ
الْكَافِرُونَ۔

میں تو اپنے رنج و غم کی اپنے رب اللہ سے شکایت کر رہا ہوں تمہیں اس سے کیا سروکار، مجھے اللہ کی طرف سے علم ہے جو تمہیں نہیں، جاؤ کوشش کر کے یوسف کا کھوج لگاؤ، اور اس کے بھائی بنیامین کے چھڑانے کا کوئی ذریعہ تلاش کرو، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، کہ حق تعالیٰ کی مہربانی اور اس کی رحمت سے مایوس و ناامید ہونا کافروں کا شیوہ ہے، ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ خواہ کیسے ہی سنگین حالات پیش آجائیں بہر حال وہ خدا کی رحمت کا امیدوار رہے اور امکانی کوشش میں پست ہمتی نہ دکھائے۔

اللہ رب العزت نے حضرت آدمؑ کو پیدا فرمانے کے بعد فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کریں، تمام فرشتوں نے بلا توقف تعمیل کی، ابلیس جو جنات میں سے تھا، اس نے غرور و تکبر سے انکار کیا اور اپنی برتری کا اظہار کیا، اس

یہ عہد و پیمانہ کر کے جب یوسفؑ کے بھائی بنیامین کو اپنے ساتھ مصر لیجاتے ہیں، اور یوسفؑ ایک تدبیر سے بنیامین کو اپنے پاس روک لیتے ہیں۔ ان کا ایک بھائی تو مصر ہی میں رک جاتا ہے اور کہتا ہے کہ قول و قرار کے بعد اب جبکہ بنیامین ساتھ نہیں، والد صاحب کے پاس جانے میں شرم آتی ہے، بقیہ بھائی جب یعقوبؑ کے پاس پہنچتے ہیں اور واقعہ بتلاتے ہیں، تو اس وقت بھی حضرت یعقوبؑ کی زبان سے جو درد مندانه اور پرسوز کلمات نکلے ان میں بھی ان کی متوکلا نہ شان جھلکتی ہے، فرمایا:

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ
جَمِيلٌ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ
الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ۔

پہلی بار کی بے اعتباری سے اس مرتبہ بھی حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کا اعتبار نہیں کیا، فرمایا کہ بہر حال میں تو اس پر صبر ہی کروں گا کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لاؤں گا، خدا کی رحمت و قدرت سے کیا بعید ہے کہ یوسفؑ، بنیامین اور وہ بھائی جو مصر میں بنیامین کی وجہ سے رہ گیا ہے، ان سب کو میرے پاس جمع کر دے، وہ سب کے احوال سے باخبر ہے، اور ہر ایک کے ساتھ اپنی حکمت کے موافق معاملہ کرتا ہے۔

اس طرح کے یاس انگیز احوال کے بعد بھی حضرت یعقوبؑ کا قلب مایوس نہیں ہوا، وہ ہمیشہ خدا کی رحمت و اسعہ پر اعتماد کرتے اور اس کے الطاف و منن کے امیدوار رہتے ہیں۔

بہر حال نیاز غم کھا کر پرانا زخم بھی تازہ ہو گیا، اور مزید شدت سے حضرت یوسفؑ کو یاد کرنے لگے۔ درد و غم کی شدت اور اشکباری کی کثرت سے ان کی بصارت کمزور اور آنکھیں

بھی اور ان کے داہنے سے بھی اور ان کے بائیں سے بھی، اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے۔

قال: اخرج منها مذقوماً مدحوراً، لمن

تبعك منهم لأملأن جہنم منكم أجمعين

فرمایا: تو یہاں سے نکل ذلیل و خوار ہو کر، ان میں

سے جو کوئی تیری پیروی کرے گا سو میں تم سب سے جہنم کو

بھر کر رہوں گا۔ (الأعراف: ۱۲-۱۸)

سورہ حجر میں ہے:

قال: يا إبليس مالك ألا تكون مع

الساجدين؟ اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ سجدہ کرنے والوں

میں شامل نہ ہوا قال لم أكن لأسجد لبشر خلقته من

صلصال من حماء مسنون مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ

ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے خمیر اٹھے ہوئے گارے سے

بنایا۔ جو سوکھ کر بجتے لگا ہے (یعنی آدم کم درجہ مخلوق ہے اور میرا

درجہ اس سے بڑا ہے۔) قال: فاخرج منها فإنك

رجيم، وإن عليك اللعنة إلى يوم الدين فرمایا تو تو

نکل اس آسمان سے بے شک تو مردود ہو گیا، اور بے شک

تیرے اوپر قیامت تک لعنت رہے گی۔ قال: رب فأنظر

نی الی یوم یبعثون اے میرے پروردگار! تو پھر مجھے

مہلت دے حشر کے دن تک قال: فإنك من المنظرین

إلی الوقت المعلوم۔ اللہ نے فرمایا: اچھا تو تجھے مہلت

ہے، وقت معلوم کے دن تک قال: رب بما أغويتنی

لأزینن لهم فی الأرض ولأغویینهم أجمعین إلا

عبادك منهم المخلصین ابلیس نے کہا: اے پروردگار

، چونکہ تو نے مجھے بہکایا ہے، یقیناً میں بھی ان کی نظر میں دنیا

موقع پر اللہ رب العزت اور ابلیس ملعون کے درمیان جو مکالمہ ہوا، وہ قرآن کریم میں متعدد جگہ مذکور ہے۔

سورہ اعراف میں ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ما منعك ألا تسجد

إذ أمرتك تجتے سجدہ کرنے سے کیا مانع ہوا جب میں تجھے حکم

دے چکا:

ابلیس نے کہا: أناخیرمنه خلقتنی من نار

وخلقته من طین بولا: میں اس سے بہتر ہوں، مجھے تو نے

آگ سے پیدا کیا اور اسے تو نے نمٹی سے پیدا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فاهبط منها فما یكون لك

أن تتکبر فیها

تو اترا اس (جنت) سے، تو اس لائق نہیں کہ اس جنت

میں رہ کر بڑائی کرتا رہے فاخرج إنك من الصاغرين۔

بس تو نکل تو ذلیلوں میں سے ہے۔

ابلیس نے کہا: أنظرنی الی یوم یبعثون

بولا: تو مجھے اس دن تک کی مہلت دے جب سب

اٹھائے جائیں گے۔

قال: إنك من المنظرین

ارشاد ہوا: بے شک تجھے مہلت دی گئی۔

قال: فبما أغویتنی لأقعدن لهم صراطك

المستقیم: ثم لآتینهم من بین یدهم ومن

خلفهم وعن أیمانهم وعن شمائلهم ولا

تجد أكثرهم شاکرین چونکہ آپ نے مجھے گمراہ کر دیا ہے،

میں بھی لوگوں کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھ کر رہوں گا

پھر ان کو ان کے سامنے سے بھی آلوں گا اور ان کے پیچھے سے

اپنے پیادے اور سوار چڑھالو، وشارکھم فی الاموال
والاولاد وعدھم وبعدهم الشیطان إلا غروراً
اور ان سے اپنا سا جھا کر لے مال اور اولاد میں اور ان سے وعدہ
کر لے (خوب جھوٹے جھوٹے) اور شیطان تو ان سے بس
جھوٹا وعدہ کرتا ہے، ان عبادی لیس لك علیہم
سلطان بیشک جو میرے خاص بندے ہیں، ان پر تیرا ذرا قابو
نہ چلے گا۔ (الإسراء ۶۱-۶۵)

سورہ ص میں ہے:

قال: یا ابلیس ما منعك أن تسجد
لما خلقت بيدى اللہ نے فرمایا: اے ابلیس! تجھے کس چیز
نے اس کے روبرو سجدہ کرنے سے روکا جسے میں نے اپنے
دست خاص سے بنایا ہے؟ أستکبرت أم كنت من
العالمین کیا تو غرور میں آگیا، یا یہ کہ تو واقعی بڑے درجہ والوں
میں ہے۔ قال: أنا خیر منہ خلقتنی من نارو
خلقته من طین قال فاخرج منها فانك رجیم
وان عليك لعنتی الی یوم الدین۔ ابلیس نے کہا: میں
اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے بنایا، اور اسے تو نے
گیلی مٹی سے بنایا۔ فرمایا: تو پھر تو یہاں سے نکل کیونکہ بے
شک تو مردود ہو گیا، اور بے شک تجھ پر میری لعنت رہے گی
قیامت کے دن تک۔ قال: رب فأنظرنی الی یوم
یبعثون وہ بولا: اے میرے پروردگار! تو مجھے لوگوں کے جی
اٹھنے کے دن تک مہلت دے دے۔ قال: فانك من
المنظرین الی الوقت المعلوم فرمایا: جا تجھے مہلت
دے دی جائے گی روز موعود تک قال: فبعزتک لا غوینہم
أجمعین إلا عبادك منهم المخلصین بولا: کہ مجھ

میں معاصی کو خوشنما بنا کر اور ان سب کو بہکا کر رہوں گا بجز ان
میں سے تیرے ان بندوں کے جو منتخب کر لئے گئے ہیں۔ قال
: هذا صراط علی مستقیم فرمایا: یہ سیدھا راستہ ہے مجھ
تک (پہنچنے والا) ان عبادی لیس لك علیہم سلطان
بے شک میرے بندوں پر تیرا ذرا بھی بس نہ چلے گا إلا من
اتبعك من الغاوین مگر ہاں، بھکے ہوؤں میں سے بھی
جو تیری پیروی کرنے لگیں وان جہنم لموعدهم
أجمعین اور بے شک جہنم ان سب کی وعدہ گاہ ہے۔
لہا سبحة أبواب لكل باب منهم جزء مقسوم
(الحجر- ۴۴) اس کے ساتھ دروازے ہیں، اور ہر
دروازے کے لئے ان میں سے (وہاں کے) آگ الگ حصے ہیں۔
سورہ نبی اسرائیل میں ہے:

قال: أأسجد لمن خلقت طینا؟ ابلیس نے کہا:
کیا میں اس کے آگے جھکوں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے؟ قال:
أرأیتك هذا الذی کرمت علی اور وہ بولا: بھلا دیکھ تو یہ
شخص جس کو تو نے مجھ پر فوقیت دے رکھی ہے، لئن أخرجتني
إلی یوم القيامة اگر تو نے مجھے روز قیامت تک کے لئے
مہلت دے دی تو لا احتنکن ذریعتہ إلا قلیل اتو میں اس
کی ساری اولاد کو اپنے بس میں کر لوں گا بجز ایک قدرے قلیل
قال: اذهب فمن تبعك منهم فان جہنم جزاؤکم
موفور ارشاد ہوا: چل نکل، جو کوئی بھی ان میں سے تیری راہ
پر چلے گا سو بے شک تم سب کے لئے سزائے جہنم سزا ہے
پوری۔ واستفزز من استطعت منهم بصوتك اور ان
میں سے جس پر تیرا قابو چلے تو اپنی پکار سے اس کا قدم
اکھاڑ دے، وأجلب علیہم بخيلك ورجلك اور ان پر

مناسبات

حسین سائر، بمبئی

زہاں جو شکر بجا لائے وہ عطا کر دے
وہ قلب دے جو اطاعت کا حق ادا کر دے
خیال و فکر کی پاکیزگی کا طالب ہوں
مرے عمل کو تو شفاف آئینہ کر دے
مری نگاہ میں چھوٹی ہوں نیکیاں اپنی
مرے حقیر گناہوں کو تو بڑا کر دے
ہر ایک حال میں تیرا ہی میں رہوں محتاج
خیال و خواہش دنیا مری فنا کر دے
خدا یا! مشرق و مغرب کی دوریوں کی طرح
مری خطاؤں میں اور مجھ میں فاصلہ کر دے
محبوب فکر و عمل سے مجھے تو رکھ محفوظ
ہمردہ دے جو مجھے تجھ سے آشنا کر دے
رہ حیات میں مسئولیت کا ہو احساس
تو باغیانہ خیالات کو فنا کر دے
نکل پڑا ہوں تری راہ میں مرے حوالا
تو مشکلات کے جنگل میں راستہ کر دے
میں اپنی ساری خطاؤں پہ اب پشیمان ہوں
کچھ اب ایک ندامت مرے سوا کر دے
تری نگاہ کرم کا ہوں غنجر سائر
درونازش و رحمت تو اس پہ وا کر دے

کو بھی تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو بہکاوں گا بجز ان
میں سے تیرے ان بندوں کے جو منتخب کر لئے گئے ہیں۔
قال: فالحق والحق أقول لأملان جہنم منک
وممن تبعك منهم أجمعین۔ فرمایا: سچ یہ ہے اور سچ تو
میں ہمیشہ ہی کہتا ہوں کہ میں بھی تجھ سے اور ان میں سے تیرا
جو ساتھ دیں، ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا۔

(سورہ ص ۷۵-۸۸)

قرآنی مکالمات کے بعض اہم امتیازات درج ذیل ہیں:

- ۱- یہ مکالمے سادہ اور سلیس ہیں۔
- ۲- عام فہم واضح اور موثر ہیں۔
- ۳- مختصر اور جامع ہیں۔
- ۴- غیر مانوس الفاظ سے خالی ہیں۔
- ۵- کوئی لفظ ضرورت سے زیادہ وارد نہیں ہوا ہے اور نہ
کوئی ایسا لفظ رہ گیا ہے جس کی ضرورت تھی۔
- ۶- یہ مکالمے فصاحت و بلاغت کا بلند ترین اور روشن
نمونہ اور شاہکار ہیں۔
- ۷- یہ مکالمے اعجاز قرآنی کا مظہر ہیں۔
- ۸- ہر مکالمہ موقع و محل کے عین مطابق ہے۔
- ۹- ان مکالمات کے الفاظ و معانی، کردار کی شخصیت
اور اس کے مزاج و فطرت کو واضح کرتے ہیں۔
- ۱۰- ان میں علم و حکمت کے بے شمار خزانے پوشیدہ ہیں
اور ان سے انسان کو اس کی زندگی کے بے شمار مسائل میں
رہنمائی ملتی ہے۔
- ۱۱- ان میں دعوت و تبلیغ، عبرت و موعظت کا ایک بڑا
ذخیرہ ہے۔☆☆☆

سرطور مکالمہ ریاستی

ڈاکٹر غیاث الدین ندوی

سابق پیکچر اسٹیٹ سیمینل الطب کالج لکھنؤ



۳۸ پر تحریر فرما ہیں۔ (اور اسی خصوصی نعمت سے انہیں سرفراز کیا) اسی کے ساتھ تَكَلِيمًا کے زیر عنوان تفصیل اسی طرح درج فرماتے ہیں:۔، فعل کلام کے بعد اسی مصدر کو اور اسے بھی تنوین کے ساتھ لانے میں یہ نکلا کہ کلام کی کوئی بہت ہی مخصوص نوعیت مراد ہے ورنہ کلام و مخاطبہ اپنے عام معنی میں تو ہر نبی کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایسا کلام جو ہمگامی و مخاطبہ انبیاء میں بھی ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے ظاہر ہے کہ عام عقول کے لئے تو ناقابل فہم ہی ہوگا۔ اس کے آگے مولانا نے اپنی رائے کی تائید میں چند حوالے نقل کئے ہیں جو اس طرح ہیں:۔

۱- مصدر معناه التوكيد (قرطبی)

۲- هو الكلام الحقيقي الذي يكون به

المتكلم متكلمًا (قرطبی)

۳- والمعنى ان التكليم بغير واسطة

منتهى مراتب الوحي واعلاها (روح)

۴- مولانا احمد رضا خاں بریلوی۔ اور اللہ نے موسیٰ

سے حقیقتاً کلام فرمایا۔ (اسی مقام پر محشی مولانا نعیم الدین

مراد آبادی حاشیہ ۴۱۲ پر رقمطراز ہیں: ”تو جس طرح حضرت

موسیٰ سے بے واسطہ کلام فرمانا دوسرے انبیاء کی نبوت میں

قادر نہیں جن سے اس طرح کلام نہیں فرمایا گیا۔ ایسے ہی

حضرت موسیٰ پر کتاب کا یکبارگی نازل ہونا دوسرے انبیاء کی

نبوت میں کچھ بھی قادر نہیں ہو سکتا۔“

زمانہ نزول قرآن میں اس کے خاص مخاطبین اولین مشرکین مکہ تھے جو امی تھے اور مسوعات پر مبنی ثانوی معلومات رکھتے تھے ان کے بعد اہل کتاب یہود و نصاریٰ بالخصوص یہود مدینہ تھے جو حامل تورات بھی تھے اور اس کے عالم بھی گوان کا عمل من مانا تھا اسی لئے بمقابلہ مشرکین ان کے مخاطب میں علمی طریقہ تکلم Academic Approach کا عنصر غالب ہے اور مختلف مقامات پر حضرت موسیٰ کا ذکر خاص کرتے ہوئے ان سے متعلق قصص و حکایات کو کہیں بالا اختصار اور کہیں پورے شرح و سطر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ کے خصائص نبوت میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا اور اسی نسبت سے وہ ملقب بہ ”کلم اللہ“ بتائے گئے ہیں۔ ارشاد بانی ہے وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا (النساء: ۱۶۴) ہم ذیل میں اسی آیت کے چند تراجم نقل کرتے ہیں تاکہ آئندہ گفتگو کی راہ ہموار ہو سکے۔

۱- حضرت شاہ ولی اللہ (ترجمہ فارسی) وگفت خدا با

موسیٰ سخن۔ ۲- حضرت شاہ عبد القادر۔ اور باتیں کی اللہ نے

موسیٰ سے بول کر (حضرت شیخ الہند نے بھی یہی ترجمہ باقی

رکھا ہے)۔ ۳- مولانا فتح محمد جالندھری۔ اور موسیٰ سے تو

خدا نے باتیں بھی کیں۔ ۴- مرشد تھانوی مولانا اشرف علی۔ اور

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے (خاص طور پر کلام فرمایا۔ مسترشد دریا

بادی مولانا عبد الماجد بی بی ترجمہ اختیار کرتے ہوئے حاشیہ

جو انکے داہنے ہاتھ مغرب کی طرف واقع تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پکارا اور ہمکلامی کا شرف بخشا۔ تفصیل سورہ ”طہ“ میں آئے گی کہتے ہیں کہ موسیٰ اس وقت ہر جہت اور ہر بن موسیٰ خدا کا کلام سن رہے تھے جو بدون فرشتہ کے ہو رہا تھا اور روحانی طور پر اس قدر قرب و علو حاصل تھا کہ نیبی قلموں کی آواز سنتے تھے جن سے تورات نقل کی جا رہی تھی۔ وحی کو بھید اس لئے فرمایا کہ اس وقت کوئی بشر استماع میں شریک نہ تھا۔ گو بعد میں اوروں کو بھی خبر کر دی گئی۔ واللہ اعلم۔

کلام الہی میں یہ مبارک و میمون روحانی و ربانی مکالمہ سورہ ”طہ“ آیات ۱۲ تا ۱۴ اور سورہ ”قصص“ آیات ۳۰ تا ۳۵ میں بہ تفصیل بیان کیا گیا ہے سورہ ”طہ“ میں جزئیات کا احاطہ بہ نسبت سورہ ”قصص“، مستزاد ہے۔ مثال کے طور پر عصائے موسیٰ سے متعلق سوال و جواب سورہ ”قصص“ میں مذکور نہیں ہے بلکہ انسی

اناللہ رب العالمین کے بعد براہ راست وان الق عصاک فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح سورہ طہ میں زبان و بیان کی سادگی اور لطافت غالب ہے جبکہ سورہ ”قصص“ میں طرز تکلم میں زور بیان ظاہر ہے اس لئے ہم یہاں سورہ طہ کی آیات کو سامنے رکھ کر اپنی بات جاری رکھتے ہیں۔ آیت ۱۱ فلما اتھانودى یموسىٰ کے حاشیہ میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:- اس قصہ کے مختلف اجزا سورہ ”قصص“، سورہ طہ اور سورہ اعراف میں سے جمع کئے جاسکتے ہیں۔ یہاں مدین سے مصر کی طرف واپسی کا واقعہ مذکور ہے۔ مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے حضرت موسیٰ کا نکاح ہو گیا تھا۔ کئی سال وہاں مقیم رہنے کے بعد حضرت موسیٰ نے مصر جانے کا ارادہ کیا۔ حاملہ بیوی، ہمراہ تھی، رات اندھیری تھی، سردی کا شباب تھا، بکریوں کا گلہ بھی ساتھ لیکر چلے

۵۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ہم نے موسیٰ سے اسی طرح گفتگو کی جس طرح گفتگو کی جاتی ہے۔

۶۔ سر سید احمد خاںؒ اور بات کی اللہ نے موسیٰ سے ایک طرح کی باتیں کرنی۔

۷۔ مولانا محمد جونا گڑھی۔ اور موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام فرمایا (اسی مقام پر پختی صلاح الدین یوسف حاشیہ ۴ پر لکھتے ہیں۔ یہ موسیٰ کی وہ خاص صفت ہے جس میں وہ دوسرے انبیاء سے ممتاز ہیں صحیح ابن حسان کی ایک روایت کی رو سے امام ابن کثیرؒ نے اسی صفت میں حضرت آدم علیہ السلام و حضرت محمد ﷺ کو بھی شریک مانا ہے۔

۸۔ عبد اللہ یوسف علی۔ (انگریزی ترجمہ)

And to Moses Allah spoke direct.

اسی مقام حاشیہ ۶۷ پر لکھتے ہیں۔

Allah spoke to Moses on Mount Sinai
Hence the title of Moses in muslim theology
Kalimullah the one to whom Allah spoke.

سورہ مریم آیت ۵۲ میں ارشاد ربانی ہے:-

ونادینہ من جانب الطور الایمن وقربنہ
نجیاً۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے اس آیت کا ترجمہ یوں فرمایا ہے:- اور پکارا ہم نے اس کو داہنی طرف سے طور پہاڑ کی اور نزدیک بلایا اس کو بھید کہنے کو (اس مقام پر موضع القرآن کے حاشیہ میں شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:- ان سے کلام ہوا بیچ میں فرشتہ نہ تھا) حضرت شیخ الہندؒ نے شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ برقرار رکھا ہے۔ اس مقام پر حاشیہ میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ رقم فرما ہیں:- ”یعنی موسیٰ جب آگ کی چمک محسوس کر کے طور پہاڑ کی اس مبارک و میمون جانب میں پہنچ گئے

اس مقام پر ایک لطیف نکتہ لائق ذکر ہے اور وہ یہ کہ علامہ جلال الدین محلی نے سورہ طہ میں شجرہ کا نام ”عوج“ بتایا ہے جو ایک خاردار درخت ہے جبکہ سورہ قصص میں تحریر فرماتے ہیں! ”وہی شجرة عذاب، اوعلیق، أو عوسج“۔ عذاب معروف دوائی پودا ہے۔ علیق ایک تیل ہے جو درختوں پر چڑھتی ہے اس میں توت کی مانند پھل آتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ نے ”جعل لكم من الشجر الاخضر ناراً“ کی تفسیر میں لکھا ہے ”فی کل شجرة نار الا العناب“ اگر عذاب کی تعیین ہو جائے اور امام ابن تیمیہ کی تحقیق دلائل و شواہد سے ثابت ہو جائے تو گویا وادی اٰمین کی آگ ایک ایسے درخت سے روشن ہوئی جس میں آگ کا عنصر موجود نہیں ہے۔ واللہ اعلم تربیتی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس مکالمہ میں ایک طرف متکلم کی جلالت و عظمت، الوہیت و وحدت، ربوبیت و رحمت، کمال قدرت اور علم و آگہی کی شان ظاہر و باہر ہے اور دوسری طرف متکلم کے حضور میں مخاطب کی بشریت و عبدیت، عاجزی و انکساری، اطاعت و فرمانبرداری، سادگی و سادہ لوحی، تقییل ارشاد میں تردد سے گریز اور بجا آوری کا عزم و حوصلہ غیر مثالی اور لائق امتثال ہے۔

ادبی پہلو کی بات کیجئے تو زبان آسان، سادہ و سلیس اور بیان شگفتہ، پرکشش اور دلنشین ہے۔ بڑے پیار سے ندا آتی ہے۔ موسیٰ میں تمہارا رب ہوں، (سورہ قصص میں، میں اللہ ہوں سارے جہاں کا رب) ”اپنی جوتیاں اتار دو تم ایک پاک میدان طوئی مین ہو، مین نے تمہیں اپنی پسند بنا لیا ہے تو جو تم سے کہا جائے اسے غور سے سنو، میں ہاں میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی بندگی کرو اور میری یادگاری

تھے۔ اس حالت میں راستہ بھول گئے۔ بکریاں متفرق ہو گئیں اور بیوی کو درد زہ شروع ہو گیا۔ اندھیرے میں سخت پریشان تھے سردی میں تاپنے کے لئے آگ موجود نہ تھی۔ چھماق مارنے سے بھی آگ نہ لگی۔ ان مصائب کی تاریکیوں میں دفعہ دور سے ایک آگ نظر آئی۔ وہ حقیقت میں دنیوی آگ نہ تھی۔ اللہ کا نور جلال تھا یا حجاب ناری تھا (جس کا ذکر مسلم کی حدیث میں آیا ہے) موسیٰ نے ظاہری آگ سمجھ کر گھر والوں سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو۔ میں جاتا ہوں شاید اس آگ کا ایک شعلہ لاسکوں، یا وہاں پہنچ کر کوئی رستہ کا پتہ بتلانے والا مل جائے۔ کہتے ہیں کہ اس پاک میدان میں پہنچ کر عجیب نظارہ دیکھا۔ ایک درخت میں زور و شور سے آگ لگ رہی ہے اور آگ جس قدر زور سے بھڑکتی ہے درخت اسی قدر زیادہ سرسبز ہو کر لہلہاتا ہے اور جوں جوں درخت کی سرسبزی اور شادابی بڑھتی ہے آگ کا اشتعال تیز ہو جاتا ہے۔ موسیٰ نے آگ کے قریب جانے کا قصد کیا کہ درخت کی کوئی شاخ جل کر گرے تو اٹھالائیں لیکن جتنا وہ آگ سے نزدیک ہونا چاہتے آگ دور ہٹتی جاتی اور جب گھبرا کر ہٹنا چاہتے تو آگ تعاقب کرتی اسی حیرت و دہشت کی حالت میں آواز آئی ”إنی انار بک الخ“ گویا وہ درخت بلاشبہ اس وقت ٹیلیفون کا کام دے رہا تھا۔ امام احمد نے وہب سے نقل کیا ہے کہ موسیٰ نے جب ”یا موسیٰ“ سنا تو کوئی بار ”لبیک“ کہا اور عرض کیا کہ میں تیری آواز سنتا ہوں اور آہٹ پاتا ہوں مگر یہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں ہے۔ آواز آئی ”میں تیرے اوپر ہوں، تیرے ساتھ ہوں، تیرے سامنے ہوں، تیرے پیچھے ہوں اور تیری جان سے زیادہ تجھ سے نزدیک ہوں“۔ کہتے ہیں کہ موسیٰ ہر جہت سے اور اپنے ایک ایک بال سے اللہ کا کلام سنتے تھے۔“

ہیں جو دوڑتا ہوا سانپ بن جاتی ہے۔ اب ارشاد ہوتا ہے ”اسے اٹھا لو ڈرو نہیں، ہم اس کو اس کی پہلی حالت پر واپس کر دیں گے (ساتھ ہی یہ بھی کرو) کہ اپنا داہنا ہاتھ اپنی بغل سے ملاؤ جو سفید چمکدار ہو کر نکلے گا۔ کوئی بیماری نہ ہوگی بلکہ یہ دوسری نشانی ہے اور ہم تم کو اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھاتے جائیں گے“ آگے ارشاد ہوتا ہے، ”اب فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑا سراٹھا یا ہے“ موسیٰ عرض کرتے ہیں، ”(تعمیل ارشاد میں ہرگز گریز نہیں ہاں تو مجھے اس کے لائق بنا دے)، میرا سینہ کھول دے اور جو کام (تو نے میرے ذمہ کیا ہے) اسے آسان بنا دے، میری زبان میں (جو) گرہ (لگ گئی ہے) اسے کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے گھرانے سے میرے بھائی ہارون کو (مقرر کر کے) میرا مددگار بنا دے اور ان کو میرے کام میں شریک کر دے تاکہ ہم پیش از پیش تیری پاکی بیان کریں اور پیش از پیش تجھے یاد کریں، تو ہم کو خوب دیکھتا ہے۔“

بارگاہ خداوندی سے التجاء مسافر قبول ہوتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے، ”موسیٰ! تمہاری مانگ پوری کر دی گئی یہاں سے حوصلہ پا کر حضرت موسیٰ بھائی حضرت ہارون کے ساتھ اپنے مشن پر روانہ ہوتے ہیں، فرعون کے سامنے جاتے ہیں اور نہایت پامردی اور ثابت قدمی سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اس کے جاہ و جلال اور جھوٹی خدائی کو خاطر میں نہ لاکر، بے خوف ہو کر پورے اعتماد کے ساتھ بیباکانہ گویا ہوتے ہیں۔“

إنسی عذت بریسی وربکم من کل
متکبر لا یومن بیوم الحساب۔ (مومن/غافر: ۲۷)
”میں پناہ لے چکا ہوں اپنے اور تمہارے رب کی ہر غرور والے
سے جو یقین نہ کرے حساب کے دن کا۔“ ☆☆☆

کو نماز قائم کرو، قیامت بے شک آنے والی ہے جسے میں مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر ذات کو اس کے کئے کا بدلہ ملے کہیں کوئی ایسا شخص قیامت پر تمہارے ایمان میں آڑے نہ آجائے جو اپنی خواہش کا پیرو ہو کر برباد ہو چکا ہو۔“

اس تمہید کے بعد متکلم جو علیم و خبیر ہے، حقائق اشیاء کا خالق و مالک ہے اس کی طرف سے عصائے موسیٰ جو بظاہر ایک گلہ بان کی معمول کی لاٹھی ہے کے بارے میں سادہ سوال ہوتا ہے ”موسیٰ یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟“ لیکن اسی لاٹھی میں رب کائنات کی شان قدرت کا جو راز پنہاں ہے اس کی اہمیت کی طرف نہایت لطیف اشارہ ہے کہ اشارہ بعید کا صیغہ ”فَلَنْک“ لایا گیا ہے۔ مخاطب جو فی الوقت اس حقیقت سے بے خبر ہے کہ اس کے ہاتھ میں دست قدرت کا ایک شاہکار ہے جو بظاہر معمول کی ایک لاٹھی ہے لیکن یہ ظالم و جابر فرعون کے لئے تازیانہ کا کام کریگی اور اژدہا بن کر اس کے ہوش اڑا دے گی۔ اس کے جادو گروں کے کرتب اور چمکدار کونگل کران کو سچے اور پکے ایمان کا راستہ دکھائے گی اس کی ضرب سے سنگ راہ سے چشمے پھوٹیں گے اور اس کی مار سے دریا میں خشک راستہ ہموار ہوگا۔ موسیٰ اپنی قوم کو لے کر پار ہوں گے اور فرعون اپنے لشکر کے ساتھ غرقاب ہوگا۔

موسیٰ اسی عالم بے خبری میں بے تکلف جواب عرض کرتے ہیں اور اپنی لاٹھی کی بالفعل کیفیت بڑی سادگی اور سادہ لوحی سے بیان کرتے ہیں ”یہ میری لاٹھی ہے، اسی پر ٹیک لگاتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لئے چند اور کام ہیں“ حکم ہوتا ہے ”موسیٰ! لاٹھی زمین پر ڈال دو“ حضرت موسیٰ بغیر کسی تردد کے لاٹھی زمین پر ڈالتے

قرآنی قصوں میں تکرار اور ان کی ادبی خصوصیات

محمد رفیق ندوی

استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ہیں، ان کے ذریعہ سے ہم تمہارے دل کو مضبوط کرتے ہیں، ان کے اندر تم کو حقیقت کا علم ملا اور ایمان لانے والوں کے لئے نصیحت اور بیداری نصیب ہوئی۔

دوسری جگہ سورہ یوسف کے آخر میں فرمایا گیا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ فِیْ قِصَصِهِمْ عِبْرَةً لِّأُولِیْ الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرِیْ وَلَٰكِن تَصَدِیْقَ الَّذِیْ یَسِّنُ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُونَ﴾
[سورہ یوسف: ۱۱۱]

اگلے لوگوں کے ان قصوں میں عقل و ہوش رکھنے

والوں کے لئے عبرت ہے یہ جو کچھ قرآن میں بیان کیا جا رہا ہے، بناوٹی باتیں نہیں ہیں، بلکہ جو کتابیں اس سے پہلے آئی ہوئی ہیں انہی کی تصدیق کرتی ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

سید قطب شہید نے اپنی معرکہ آراء کتاب

”التصویر الفنی فی القرآن“ میں لکھا ہے:-

”قرآن کریم میں واقعات خالص دینی مقاصد

وغایات کو پورا کرنے کے لئے بیان کیے گئے ہیں۔ ان دینی

مقاصد کا دائرہ بڑا وسیع ہے اور ان کا احاطہ اور استیعاب کارے

دارد والی بات ہے، اس لئے کہ قرآن کریم دینی مقاصد کو پورا

کرنے کے لیے واقعات سے کام لیتا ہے، مثلاً وحی و رسالت کا

قرآن مجید کوئی تاریخ کی کتاب نہیں کہ اس میں سابقہ اقوام و ملل کی سیاسی و ثقافتی تاریخ، پالیسی، جماعت اور فرد کے باقاعدہ حالات و سوانح مذکور ہوں، یا اقوام ظالم کے بارے میں بحث کی گئی ہو، بلکہ یہ درحقیقت عبرت و موعظت اور ہدایت و نصیحت کا ایک صحیفہ ہے، جس میں طالبان حق کے لئے فلاح و سعادت سرمدی کے چشمے کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ قرآن کریم اپنے مخاطبین کو نافرمان اقوام کے انجام بد سے ڈراتا اور ترغیب و ترہیب کے سامان بہم پہنچاتا ہے، انسانیت کو پاکیزگی قلب و نظر، اور طہارت فکر و خیال کی دعوت دیتا ہے، اس صحیفہ ربانی میں واقعات و قصص کا بیان محض اس لئے ہے کہ کاروان انسانیت کو راہ گمشدہ کی رہنمائی ملے، عبرت و بصیرت، سعادت و ہدایت، استقامت و جانثاری کا مواد فراہم ہو اور معلوم ہو کہ مخالفین حق و صداقت کا انجام بہر حال یہی ہوا کرتا ہے اور ان کے اعمال بد کی سزا بہر حال انہیں ملتی ہے، خود قرآن حکیم نے صراحت کے ساتھ دو جگہ اپنے واقعات و قصص کی حکمت اور مقصد بیان فرمایا ہے۔

﴿وَكَأَنَّمَا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا

نَبَّأْتُ بِهِ فَوَادَكَ وَجَاءَكَ فِیْ هَذِهِ الْحَقِّ وَمَوْعِظَةٌ

وَذِكْرٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ﴾
[سورہ ہود: ۱۲۰]

اور اے نبی یہ پیغمبروں کے قصے جو ہم تمہیں سناتے

یہ وہ بنیادی حقائق معانی ہیں جن کو قرآن کریم اپنے واقعات و قصص کے ضمن میں یا محاکمات کے پیرایہ بیان میں مخاطب کے ذہن میں راسخ کرنا چاہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ ایک ہی مضمون کو مختلف پیرایہ بیان اور متنوع اسالیب سے متفرق مقامات پر بیان کرتا ہے، قصص پر تکرار کوئی عیب اور نقص کی بات نہیں، بلکہ یہ قرآن مجید کی عین بلاغت و اعجاز ہے کہ وہ اپنی غیر معمولی قدرت بیان کی وجہ سے ایک ہی چیز کو کبھی سورہ کے عمود اور مرکزی مضمون کی حیثیت سے پیش کرتا ہے اور کبھی مقدم کبھی مؤخر، کبھی مقابل کے ساتھ اور کبھی مستقل بالذات۔

قرآن مجید میں بیان کردہ واقعات اور موقع و محل کے مابین جن میں وہ واقعات بیان کیے جاتے ہیں، معنوی اور نفسی ربط و اتصال پایا جاتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم اس واقعے کی دینی غرض و غایت اور اس کے فنی پہلو دونوں کو پیش نظر رکھتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے مناظر و مشاہد، راحت و عذاب کی تصویر اور جنتی اور جہنمی کے مابین جدال کے واقعات میں بھی اسی قسم کا تناسب پایا جاتا ہے جیسا کہ قرآنی قصوں اور واقعات میں پایا جاتا ہے، ان جملہ امور کو بیان کرنے میں سیاق کلام کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس مقصد کو نظر انداز نہیں کیا گیا جو اس کے ذکر کرنے کی اصلی غرض و غایت ہے۔

قرآن مجید کے قصوں میں تنوع کا یہی اسلوب پایا جاتا ہے، اس نے متعدد انبیاء اور ان کی قوموں کا بار بار ذکر کیا ہے، اور یہ تذکرہ بڑا منظم اور مرتب ہے، اس میں سیاق کلام، موضوع اور مقتضائے حال کی بھرپور رعایت ہے، جو بلاغت

اثبات، توحید، وحدت ادیان، انذار و تبشیر، مظاہر قدرت، خیر و شر کا انجام، جلالت و تانخیر، صبر و جزع، شکر و کبر اور دیگر اغراض و مقاصد جن کو پورا کرنے کے لئے قرآن کریم میں واقعہ نگاری سے کام لیا گیا ہے۔

چنانچہ قرآن فہمی کی بنیادی شرط یہ ہے کہ اس کو ایک تاریخی دستاویز یا قصے و کہانی کی کتاب کی حیثیت سے نہ دیکھا جائے اور نہ اس میں تاریخی اسباب و علل اور واقعاتی تسلسل کی تلاش و جستجو کی کوشش کی جائے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ قصص قرآنی میں صداقت کا عنصر مفقود ہے اور محض خیالی و افسانوی انداز پران پر غالب ہے، بلکہ قرآنی قصص و واقعات مبنی بر حقائق ہیں، ان میں کسی قسم کے تخیل کا شائبہ نہیں۔

قرآن حکیم میں بیان کردہ انبیائے سابقین کے واقعات میں غور و تدبر کرنے سے قرآنی قصص کے چند مقاصد سامنے آتے ہیں۔

۱- دعوت الہی کی تردید و تکذیب کرنے والوں کو ان کے انجام سے باخبر کرنا۔

۲- مومنین صادقین کو راہ حق میں جان و مال کی قربانی، استقامت و پامردی پر آمادہ کرنا اور اس راہ میں پیش آنے والی اذیتوں اور شدائد سے دل برداشتہ نہ ہونے پر اللہ کی بشارت اور جنت کی حیات جاویدانی کا مزہ جانفزا سنانا۔

۳- قرآن کے صحیفہ ربانی اور کتاب حق ہونے کی تاکید و اثبات۔

۴- نبوت محمدی کی تصدیق و تائید اور ان کی رسالت کا انکار انبیاء و سابقین کی دعوت کا انکار ہے۔

علامہ عبد الوہاب نجار نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”قصص الٰہیہ“ میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ سورہ بقرہ، سورہ اعراف، سورہ اسراء، سورہ کہف، سورہ طہ میں ان کے نام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور بعض سورتوں میں آپ کے واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس میں واقعہ ایک ہی ہے جسکے مختلف اجزاء کو دہرایا گیا ہے اور یہ بات قرآن مجید کی خصوصیات بیانیہ میں داخل ہے، کوئی بڑے سے بڑا صاحب قلم اور فنکار ادیب اگر ایک قصہ کو مختلف الفاظ میں بیان کرنا چاہے اور مختلف نتائج اخذ کرنا چاہے تو نا کام رہے گا، اس کے لئے یہ امر محال ہوگا کہ وہ فصاحت و بلاغت کی تمام رعنائیوں کے ساتھ ایک واقعہ کو متعدد مقامات پر الفاظ بدل بدل کر پیش کرے، یہ پہلو قرآن کریم کا اعجاز ہے، کوئی ہزاروں بار تلاوت کرے اس کو محسوس نہیں ہوگا کہ وہ ایک قصہ کو بار بار پڑھا ہے، زبان و ذہن کو میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں محسوس ہوگی۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں: مکررات قرآن، از ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی، ۸۲-۱۳۵)۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ قصص قرآن کے تکرار پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:-
 ”قرآن میں جو قصے مذکور ہیں، وہ دو قسم کے ہیں، بعض قصے ایسے ہیں جن کا بیان قرآن مجید میں دہرا دہرا کرتا ہے، مثلاً حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے قصے اور بعض قصے ایسے ہیں جن کا ذکر کہیں ایک موقع پر آ گیا ہے اور دوسری مرتبہ بالکل نہیں ہوا مثلاً ذوالقرنین، اصحاب کہف، حضرت یوسف، حضرت یونس، حضرت زکریا، حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت طالوت علیہم السلام کے قصے، جن

کی جان ہے، مثلاً سورہ انعام میں نبیوں کا تذکرہ مختصر ہے، پھر اس کے بعد سورہ اعراف میں کچھ اور تفصیل ہے پھر اس کے بعد سورہ ہود میں مزید تفصیل ہے، مختلف سورتوں میں مختلف جگہوں پر انبیاء کرام کی دعوت اور مدعو قوم کا اس پر رد عمل کا تذکرہ سیاق اور موضوع کے عین مطابق ہے، مثلاً نوح، شموذ کا ذکر متعدد جگہوں پر آیا ہے اور ہر جگہ اس کا رنگ و آہنگ مختلف ہے، اور پھر سورہ النضحیٰ میں اختصار کے ساتھ اس کا مکمل ذکر آیا ہے اور یہاں اس کا رنگ و آہنگ بالکل جدا گانہ ہے۔ سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کے کسی اور نبی کا مکمل تذکرہ ایک جگہ پر نہیں آیا ہے، بعض معترضین ناواقفیت کی بنا پر اسے قرآن کا نقص اور خلاف بلاغت تصور کرتے ہیں، حالانکہ اگر غور و فکر سے کام لیتے تو ان پر اپنی غلطی خود منکشف ہو جاتی، اس میں کوئی شک نہیں کہ تکرار کلام عیب ہے اور خلاف اعجاز و بلاغت ہے، لیکن غور کرنا چاہیے کہ کیا قرآن کریم میں تکرار کی وہی قسم موجود ہے جو معیوب ہے، ممل خاطر ہے، بے کیف و بے سود ہے اور معاذ اللہ متکلم کی عدم قدرت و غفلت کا مظہر ہے۔ سید قطب شہید لکھتے ہیں:-

”قرآن کریم میں جو واقعات اور آیات بظاہر مکرر نظر آتی ہیں، ان میں بڑے نکات اور دقائق پائے جاتے ہیں، ہر تکرار میں کوئی ایسی بات ضرور پائی جاتی ہے، جو دونوں کے مابین وجہ فرق اور امتیاز ہوتی ہے، یہ فرق معمولی بھی ہو سکتا ہے اور اہم بھی، اس سے تکرار برائے تکرار کے وہم کا ازالہ ہو جاتا ہے، اگرچہ تکرار میں دعوتی مقاصد بھی پنہاں ہوتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ فنی محاسن کی بھی حامل ہوتی ہے اور اس دقیق فرق کی وجہ سے جسے ملحوظ رکھا جاتا ہے اس میں جدت اور تنوع بھی پیدا ہو جاتا ہے۔“

کے تکراروں کے متعلق صرف ایک جواب ہے اور وہ یہ کہ گو بعض مطالب و قصص اور بعض جملے قرآن میں مکرر معلوم ہوتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ ہر جگہ اپنے مخصوص معانی کے اعتبار سے بالکل مستقل اور نئے ہیں، قرآن میں تاکید و تثبیت وغیرہ کے لئے توحید، رسالت اور معاد کا بیان بار بار ہوا ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر جگہ ان کے بیان و ذکر کی نوعیت جدا گانہ ہے، کہیں توحید کا بیان اس حیثیت سے آیا ہے کہ اس کا اعتقاد انسانی فطرت کا خاصہ ہے، کہیں اس حیثیت سے مذکور ہے کہ اس کا پیام تمام گذشتہ انبیاء نے دیا ہے، کہیں اس کا ذکر اس لئے ہوا ہے کہ اس کا اعتقاد خدا کے بے شمار انعامات کا اقتضاء ہے، کہیں اس طرح ہوا ہے کہ نظام کائنات کی یکسانی، اس کی ہم آہنگی، اس کا توازن توحید کا کھلا ہوا پیام ہے، وغیرہ ذلک، ایسا نہیں کہ ہر جگہ توحید کا بیان ایک ہی بیج اور ایک ہی اسلوب سے ہوا ہو۔“

قصص قرآنی میں تکرار کی حکمت و معنویت پر روشنی ڈالتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:-

”قرآن کریم میں ”بعض مرتبہ ایک ہی قصہ کو بار بار مختلف اغراض سے بیان کیا گیا ہے، اگر ان کے سیاق و سباق کو پیش نظر رکھ کر غور کیا جائے تو خود بخود واضح ہو جائیگا کہ ان کے ذکر کے کیا مقاصد ہیں، اگرچہ یہ ممکن ہے اور اس میں کوئی عیب نہیں کہ ایک قصہ ایک جگہ جس غرض کے لئے بیان کیا گیا ہو، دوسری جگہ اسی غرض کے لئے بیان کیا جائے لیکن اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ہر قصہ ہر جگہ ایک نئے فائدہ کے لئے مذکور ہے، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ ایک قصہ جو مختلف سورتوں میں بیان ہوا ہے، ہر جگہ عبارت اور اسلوب میں دوسری جگہ سے بالکل جدا

انبیاء علیہم السلام کے قصے بار بار آئے ہیں، وہ چار ہیں، حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰت والتسلیمات۔ اس لئے کہ قرآن مجید کے اصل مخاطب چار تھے، عام انسان، مشرکین عرب، یہود اور نصاریٰ۔ عام انسانوں کی عبرت اور تاثیر کے لئے حضرت آدم علیہ السلام کے قصے کی تکرار کی جاتی ہے، مشرکین عرب چونکہ حضرت ابراہیم کے بے انتہا گرویدہ اور معتقد تھے، اس لئے ان کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات سے اور یہود کے لئے حضرت موسیٰ اور نصاریٰ کے لئے حضرت عیسیٰ علیہا السلام کے قصوں سے استدلال پیش کیا جاتا ہے، اور انہی چار نبیوں کے نام اور قصے بار بار آتے ہیں، حضرت موسیٰ کا نام ۱۳۵ مرتبہ آیا ہے، حضرت ابراہیم کا نام ۶۶ مرتبہ اور حضرت عیسیٰ کا نام ۲۴ مرتبہ آیا ہے۔“ (مقالات سلیمان، حصہ سوم، ص: ۲۸)

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید نے ایک قصہ کو متعدد جگہ اس لئے بیان کیا ہے کہ موقع و محل اور مضمون سورت کا اقتضاء یہی ہوتا ہے علاوہ ازیں وہ ایک ہی قصہ سے ہر جگہ نئی چیز نئی بات اور نیا خیال پیش کرتا ہے، اس سلسلے میں دوسرے اجزائے قصہ محض ضمنی حیثیت سے زیر بحث آتے ہیں، حضرت آدمؑ و ابلیس کا قصہ قرآن مجید میں مختلف جگہ پر بیان کیا گیا ہے، لیکن ہر جگہ انداز بیان نیا، اسلوب بیان مختلف اور مقاصد جدا گانہ ہیں، اسی طرح واقعات کی تفصیلات میں بھی ہر جگہ کمی بیشی اور فرق و اختلاف موجود ہے، یہی حال دوسرے قصوں کا بھی ہے، استدلال کے انداز مختلف ہیں اور فوائد و نتائج کے استنباط میں تنوع ہے، مولانا ابوالیث اصلاحی لکھتے ہیں:-

”البتہ ہمارے نزدیک لفظی اور معنوی دونوں قسم

قرآنی قصوں میں تکرار کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ جس طرح ایک دلیل مختلف دعویٰ پر اثر کرتی ہے، ایک قصہ سے مختلف نتائج پیدا ہوتے ہیں اور متعدد موقعوں پر ان سے استشہاد پیش کیا جاتا ہے، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ قرآن میں تقریباً ۳۰ بار آیا ہے، مگر ہر جگہ ایک نئے نتیجہ کی طرف اس سے اشارہ کیا گیا ہے، کہیں تو اظہار قدرت کے موقع پر حضرت موسیٰ کا قصہ بیان کیا گیا، کہیں بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات کے اظہار کے موقع پر اس قصہ کا ذکر کیا ہے، کہیں نافرمان قوموں کی ہلاکت پر اس قصہ سے استشہاد کیا گیا ہے، کہیں اس سے بنی اسرائیل کی شرارت اور کفران نعمت ثابت کیا گیا ہے، کہیں اس قصہ کے ذریعہ سچے نبی اور جھوٹے لوگوں میں فرق بتایا گیا ہے، کہیں اس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر اظہار احسان کیا ہے، کہیں اس سے فرعون کے کفر، غرور اور نخوت کا تذکرہ مقصود ہے، کہیں اس سے انسان کی فطری کمزوری کا اظہار کیا گیا ہے، حضرت آدم کے قصے سے خدا کے احسانات، انسان کی کمزوری، نفس امارہ کی شرارت، نوع انساں کی عظمت، غرور کی مذمت، مختلف باتوں پر استدلال ہو سکتا ہے۔

ایک ہی واقعے کی کڑیوں کو بار بار پیش کرنے کے لئے ایک طے شدہ نظام بھی ہے، جس کا اظہار اس صورت میں ہوتا ہے، جب اس واقعہ پر مشتمل سورتوں کو ترتیب نزولی کے مطابق پڑھا جائے، اس نظام کا خلاصہ یہ ہے کہ اکثر و بیشتر واقعات کا آغاز مختصر اشاروں سے ہوتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ ان اشاروں میں طوالت آتی جاتی ہے، پھر اس واقعہ کی اہم کڑیوں کو پیش کیا جاتا ہے جن سے اس واقعہ کی تشکیل ہوتی ہے، بعض اوقات اہم کڑیوں کو پیش کرنے کے دوران بھی اشارات کا

ہے آدم و شیطان کا قصہ قرآن میں ایک دو جگہ نہیں بلکہ سات جگہ بیان ہوا لیکن ہر جگہ استدلال کا پہلا لگ ہے، اس لئے اسلوب و عبارت بھی ہر جگہ مختلف ہے، ایک ہی واقعہ سے مختلف جگہ سے استدلال کیا گیا ہے اور اس کے اعتبار سے اسلوب میں تبدیلی اور عبارت میں کمی و زیادتی ہوئی ہے، اور معنوی اور لفظی فروق کی رعایت بلاغت کی جان ہے لیکن جو لوگ اس نکتہ کا لحاظ نہیں کرتے ان کو قصہ مکرر معلوم ہوتا ہے اور اس تکرار کو بے سود جانتے ہیں، یہی حال دوسرے قصوں کا ہے۔“

(مقالات قرآنی، ص: ۱۵۵، ادارہ علوم القرآن، علی گڑھ، ۱۹۹۱ء)

قرآن مجید کے قصوں کے اس اسلوب کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان لوگوں کا اعتراف رفع ہو جاتا ہے جو ان میں تاریخی ترتیب و تسلسل تلاش کرتے ہیں، کیونکہ قرآنی قصوں کا مقصد تذکیر و استدلال ہے، وہ تاریخ و جغرافیہ کی کتاب نہیں ہے، اس لئے اس میں نہ تو واقعات کی تفصیل ہوتی ہے اور نہ جزئیات کا استقصا و استیعاب ہوتا ہے، وہ نہ زمانہ کی ترتیب کا خیال کرتا ہے اور نہ اس کا اہتمام کرتا ہے کہ واقعہ کو الگ جگہ پورے بسط و تفصیل سے بیان کر دے، بلکہ مخاطب کے مذاق اور اقتضائے حال کے مطابق اس کا عام اسلوب یہ ہے کہ ایک ہی واقعہ کا کچھ حصہ ایک جگہ بیان کرتا ہے اور کچھ دوسری جگہ اور کبھی پورے واقعہ یا اس کے کسی خاص جزء کی طرف سرسری اشارہ کر کے گذر جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآنی قصہ کا آغاز کبھی ابتداء اور کبھی درمیان اور قصہ کہ آخر سے ہوتا ہے، واقعہ کے جس جزء سے اس جگہ استدلال مقصود ہے خاص اسی جزء کی توضیح اور اس پر ارتکاز ہوتا ہے۔

واقعہ کو نہیں بلکہ اس کی بعض کڑیوں کو مکرر سے مکرر لایا جاتا ہے، خصوصاً ان کڑیوں کو جن میں عبرت و موعظت پر مشتمل مواد مذکور ہوتا ہے، جہاں تک پورے واقعہ کو دہرانے کا تعلق ہے تو ایسا قرآن مجید میں شاذ و نادر ہی ہوا ہے، اور وہ بھی خاص وجہ و اسباب اور سیاق و سباق کی مناسبات کی بنا پر، جب ہم واقعہ کی مکرر لائی گئی کڑیوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور ساتھ ہی اس کے سیاق و سباق پر نگاہ ڈالتے ہیں، تو ان کو مکمل طور پر اس موقع سے ہم آہنگ پاتے ہیں، اور محسوس کرتے ہیں کہ جس کڑی کو جہاں کہیں لایا گیا ہے اور اس کے لئے جو بھی اسلوب بیان اختیار کیا گیا ہے وہ بالکل درست ہے، اس بات کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہے قرآن کریم کتاب دعوت اور ہدایت ہے، اس لئے واقعہ کی جو کڑی ذکر کی گئی ان دونوں میں کامل یک رنگی و ہم آہنگی کا ہونا قرآن کا اولین مقصد ہے، اور ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے مگر واقعہ کافی پہلو اس سے متاثر نہیں ہوتا۔

حوالہ جات

- ۱۔ مقالات سلیمان، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، حصہ سوم، دار المصنفین، اعظم گڑھ
- ۲۔ تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی۔
- ۳۔ مکررات قرآن رڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی
- ۴۔ قرآن کی دعوت فکر، پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی
- ۵۔ قرآنی مقالات، ادارہ علوم القرآن، علی گڑھ
- ۶۔ التصویر الفنی فی القرآن، سید قطب شہید
- ۷۔ الفوز الکبیر، شاہ ولی اللہ دہلوی
- ۸۔ قصص الانبیاء، علامہ عبدالوہاب نجار
- ۹۔ علوم القرآن، ڈاکٹر عدنان محمد زور
- ۱۰۔ مباحث فی علوم القرآن رمناع القطان

سلسلہ جاری رہتا ہے، اور جب واقعہ کی تمام کڑیاں ختم ہو جاتی ہیں، تو ان مشاہدات کے ذریعہ واقعہ کی پوری تفصیل سامنے آ جاتی ہے۔ اس نظام کی بہترین مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے اور یہ واقعہ قرآن کریم کے تصور تکرار کی ترجمانی کرتا ہے۔ یہ قصہ قرآن مجید میں تقریباً تیس جگہ آیا ہے، سید قطب شہید نے اپنی کتاب میں اس واقعہ کے انیس (۱۹) مقامات کا جائزہ لینے کے بعد لکھا ہے کہ:-

”حضرت موسیٰ کا واقعہ تنہا واقعہ ہے جس کو قرآن مجید میں سب سے زیادہ دہرایا گیا ہے۔ اس کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ تکرار کس نوع کی ہے، چھ مقامات کو چھوڑ کر سیاق و سباق کے پیش نظر اس واقعہ کی جانب عبرت و موعظت پر مشتمل اشارے کیے گئے ہیں، جہاں تک اس واقعہ کی بنیادی کڑیوں کا تعلق ہے ان میں سرے سے کوئی تکرار تقریباً پائی ہی نہیں جاتی اور اگر کسی کڑی کو دہرایا بھی گیا ہے تو اس تکرار کے اندر کوئی نہ کوئی جدت ضرور پائی جاتی ہے یہ دوسرے واقعات کے لیے نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے، اس واقعہ کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں قرآنی واقعات و قصص میں ہرگز تکرار نہیں پائی جاتی ہے، اور اگر بلا فکر و تدبیر قرآن پڑھنے والوں کو اس میں تکرار نظر آتی ہے تو ان میں قرآن کا کیا تصور ہے؟“

قرآن مجید میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں، وہ دینی اغراض و مقاصد کے زیر اثر ہیں۔ واقعات کے تابع دین ہونے کے آثار ان کے ذکر و بیان میں بھی ملتے ہیں، اور خود ان واقعات میں بھی، ان واقعات کے دینی مقاصد کے زیر اثر ہونے کا اولین اثر یہ ہے کہ اکثر و بیشتر ایک ہی واقعہ کو قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دہرایا گیا ہے، لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ کہ پورے

اسرائیلی قصے اور قرآنی صداقتیں

مولانا عبدالسبحان ناخدا ندوی

استاذ مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی

توریت کی کتاب پیدائش میں غور کیا جائے تو اس میں انبیاء کے بلند منصب کا کہیں پتا نہیں چلتا۔ حضرات انبیاء کے گھرانے نہایت عام سے بلکہ اس سے بھی کم تر درجہ کے لگتے ہیں، شراب کا تذکرہ ملتا ہے، اور اخلاقی خرابیوں کا بھی ذکر ہے، کاروبار کھیتی باڑی اور سونے چاندی میں ان کو بہت مشغول دکھایا گیا ہے، اسی طرح انبیاء کے گھرانوں میں غداری و دھوکہ بازی اور عیاری کی مثالیں بھی ملتی ہیں، مجموعی طور پر جو چیز سب سے زیادہ نظر آتی ہے مفاد پرستی اور مکاری، صحیح معنی میں کہا جاسکتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی سیرت کو سخی کیا گیا ہے۔ عبادت شوق الہی، قربانی، آخرت کی یاد، قوموں کو تلقین امر بالمعروف نہی عن المنکر اور اللہ پر کامل بھروسہ کا کہیں نام و نشان تک نہیں۔ حضرت آدم و حوا پر الزام ہے کہ وہ جنت میں ننگے رہتے تھے وہ شرماتے نہ تھے۔ حضرت نوح پر الزام ہے کہ انہوں نے شراب پی، حضرت لوط پر الزام ہے کہ انہوں نے زنا کیا وہ بھی اپنی سگی بیٹیوں کے ساتھ۔ حضرت ابراہیمؑ غنیمت ہے کہ کچھ محفوظ ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو کترو دکھانے کی بار بار سعی، حضرت ہاجرہ کا تحقیر آمیز انداز سے ذکر، حضرت سارہ کی مکاری و جھوٹ، حضرت اسحاق کی مجبوری کہ حضرت یعقوب کے ہاتھوں کھلونا بنے ہوئے ہیں، حضرت یعقوب پر الزام ہے کہ انہوں نے مکاری سے اپنے بھائی کا حق چھینا اور دھوکہ دیکر حضرت اسحاق سے ساری برکتیں سمیٹ لیں۔ بعض اولاد

بنی اسرائیل اللہ کی برگزیدہ قوم تھی۔ جن پر اللہ نے توریت اتاری۔ اور دنیا جہاں کی نعمتوں سے ان کو سرفراز فرمایا۔ لیکن قوم کی اکثریت محسن کش ثابت ہوئی، اللہ سے بغاوت میں پیش پیش رہی۔ احکام الہی کو بچ کھانے میں سب سے آگے رہی۔ خود توریت کی گواہی سنئے، حضرت موسیٰ فرماتے ہیں۔ ”اس بات کو یاد رکھو اور کبھی نہ بھولو کہ تم نے بیابان میں خداوند کو غصہ دلایا بلکہ جب سے تم ملک مصر سے نکلے ہو تب سے لیکر اس جگہ پہنچنے تک تم خداوند سے بغاوت ہی کرتے آئے ہو۔“ (استثنا۔ ۹-۷)

دوسری جگہ یوں ہے، تم بہت جلد اس راہ سے برگشتہ ہو گئے تھے جس پر چلنے کا خداوند نے تمہیں حکم دیا تھا، (استثنا۔ ۱۶-۹) اللہ رب العزت کی طرف توریت میں یہ قول منسوب ہے، تو ایک سرکش اور ضدی قوم ہے، (استثنا۔ ۶-۹)

سرکشی اور ضدی اس بد نصیب قوم کو اللہ کی کتاب کی تحریف پر ابھارا۔ ذہنی پستی نے انبیاء کی سیرتوں کو داغدار کرنے پر آمادہ کیا۔ یہودی الزام تراشیوں کا سلسلہ حضرت آدم سے لیکر حضرت موسیٰ و ہارون تک پھیلا ہوا ہے۔ جس نبی کا تذکرہ توریت میں ہے اس کی پاکیزہ سیرت پر کہیں نہ کہیں کچھڑا چھالی گئی، خلاصہ کے طور پر ہم کچھ نمونے پیش کرتے ہیں اور قرآن کریم کی معجز نما صداقتیں بھی پیش کرتے ہیں کہ کس طرح قرآن کریم نے ایک دو جملوں میں پوری حقیقت کھول دی ہے۔

بے بس کہ چاہنے کے باوجود کچھ کر نہیں پاتے۔ قرآن کریم حضرت ابراہیم واسحاق و یعقوب تینوں کے بارے میں یہ کہتا ہے۔ ووهبنا لهم من رحمتنا وجعلنا لهم لسان صدق علیاً۔ ہم نے ابراہیم واسحاق و یعقوب کو اپنی رحمت سے مالا مال کیا اور ان کیلئے سچائی کی نہایت اونچی زبان رکھی۔ یعنی وہ اپنے دور کے نہایت بلند ترین سچائی کے معیار کمال پر فائز افراد تھے۔ بس آیت کا یہی ایک ٹکڑا توریت کی اس لغو داستان کے نیچے ادھیڑ دینے کے لئے کافی ہے، دوسری جگہ یہ الفاظ ہیں۔

واذکر عبدنا ابراهیم واسحاق و یعقوب اولی الایدی والابصار، انا اخلصنا هم بخالصه ذکرى الدار وانهم عندنا لمن المصطفین الاخیار، ہمارے بندے ابراہیم اسحاق و یعقوب کو یاد کرو جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے۔ ہم نے ان سب کو ایک خاص چیز کیلئے بالکل خاص کر دیا تھا وہ ہے آخرت کے گھرانے کی یاد، یہ سب ہمارے نزدیک بڑے منتخب نہایت بہترین لوگ تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ توریت میں قدرے تفصیل سے مذکور ہے۔ اور قرآن کریم سے بہت حد تک ملتا جلتا بھی ہے۔ پھر بھی تحریف کے چھینٹوں سے حضرت یوسف کے دامن کو بھی آلودہ کرنے کی بیہودہ کوشش کی گئی ہے۔ حضرت یوسف کو انتقامی جذبات رکھنے والا حکمراں دکھایا گیا ہے۔ جنہوں نے تین دن تک اپنے بھائیوں کو حراست میں رکھا ان پر جاسوسی کا الزام لگایا۔ بن یامین کو لانے کیلئے ایک بھائی شمعون کو یرغمال بنا کر اپنی آنکھوں کے سامنے بندھوا دیا۔

(پیدائش - ۴۲ - ۷ - ۲۳)

قرآن کریم نے ایک ایک مختصر ترین جملے میں حقیقت

یعقوب پر الزام کہ وہ فحاش تھے اور دہرا معیار رکھتے تھے۔ یہ خلاصہ ہے توریت کی اولین کتاب کا۔

قرآن کریم نے ایک ایک نبی کی پوزیشن واضح کی ہے اور توریت کی ایک ایک تحریف کا پردہ چاک کیا ہے۔ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام لباس سے آراستہ تھے۔ ان لك ان لاتحسوع فیہا ولا تعری، اے آدم تم اس جنت میں نہ بھوکے رہو گے نہ برہنہ، نوح علیہ السلام اللہ کی طرف سے مکمل سلامتی اور برکتوں سے مالا مال تھے۔ ان پر شراب نوشی کا الزام یہودیوں کی ملعون ذہنیت کے سوا کچھ نہیں، قیل یانوح اهبط بسلام منا وبركات عليك، نوح کشتی سے اترو ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں پر برکتیں لئے ہوئے۔

حضرت اسماعیل و لوط علیہما السلام کو قرآن کریم نے سارے جہانوں پر فضیلت پانے والا بتایا ہے۔ واسماعیل والیسع ویونس و لوطاً و کلاً فضلنا علی العالمین یہ شاید اسی یہودی تحقیر کا جواب ہے جو توریت میں تحریفاً شامل کی گئی ہے۔

حضرت ابراہیم کے پورے گھرانے کو قرآن کریم رحمتوں اور برکتوں سے مالا مال قرار دیتا ہے قرآن کے الفاظ یہ ہیں۔ قالوا أتعجبین من امر الله رحمة الله وبركاته علیکم اهل البيت۔ فرشتوں نے کہا، اے سارہ کیا تم اللہ کے فیصلہ پر تعجب کرتی ہو تمہارے سارے گھرانے پر اللہ کی رحمتیں و برکتیں نازل ہوں۔ توریت کتاب پیدائش باب نمبر ۲۷ میں حضرت یعقوب کو حد درجہ مکار اور حضرت اسحاق کے پورے گھرانے کو نہایت سازشی گھرانہ دکھایا گیا ہے، حضرت یعقوب حضرت اسحاق سے نبوی برکتیں نبوی مکاری سے ہتھیالیتے ہیں جو ان کے بڑے بھائی عیسو کا حق تھا۔ اور حضرت اسحاق ایسے

نے ان سے کہا تمہاری بیویوں اور بیٹوں اور بیٹیوں کے کانوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں انہیں اتار کر میرے پاس لے آؤ..... اور جو کچھ انہوں نے اسے دیا اس نے اسے لیکر ایک بت بنایا جو پتھرے کی صورت میں ڈھالا گیا تھا، اور اسے چھینی سے ٹھیک کیا تب وہ کہنے لگے اے اسرائیل یہی تیرا وہ دیوتا ہے جو تجھے مصر سے نکال لایا۔ (خروج ۳۲-۱-۴)

گویا سارا شرک حضرت ہارون کی سرپرستی میں ہو رہا تھا۔ قرآن کریم حضرت ہارون کی پوزیشن یوں صاف کرتا ہے - یا قوم انما فتنتم به وان ربکم الرحمن فاتبعونی واطیعوا امری۔ بھائیو تم فتنے کا شکار ہو گئے ہو، تمہارا اصل رب تو خدائے رحمن ہے، میری پیروی کرو اور میری ہی کہنا مانو۔

عجیب بات ہے کہ وہ سامری جس نے یہ سارا تماشا کیا تھا اور پوری قوم کو اللہ کی نگاہ میں معتب بنایا تھا اس جادوگر کا توریت میں کوئی ذکر نہیں۔ اس کا پورا گناہ حضرت ہارون علیہ السلام کے سر ڈال کر تحریف کرنے والے نہایت مطمئن ہو گئے تھے۔ چونکہ بعد میں خود یہ قوم بھی کتاب الہی کو فراموش کر کے جادو ٹونے کے پیچھے پڑ گئی تھی اس لئے اپنے اس معلم اول (سامری) کی عزت افزائی اس میں سو جھی ہوگی کہ اس کے دامن کو ہی چھینٹ سے پاک و صاف رکھا جائے۔ الزامات کا بار اٹھانے کیلئے حضرات انبیاء تو موجود تھے ہی پھر بے چارے سامری کو کیوں گھسیٹا جائے؟ بہتان طرازی کی اس سے بڑھ کر بدترین مثالیں اور کہاں مل سکتی ہیں۔ تحریف کی ان ناپاک کوششوں نے پوری قوم کو اللہ کے سامنے ناپاک بنا دیا اور اللہ کا فیصلہ یہ ہوا۔ اولئک الذین لم یرد اللہ ان یطہر قلوبہم لہم فی الدنیا خزی ولہم فی الآخرة عذاب عظیم۔

بیان کی ہے اور یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے حضرت یوسف اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ دوبارہ آؤ تو بن یا مین کو لے آؤ، الاترون انی اوف الکیل وانا خیر المنزلین۔ دیکھ نہیں رہے ہو کہ میں کس قدر بھرپور ناپ کر دیتا ہوں اور کتنا اچھا مہمان نواز ہوں۔ خیر المنزلین صرف اس نکلے نے ساری داستان کے تار پور بکھیر دیئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے محسن اعظم تھے۔ لیکن حیرت ہے توریت میں آپ کو بھی اللہ رب العزت کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ یہ عبارت دیکھئے۔ تب موسیٰ نے خداوند سے رجوع کیا اور کہا کہ اے خدا تو نے ان لوگوں پر کیوں مصیبت نازل کی کیا تو نے مجھے اسی لئے بھیجا تھا جب سے میں تیرے نام سے بات کرنے کیلئے فرعون کے پاس گیا ہوں وہ ان لوگوں پر مصیبت ڈھانے لگا ہے اور تو نے اپنے لوگوں کو بالکل نہیں بچایا (خروج ۵: ۲۲-۲۳)

لب ولجہ انتہائی گستاخانہ ہے۔ اب ذرا قرآن کریم کے آئینہ پر نظر کیجئے کس باوقار انداز میں حضرت موسیٰ کی نبوی شان ظاہر کرتا ہے۔ قال موسیٰ لقومہ استعینوا باللہ واصبروا ان الارض للہ یورثہا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو، زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں جسے چاہے اس کا وارث بنا دے۔ حقیقی نتیجہ تو اللہ سے ڈرنے والوں کے ہاتھ آئے گا۔

بنی اسرائیل کے دوسرے بڑے محسن حضرت ہارون علیہ السلام ہیں ان پر بہتان یوں لگایا گیا کہ جب لوگوں نے دیکھا موسیٰ نے پہاڑ سے اترنے میں دیر لگائی تو وہ ہارون کے پاس جمع ہو کر کہنے لگے آ ہمیں ایک دیوتا بنا کر دے۔ ہارون



قرآن مجید میں مذکور قصہ موسیٰ علیہ السلام اور اس کی افادیت

ڈاکٹر جمشید احمد ندوی

شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

و کامرانی سے ہمکنار ہوا جاسکتا ہے۔

قصہ قرآنی پر جو تکرار و اعادہ پایا جاتا ہے اور ایک ایک بات کے اظہار میں جو مختلف اسالیب اور متنوع پیرایہ بیان سے کام لیا گیا ہے اس میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتانا مقصود ہے کہ پہلی قوم میں بدرجہ غایت سرکش و متمرد تھیں اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کو انہوں نے اپنے لئے ضروری قرار دے لیا تھا، پھر وہ لوگ اسی پر اکتفا نہیں کرتے تھے اپنے انبیاء علیہ السلام کو پریشان بھی کرتے تھے مگر انبیاء کرام نے ہمت نہیں ہاری اور سلسلہ دعوت ہر حال میں جاری رکھا قرآن کا مقصد کفار مکہ مشرکین عرب اور دیگر اعدائے اسلام کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حوصلہ افزائی کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت بڑھانا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت بندھائی گئی ہے کہ مشرکین و کفار کے عناد و سرکشی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پریشان نہ ہوں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل تمام انبیاء کرام کو بھی بے حمت نہیں حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

قرآن مجید کتاب ہدایت ہے، وہ انسانی فلاح و بہبود کے سرچشموں کی نشاندہی کرتا ہے۔ انسانی فطرت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے کتاب رشد و ہدایت ہونے کے ساتھ ساتھ عربی زبان و ادب کا بہترین نمونہ بھی ہے۔ جس کی مختصر سے مختصر آیت کا نمونہ پیش کرنے سے دنیا اب تک قاصر ہے اور فرمان الہی کے مطابق رہتی دنیا تک قاصر رہے گی۔

اسالیب قرآن میں سے ایک اسلوب یہ ہے کہ وہ تاریخ انسانیت کے بہت سے مرحلوں کا ذکر کرتا ہے خاص طور سے انبیاء کرام اور ان کی میدان دعوت میں کاوشوں کا ذکر، انبیاء کرام کے حالات زندگی اور ان کے واقعات کو ذکر کرنے میں کئی پیرایہ بیان اختیار کئے گئے ہیں۔ مثلاً کبھی پوری سورت میں کسی ایک نبی اور ان کی دعوت کا ذکر کیا جاتا ہے تو کبھی ایک سورت میں متعدد انبیاء کرام کا ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی جستہ جستہ واقعات انبیاء بیان کئے جاتے ہیں، قصص انبیاء کا ذکر کرنے میں ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ ایک ہی نبی کا ذکر بار بار کیا جاتا ہے جس کا مقصد انسان کے ذہن میں یہ بات بٹھانی ہوتی ہے کہ انبیاء کرام کی روش ہی اختیار کر کے کامیابی

قرآن مجید میں متعدد انبیائے کرام کے حالات بیان کئے گئے ہیں ان میں غالباً سب سے زیادہ حضرت موسیٰ کا تذکرہ ہے۔

اس میں بنی اسرائیل، فرعون اور قوم فرعون کی ایک طویل داستان بیان کی گئی ہے۔ جس میں حق و باطل کا ایک عظیم معرکہ، ظلم و عدوان کی ایک سبق آموز جنگ، حریت و عبودیت کی ایک عبرت انگیز کشمکش، انارکیم الاعلیٰ کا نعرہ بلند کرنے والے ایک جاہل و متمرد حکمران کی کہانی جس کا ظلم و ستم بالآخر اس کی ذلت و ہلاکت کا باعث بنا، مجبور و بے بس کے امتحان کی بے مثال روداد، صبر و ابتلاء اور شکر و احسان کا ایک عدیم النظیر واقعہ، برائی کے ہیبت ناک انجام اور سچائی و صداقت کے بصیرت افروز نتائج نہایت وضاحت اور تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔

یہ واقعہ اس حقیقت کی زندہ اور ابدی شہادت ہے کہ انسان اگر اللہ پر بھروسہ کر کے صداقت پر قائم ہو جائے اور مصیبت و ابتلاء کے موقع پر صبر و رضا سے کام لے تو بلاشبہ اللہ اس کی مدد کرتا ہے اور اس کی کامیابی و کامرانی کے اسباب فراہم کر دیتا ہے۔

اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اگر انسان ذہنی فکر اور قلب و نظر کے تمام گوشوں پر رضائے الہی کو طاری کر لے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کو شکست نہیں دے سکتی اور وہ دنیا کے بڑے سے بڑے متمرد اور

.... قرآن مجید تاریخ کی کتاب

نہیں ہے کہ اس میں ایک خاص تسلسل کے ساتھ واقعات بیان کئے جائیں بلکہ

چونکہ اس کا مقصد ہدایت اور

صراط مستقیم پر چلنے پر

ابھارنا ہے لہذا صرف انہیں

واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جن

سے انسان ہدایت پاسکے اور

صراط مستقیم پر گامزن رہ سکے....

سورہ عنکبوت، سورہ سجدہ، سورہ احزاب

، سورہ فصلت، سورہ مومن، سورہ حم سجدہ،

سورہ شوریٰ، سورہ احقاف، سورہ ذاریات،

سورہ نجم، سورہ صف و دیگر سورتوں میں

ملتا ہے کہیں بہت مفصل اور کہیں کچھ

مختصر و مجمل۔

حضرت موسیٰ کے کثرت ذکر

کا بنیادی سبب مولانا حفظ الرحمن سیوہاری

مؤلف قصص القرآن کے بقول آپ ﷺ

اور حضرت موسیٰ میں مختلف امور میں

مماثلت و یکسانیت کا پایا جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ کے قصے میں دیگر کئی

واقعات بھی بیان کئے جاتے ہیں جن کا

حضرت موسیٰ سے گہرا تعلق ہے ان میں ان کے بھائی حضرت

ہارون، فرعون کے ذکر کے ساتھ ساتھ من و سلویٰ کے نزول،

جاہر انسان کی بھی پروا نہیں کرتا اور ہر موقع پر کلمہ حق اس کی زبان پر جاری رہتا ہے..... گئے ہیں۔

اس واقعہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ کوئی شخص حق قبول

قرآن میں مذکور دیگر تمام قصص انبیاء کی طرح قصہ موسیٰ سے بھی آنحضرت ﷺ کو یہ دلا سہ دلانا اور آپ ﷺ کی ہمت افزائی کرنا ہے کہ موجودہ صورتحال سے پریشان نہ ہوں کامیابی آپ ﷺ کو ہی ملے گی جیسا کہ دیگر سابق انبیاء کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ کے حالات زندگی ایک تسلسل و ربط کے ساتھ قرآن مجید میں نہیں بیان کئے گئے ہیں بلکہ صرف انہیں واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جس میں بنی نوع انسان کے لئے موعظت و بصیرت کا سامان پایا جاتا ہے تسلسل نہ ہونے کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن مجید تاریخ کی کتاب نہیں ہے کہ اس میں ایک خاص تسلسل کے ساتھ واقعات بیان کئے جائیں بلکہ چونکہ اس کا مقصد ہدایت اور صراط مستقیم پر چلنے پر ابھارنا ہے لہذا صرف انہیں واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جن سے انسان ہدایت پاسکے اور صراط مستقیم پر گامزن رہ سکے۔

☆☆☆

..... اسلوب قرآن میں سے ایک اسلوب یہ ہے کہ وہ تاریخ انسانیت کے بہت سے مرحلوں کا ذکر کرتا ہے خاص طور سے انبیاء کرام اور ان کی میدان دعوت میں کاوشوں کا ذکر، انبیاء کرام کے حالات زندگی اور ان کے واقعات کو ذکر کرنے میں کمی بھرا یہ بیان اختیار کئے گئے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے پوری سورت میں کسی ایک نبی اور ان کی دعوت کا ذکر کیا جاتا ہے تو کبھی ایک سورت میں متعدد انبیاء کرام کا ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی جتنے جتنے واقعات انبیاء بیان کئے جاتے ہیں، قصص انبیاء کا ذکر کرنے میں ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ ایک ہی نبی کا ذکر بار بار کیا جاتا ہے جس کا مقصد انسان کے ذہن میں یہ بات بٹھانی ہوتی ہے کہ انبیاء کرام کی روش ہی اختیار کر کے کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوا جاسکتا ہے.....

کرے یا نہ کرے داعی کا فرض ہے کہ وہ کلمہ حق کہتا رہے اور نصیحت و موعظت اور تبلیغ و اشاعت دین کا سلسلہ ہر حال میں جاری رکھے۔

حضرت موسیٰ غالباً انبیاء کرام میں وہ واحد نبی ہیں جن کے حالات زندگی ایک تسلسل کے ساتھ سورہ شعراء، سورہ نمل اور سورہ قصص میں بیان کئے گئے ہیں، بقول علامہ آلوسی قرآن مجید کی تین سورتیں جس ترتیب سے نازل ہوئیں اسی ترتیب کے مطابق مصحف مقدس میں بھی مندرج ہیں، ان کی باہمی مناسبت اور ربط یہ ہے کہ شعراء میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی پیدائش تربیت اور پھر قبلی کے قتل کے بعد نبی نکلنے کا واقعہ اجمالی طور پر ذکر کیا ہے اور سورہ نمل میں مدین سے واپسی پر طور سینا پر جلوہ ربانی اور اعطائے نبوت کا واقعہ مجملاً مذکور ہے اور سورہ قصص میں ان دو مجمل واقعات کی تفصیل کے علاوہ حضرت موسیٰ کے قصے کے دیگر پہلو بھی بیان کئے گئے ہیں اور بعض واقعات

قصہ دو باغیوں والے شخص کا

محمد عظیم بھٹوی

استاذ الشہد العالی الاسلامی حیدرآباد

میں سے ایک نے زمین خریدی اور دو باغ بنائے اور دوسرے نے اپنا مال صدقہ کر دیا؛ لیکن قرآن مجید نے اس طرف کوئی اشارہ نہیں کیا؛ کیوں کہ قرآن مجید میں قصے جن عظیم مقصد کے لئے بیان کئے جاتے ہیں ان کے لئے قصوں کی ہر چھوٹی بڑی تفصیل کوئی اہمیت نہیں رکھتی، اس بے بضاعت نے اس مختصر مضمون میں اسی مذکورہ قصہ کے بعض ادبی و تربیتی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔

تربیتی پہلو :

اس قصہ میں تربیت کرنے والوں کو یہ تربیت دی گئی ہے کہ کوئی مفید بات کسی کے ذہن نشین کرنی ہو اور اس کو عمل پر آمادہ کرنا ہو تو اس مقصد کے لئے نتیجہ خیز قصوں اور مثالوں سے مدد لینی چاہئے، چونکہ سورہ کہف میں اس قصہ کے ذکر سے پہلے مکہ کے ان سربراہوں اور لوگوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جو مجلس رسول میں صرف اس لئے آنا گوارہ نہیں کرتے تھے کہ اس مجلس کے اٹھنے بیٹھنے والے لوگ ان کے ہم رتبہ نہیں، کمزور اور کم حیثیت لوگ ہیں، چشم ظاہر میں کو دھوکہ ہوا تھا، خوش نصیبی اور عروج و زوال کے پیمانے خود اپنی پسند سے قائم کئے گئے تھے، جاہ و ثروت کو سعادت اور فقر و مسکنت کو محرومی تصور کیا گیا تھا۔

سورہ کہف میں چار قصے بیان کئے گئے ہیں، جن میں ایک قصہ دو ایسے اشخاص کا ہے، جن میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ نے مالدار اور صاحب ثروت بنایا تھا، جبکہ دوسرے کی قسمت میں غربت رکھ دی تھی؛ لیکن پہلا اپنی خوشحالی کے باوجود ناشکرا، احسان فراموش اور مغرور تھا اور دوسرا اپنی مفلوک الحالی کے باوجود اللہ کا شکر گزار، احسان شناس اور بجز و فروتنی کا پیکر تھا، قرآن مجید نے ان دونوں کا یہ واقعہ سورہ کہف کی بارہ آیتوں (یعنی آیت نمبر: ۳۳ تا ۴۴) میں بیان کیا ہے، دوسرے قرآنی قصوں کی طرح یہ بھی محض قصہ برائے قصہ نہیں ہے؛ بلکہ درس و موعظت کا مجموعہ ہے، شکر گزار اور ناشکرے دونوں قسم کے لوگوں کے نیک و بد انجام کا ذکر اس میں آ گیا ہے، اس واقعہ کے بارے میں مفسرین کی ایک رائے یہ ہے کہ اس میں بنی مخزوم کے دو بھائیوں کا تذکرہ ہے، جن میں ایک کافر تھا جس کا نام ”اسود بن عبد الأشد“ یا ”عبد الأسد“ تھا اور دوسرا مسلمان تھا جس کا نام ”ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الأشد“ تھا، ”الإصابة“ میں یہ ذکر آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہ ام سلمہ کے شوہر تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کا تذکرہ ہے، جن کے والد نے وفات کے بعد مال چھوڑا تھا، ان

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاج وری کا
کل اس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا
لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارِ گم شیشہ گری کا

حق و صداقت پر قائم رہنے والوں کو یہ بتا دیا گیا ہے
کہ غلطی پر کوئی بھی ہو اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے، کسی کی
دولت یا منصب کا رعب زبان و قلم کو حق بات کہنے سے روک نہ
سکے، اس قصہ میں مغرور مالدار جب اپنی حیثیت کے اظہار پر
پورا زور صرف کر چکا تھا اور اپنے لہلہاتے چمن کو دیکھ کر یہ تک
کہہ دیا تھا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ دولت کبھی فنا ہوگی اور مجھے
توقع نہیں کہ قیامت کی گھڑی کبھی آئے گی، تاہم اگر کبھی مجھے
اپنے رب کی طرف پلٹنا بھی گیا تو ضرور اس سے بھی زیادہ
شاندار جگہ پاؤں گا، چونکہ یہاں خوشحال ہونا اس بات کی
دلیل ہے کہ میں ہی اپنے رب کا محبوب اور چہیتا ہوں، اسے یہ
نہیں معلوم تھا کہ کسی دربار کا قانون یہ بھی ہوتا ہے کہ۔

وہ جو سب سے ناکارے ہیں ہم کو سب سے پیارے ہیں
محفل محفل ڈھونڈ رہے ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانے ہم
”شکستہ دل عزیز تر“ کا یہ قانون نہ جانے کتنے دلوں
کی تسکین کا سامان ہے۔

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس کے اس فخر و غرور اور تکبر
بلکہ انکارِ آخرت کی جرأت سے اس کا ساتھی اس کی ہدایت سے
مایوس ہو کر یا اس کی تمکنت سے متاثر ہو کر نصیحت سے باز نہ آیا؛
بلکہ صاف لفظوں میں اس کو اس کی حقیقت اور اوقات یاد دلائی
اور برملا کہا کہ ”... کیا تو کفر کرتا ہے اس ذات سے جس نے تجھے
مٹی سے اور پھر نطفہ سے پیدا کیا اور پھر تجھے پورا آدمی بنا کر کھڑا

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمین کی
حال یہ تھا کہ وہ حق کا پیام جس طرح ایک مفلس کی جھونپڑی
تک پہنچانا چاہتے تھے، وہیں خوابوں کے شیش محل میں رہنے
والوں کو بھی اس سے سرفراز کرنا چاہتے تھے؛ اس لئے کوئی ناز
برداری نہیں صرف ان کی تھوڑی سی خاطر داری کی گئی تھی کہ کیا
عجب ہے کہ یہ بھی ہدایت کی راہ پالیں؛ لیکن خالق کائنات کو
ان کے عز و ناز میں اضافہ گوارا نہ تھا، چونکہ ان کی عناد و
سرکشی حد سے گذر چکی تھی، اور اسی لئے ان کے دلوں پر محرومی
کی مہر لگادی گئی تھی؛ چنانچہ اس معمولی توجہ پر بھی اپنے محبوب
سے روٹھ جانے کا اظہار کیا گیا اور تنبیہ کی گئی کہ آپ کی تمام تر
توجہ انہیں رب کے نام لیواؤں پر ڈھنی چاہئے، اور جن کے سر
میں غرور کا سودا سمایا ہے ان کو یہ واقعہ سنا دیں کہ بیجا فخر و
مہابات کا کیا انجام ہوتا ہے؟

حضرت انسان کو یہ احساس دلایا گیا کہ جب بھی
کوئی نعمت ملے یا کسی چیز میں تفوق نصیب ہو تو اسے اپنے
کمال کی جانب منسوب کرنے کے بجائے منعم حقیقی کا شکر
بجالایا جائے اور جس نے سرو نچا کیا ہے، اسی کی چوکھٹ پر
سر نیاز خم کر دیا جائے اور کبھی ”أنا أكثر منك مالاً
وأعز نفراً“ (میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور تجھ
سے زیادہ طاقت ورنفری رکھتا ہوں)، یا اس جیسے تکبر آمیز
جملے زبان پر نہ آئیں ورنہ بالآخر کف افسوس ملتے ہوئے یہ
کہنے کی نوبت آسکتی ہے ”یا لیتنی لم أشرك بربی
أحدًا“ (کاش میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک
نہ ٹھہرایا ہوتا) یا کاش میں نے ایسا نہ کیا ہوتا، چونکہ انسان
کا تو حال یہ ہے کہ۔

عطا کر دے، اور تیری جنت پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے، جس سے وہ صاف میدان بن کر رہ جائے یا اس کا پانی زمین میں اتر جائے اور پھر تو اسے کسی طرح نہ نکال سکے۔

اگر ہم ان دونوں بھائیوں کی گفتگو کا تجزیہ کریں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دو باغوں والا بھائی یہ سمجھتا تھا کہ اس کی دولت ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، جبکہ غریب بھائی کا ابقان تھا کہ پوری دنیا بھی اگر حاصل ہو جائے تو ایک لمحہ میں واپس لی جاسکتی ہے، مالدار بھائی کا خیال یہ تھا کہ اس کی قیمت مال و اولاد سے ہے اور غریب بھائی کو یقین یہ تھا کہ اس کی قیمت و حیثیت اس کے ایمان و یقین میں پنہاں ہے، مالدار یہ سمجھتا تھا کہ آخرت میں اس کی وہی حیثیت ہوگی جو دنیا میں ہے اور تنگدست بھائی اپنی نگاہ یقین سے دیکھ رہا تھا کہ آخرت میں ملنے والا انعام دنیا میں ملنے والے انعام سے زیادہ افضل اور زندہ جاوید ہے، مالدار کو یقین تھا کہ اس کی قوت سے بڑھ کر زمین پر کوئی قوت نہیں، اور اس کو روئے ملنے والی اس مرد مومن کو سے فیصلے ہو جاتے ہیں اجاڑ دی جاتی ہیں، کھلتے پڑمردہ ہو جاتے ہیں، میوں ہوئے باغات ٹٹیوں پر الٹ دیئے جاتے ہیں اور وہ سب کچھ ممکن الوجود ہوتا ہے، جو آیت کی تصدیق کرادے کہ "کل من علیہا فان،

کیا،" گویا اس کو باور کرایا کہ تمہاری اصل مٹی سے ہے، تمہاری ابتداء ناپاک قطرہ سے ہے اور اب جو تم جوان رعنا نظر آتے ہو یہ اسی قدرت کے کرشمے ہیں، جس کی بغاوت پر تم آمادہ ہو۔

افسوس کہ آج فیاضی کے قائدین کی تنقید پر زور ساتھ علماء اور دینی بیان اور زور قلم صرف کیا حق گوئی کا نام دیا جاتا ہے، اور کے ٹھیکہ داروں کی ہوتو جیب و دامن جاتی ہے اور عقل مصلحت کوش اس طرح تسلی دیتی ہے کہ۔

غالب و طفیفہ خوار ہو دوشاہ کو دعا وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ داعی کے اندر خودداری، اعتماد اور عزت نفس جیسے اوصاف کا ہونا ضروری ہے اور خدا کی جانب سے ملی ہوئی نعمت کا اظہار بھی مطلوب ہے، جیسا کہ اس غریب بھائی نے کہا تھا:

﴿إِنْ تَرَىٰ أَنَا أَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَوَلَدًا
 ☆ فَعَسَىٰ رَبِّي أَن يُوْتِيَنِي خَيْرًا مِّنْ
 جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ
 فَتُصْبِحُ صَعِيدًا زَلَقًا أَوْ يُصْبِحَ مَأْوَاهَا
 غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا ☆﴾
 (الکھف: ۳۹-۴۱)

”اگر تو مجھے مال اور اولاد میں اپنے سے کمتر پارہا ہے تو بعید نہیں کہ میرا رب مجھے تیری جنت سے بہتر

قصہ کا ایک عنصر یہ ہے کہ اس میں ربط و ہم آہنگی ہو اور اس کو حقیقت سے قریب کرنے کی کوشش کی گئی ہو اور اس کا متن ایسا تیار کیا گیا ہو کہ اس میں تسلسل اور سلاست ہو، قصہ میں ایک اہم کردار ایسی شخصیت یا شخصیات کا ہوتا ہے جن کے قصہ کا پلاٹ تیار کیا جاتا ہے، قصہ کا تصدیق کے قابل ہونا بھی ضروری ہے، محض اتفاقیات پر مبنی ہونا کافی نہیں، جسے عربی میں ”حبکہ قصصیہ“ کہتے ہیں۔

اسی طرح ”حوار“ یعنی مکالمہ نگاری کو بھی قصہ میں نہایت واضح اور بے غبار شکل میں پیش کرنا ہوتا ہے، قرآن مجید کے اس قصہ کا متن نہایت مربوط اور مرتب ہے، دو بھائیوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے وہ اپنے اختصار کے باوجود نہایت واضح اور جامع ہے۔

بعض داخلی شہادتیں :

ابن عاشور نے ”التحریرو والتنویر“ میں لکھا ہے: ”واضرب لهم“ میں ”ہم“ کی ضمیر کو مبہم رکھا گیا ہے، اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس کو ”اضرب“ فعل سے بھی متعلق کیا جاسکتا ہے، اس طرح اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کے لئے مثال بیان کر دیجئے اور اس طرح اس سے کفار مکہ مراد ہوں گے، قرآن میں دوسری جیسے

جگہ آیا ہے : ﴿ مثلًا من أنفسکم ﴾ (الروم : ۲۸) دوسرے یہ کہ اس کا تعلق مثلاً سے ہو، ایسے ہی جیسے حال کا تعلق ذوالحال سے ہوتا ہے، اور پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان دو فریقوں (مؤمن اور کافر) کی مثال وہ دو باغ والے ہیں جن کا ذکر

و یبقی وجہ ربك ذو الجلال والإکرام“ آج بھی دنیا میں دونوں نمونے موجود ہیں اور قرآن کی یہ آیات انہیں دعوت دے رہی ہے کہ دل کی نگاہ سے ان کی تلاوت کی جائے اور ثواب و عقاب کے اس قانون کو کبھی فراموش نہ کیا جائے۔

ادبی پہلو :

قصہ ادب کی ایک اہم صنف ہے، جس کا مقصد جہاں ذہن و دماغ میں نشاط پیدا کرنا ہوتا ہے، وہیں حکمت آمیز باتوں سے عقل و دماغ کو صیقل کرنا بھی ہوتا ہے، اس فن کو ہر زمانہ میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، چونکہ ہنسنے والوں کو اس میں، ایک طرح کا تفریحی سکون ملتا ہے اور لطف کا احساس ہوتا ہے، حکایت کو قصہ کا بنیادی عنصر کہتے ہیں، اور یہ انسان کے مزاج کا خاصہ ہے، ہر شخص اپنی آپ بیتی، روداد زندگی اور لہجوں کی یادوں میں دوسروں کو دیکھتا ہے، اور اس طرح

ان کی حکایت کرتا ہے، ادب کی یہ صنف انسانی مزاج سے سب سے زیادہ ہم آہنگ ہے، چونکہ اس کے اجزائے ترکیبی روز مرہ کی زندگی کے سرد گرم اور تلخ و شیریں سے تیار کئے جاتے ہیں۔

قصہ کی خوبی یہ ہے کہ اس میں حسن انتخاب ہو، زندگی اور معاشرہ کے تسلسل سے کسی ایک حصہ کو الگ کر کے نمایاں کیا گیا ہو، ممکنہ حد تک اس کے آثار و نتائج اور فوائد پر نظر ہو اور نہایت سلیقہ اور ترتیب سے اس کو بیان کیا گیا ہو، قرآن مجید کے اس قصہ میں یہ تینوں عناصر بدرجہ اتم موجود ہیں۔

..... قصہ کی ایک ادبی اور فنی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس کے متن میں بھی انہی میں ذکر کر دئے گئے ہوں.....

آگے آرہا ہے، قرآن مجید میں اس کی بہت سی نظیریں ملتی ہیں، کے داخلہ کا تذکرہ ہے، وہاں ”دخل جنتیہ“ کے بجائے جیسے ﴿فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ﴾ (النحل: ۷۴) صرف ”دخل جنتہ“ کہا گیا ہے، علامہ زبیر نے لکھا ہے

قرآن مجید میں دو باغوں کی منظر کشی اس انداز سے کی گئی ہے کہ باغ کا پورا حسن سامنے آ گیا ہے، باغ کی خوبصورتی یہ ہے کہ وہ پھلدار درختوں سے گھرا ہوا ہو، اور اس کے درمیان نہر جاری ہو، درخت پھلوں سے لدے ہوئے ہوں اور اگر درمیان میں لہلہاتی کھیتیاں بھی ہوں تو حسن اور بھی دو بالا ہو جاتا ہے، قرآن مجید نے ایک ایسے خوبصورت باغ کی تصویر کشی صرف دو آیتوں میں کی ہے:

کوئی مفید بات کسی کے ذہن نہیں کرنی ہو اور اس کو عمل پر آمادہ کرنا ہو تو اس مقصد کے لئے نتیجہ خیز قصوں اور مثالوں سے مدد لینی چاہئے...

کہ یہاں مقصود ان دو باغوں یا ان میں سے کسی ایک تذکرہ نہیں؛ بلکہ اس کا استہزاء ہے کہ وہ اپنی بنائی ہوئی جنت میں اسی دنیا میں داخل ہو گیا، اس کا بھائی احمقوں کی اس جنت سے تو محروم رہا؛ لیکن ہمیشہ باقی رہنے والی جنت اس کے مقدر کر دی گئی۔

قصہ کی ایک ادبی اور فنی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس کے نتائج بھی اخیر میں ذکر کر دئے گئے ہوں، اللہ تعالیٰ نے اس مغرور بھائی کے انجام کا ذکر اس طرح کیا:

﴿وَلَمْ تَكُنْ لَهُ فِئَةٌ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا﴾
 ”نہ ہوا اللہ کو چھوڑ کر اس کے پاس کوئی بھی کہ اس کی مدد کرتا اور نہ کر سکا وہ آپ ہی اس آفت کا مقابلہ“

اور خدا نے اپنی قدرت کا اعلان اس

طرح فرمایا کہ
 ﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا﴾
 ”اس وقت معلوم ہوا کہ کار سازی کا اختیار خدائے برحق ہی کے لئے ہے، انعام وہی بہتر ہے جو وہ بخشے اور انجام وہی بخیر ہے جو وہ دکھائے۔“

☆☆☆☆☆

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا رَجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا رِزْعًا ☆ كَلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمِ مِنْهُ شَيْئًا وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا نَهْرًا ☆﴾

الکھف: ۳۲-۳۳

”اے محمد! ان کے سامنے ایک مثال پیش کر دو، دو شخص تھے ان میں سے ایک کو ہم نے انگور کے باغ دئے اور ان کے گرد کھجور کے درختوں کی باڑ لگائی اور ان کے درمیان کاشت کی زمین رکھی، دونوں باغ خوب پھلے پھولے اور بار آور ہونے میں انہوں نے ذرا سی کسر بھی نہ چھوڑی، ان باغوں کے اندر ہم نے ایک نہر جاری کر دی۔“

باغ اس شخص کے دو تھے؛ لیکن جہاں باغ میں اس



مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی علیہ الرحمۃ نے عالم اسلام کو 'ادب اسلامی' کی ضرورت اور اہمیت سے سب سے پہلے روشناس کرایا تھا اور اس کی تعمیر کے لئے جو بیج بویا تھا اور اس آبیاری کے لیے حتی المقدور کوشش کی تھی جس کے نتیجے میں آج وہ ایک تناور درخت بن گیا ہے۔ مولانا نے مرحوم کے قلم گوہر بار سے ادب اسلامی کے متعدد نمونے منظر عام ہر آچکے ہیں۔ خاص طور سے قصص قرآنی کو آپ نے نہایت سلیس انداز میں مرتب فرمایا تھا جس کے خوشگوار اثرات مرتب ہوئے۔ واقعہ یہ ہے کہ نئی نسل کے ایمان و عقیدہ کے تحفظ میں اس کی اہمیت و افادیت کھلے طور پر ظاہر ہو گئی اور اب یہ نتائج بھی سامنے آرہے ہیں کہ اس کے ذریعہ دوسروں کو ہدایت مل رہی ہے۔ دوسری حقیقت یہ ہے کہ موجودہ نسل ایک نئے علم کلام سے روشناس ہوئی اور اسلامی اقدار و تہذیب کو فروغ دینے میں اس علم کلام سے اس نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا۔ حضرت مولانا کی اس عالی فکر کا

خیال کرتے ہوئے دارعرفات کے ذمہ داران نے قصص قرآنی کے موضوع پر ایک علمی مذاکرہ کے انعقاد کا فیصلہ کیا تا کہ حضرت مولانا کے کام کو آگے بڑھایا جاسکے۔ یہ سیمینار مرکز الامام الندوی اور اس کے تمام ذمہ داروں اور کارکنوں کا شکر یہ ادا کرتا ہے کہ اس نے مہمانوں کے قیام و طعام کی ذمہ داری بحسن و خوبی انجام دی اور ہم سیمینار کے تمام شرکاء کے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے اس موسم میں سفر کی صعوبت برداشت کی اور سیمینار کو کامیاب بنانے میں حصہ لیا۔

اس سیمینار میں رائے بریلی اور اس کے اطراف و مضافات کے اداروں اور مدارس کے علاوہ حیدرآباد، بھٹکل، بھوپال، سہارنپور، علی گڑھ، ہاپوڑ، الہ آباد، پرتاب گڑھ، سلطانپور، بارہ بنگلی، غازی پور اور لکھنؤ کے نمائندوں نے شرکت کی اور درج ذیل اداروں کی مقالات کے ذریعہ نمائندگی ہوئی:

دارالعلوم ندوۃ العلماء، محکمات الطب کالج لکھنؤ،

ہے کہ قصص قرآنی کو مختلف علاقائی زبانوں میں پیش کیا جائے اور اس لٹریچر کی تیاری میں قصص قرآنی کی دینی اور دعوتی پہلو کو زیادہ اجاگر کیا جائے۔ خاص طور سے برادران وطن کی ذہنیت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ لٹریچر تیار کیا جائے اور ان تک پہنچانے کی سبیل کی جائے تاکہ وہ اسلام کی اصل دعوت سے واقف ہو سکیں۔

یہ علمی مذاکرہ اس نتیجے پر بھی پہنچتا ہے کی بچوں کے لیے بھی مذکورہ بالا ادب تیار کیا جائے کہ وہی کل کے معاشرہ کے معمار ہیں اور وہی ایک صالح معاشرہ کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کریں گے۔

صالح ادب کی کمی اور خلا کو یہ علمی مذاکرہ بہت شدت سے محسوس کرتا ہے لہذا اس بات کی تجویز پیش کرتا ہے کہ ادب کی جملہ اصناف میں اعلیٰ معیار کا صالح اور کارآمد اسلامی ادب تیار کیا جائے تاکہ موجودہ نوجوان نسل اور آئندہ آنے والی نسلوں کی تربیت ہو سکے۔

یہ سیمینار عالمی ادب رابطہ اسلامی برصغیر کے صدر کا صمیم قلب سے شکر گزار ہے کہ انھوں نے اپنی گونا گوں مصروفیات اور صحت کی خرابی کے باوجود جلسہ کی صدارت فرمائی۔

☆☆☆☆☆

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، دائرۃ المعارف حیدرآباد، المعہد الاسلامی العالی حیدرآباد، المعہد الاسلامی مانک منو سہارنپور، مرکز احیاء الفکر الاسلامی سہارنپور دائرۃ المعارف الہ آباد، معہد الدراسات الاسلامیہ، بھوپال اور مدرسہ دینیہ غازیپور۔

اس سیمینار میں کل اٹھارہ مقالات پیش کئے گئے۔ تجاویز کمیٹی مولانا نذر الحفیظ ندوی، مولانا علاء الدین ندوی (ندوۃ العلماء، لکھنؤ)، ڈاکٹر جمشید احمد ندوی (مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) اور مولانا سید بلال حسنی (دارعارفات، رائے بریلی) پر مشتمل ہے۔

مرکز الامام ابی الحسن الندوی، رائے بریلی کے تعاون سے رابطہ ادب اسلامی کی جانب سے ”قصص قرآنی کا ادبی و تربیتی پہلو“ کے موضوع پر منعقد یہ علمی مذاکرہ قصص قرآنی کی ادبی اور تربیتی اہمیت اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے ناگزیر سمجھتا ہے اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ عوام و خواص تک قصص قرآنی کی اہمیت اور ان کی زندگیوں میں اس کی ناگزیریت کا پیغام پہنچایا جائے اور اس کے تربیتی پہلو سے استفادہ کرتے ہوئے زندگیوں کو سنوارنے کی سبیل کی جائے۔

یہ علمی مذاکرہ اس بات کی ضرورت محسوس کرتا

رپورٹ نذا کرہ علمی رابطہ ادب اسلامی عالمی

بخوان ”ادب نبوی کا تربیتی پہلو“

منعقدہ المعهد الاسلامی مانک موصول سہارنپور (یوپی) بتاریخ ۷-۸ اپریل ۲۰۱۲ء بروز شنبہ و یکشنبہ

از مولانا اقبال احمد ندوی

نے سہارنپور میں منعقد ہونے والے رابطہ ادب اسلامی کے ۳۰ ویں سیمینار کے افتتاحی اجلاس میں اپنا خطبہ صدارت پیش کرتے ہوئے کیا۔ یہ سیمینار دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی موقر شاخ المعهد الاسلامی، مانک موصول سہارنپور کے کمپس میں اسی کے تعاون سے ۷-۸ اپریل ۲۰۱۲ء کو ”ادب نبوی کا تربیتی پہلو“ کے موضوع پر منعقد ہوا۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی نے ادب کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ادب کا دین سے گہرا تعلق ہے، کیونکہ دین پوری زندگی پر حاوی ہے، اسی میں ادب بھی آتا ہے۔ ادب صرف لطف و لذت اور تسلیہ و تفریح کا ذریعہ ہی نہیں ہے، بلکہ ادب انسان کی پوری زندگی کو محیط ہے۔ ہمیں ادب کے ذریعہ زندگی کی تعمیر و تشکیل کا کام لینا چاہئے، نہ کہ تخریب و فساد اور اخلاقی بگاڑ کا۔ یہی رابطہ ادب اسلامی کا پیغام ہے اور اسی مقصد سے اس کا قیام ہوا ہے۔

رابطہ ادب اسلامی عالمی کے قیام کے سلسلے میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ کی کوششوں کا تذکرہ کرتے ہوئے، اور رابطہ کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے مولانا نے موضوع پر بھرپور روشنی ڈالی، اور بتایا کہ

”ادب کا دین سے گہرا تعلق ہے، کیونکہ دین پوری زندگی پر حاوی ہے، اسی میں ادب بھی آتا ہے۔ ادب صرف لطف و لذت اور تسلیہ و تفریح کا ذریعہ ہی نہیں ہے، بلکہ ادب انسان کی پوری زندگی کو محیط ہے۔ ہمیں ادب کے ذریعہ زندگی کی تعمیر و تشکیل کا کام لینا چاہئے، نہ کہ تخریب و فساد اور اخلاقی بگاڑ کا۔ یہی رابطہ ادب اسلامی کا پیغام ہے اور اسی مقصد سے اس کا قیام ہوا ہے۔“

(حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی)

افتتاحی نشست (صدارتی تقریر)

سہارنپور (یوپی) ۷/۸ اپریل ۲۰۱۲ء: ”ادب کا دائرہ کار بہت وسیع اور ہمہ گیر ہے، اس کا زندگی سے گہرا ربط اور تعلق ہے۔ اسلام ادب کے خلاف نہیں ہے، بلکہ قرآن کریم ادب اور زبان و بیان کو اللہ تعالیٰ کی نعمت قرار دیتا ہے، قرآن کہتا ہے ﴿الرحمن، علم القرآن، خلق الإنسان، علمہ البیان﴾ حدیث شریف میں بھی ادب کی تعریف اور مدح میں فرمایا گیا ہے ﴿ان من البیان لسحراً﴾۔ اس طرح اسلام نہ صرف یہ کہ ادب کی اہمیت کا قائل ہے بلکہ اس کی ہمت افزائی بھی کرتا ہے۔“

ان خیالات کا اظہار حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صدر رابطہ ادب اسلامی عالمی شعبہ برصغیر و ممالک مشرقیہ

کیا۔ مولانا کا خطبہ استقبالیہ بہت ہی جامع، مفصل اور انتہائی پُر مغز تھا۔ اس میں ادب کی اہمیت و افادیت، سہارنپور اور اطراف کی علمی، ادبی اور تعلیمی ودینی تاریخ، سہارنپور کی وجہ تسمیہ اور اس کا قیام، المعہد الاسلامی کی تاسیس اور خدمات اور علاقے کے علماء، ادباء و شعراء کا تعارف وغیرہ سبھی کچھ آگیا۔ حاضرین نے اسے بہت پسند کیا اور اتنا عمدہ اور شاندار خطبہ استقبالیہ پیش کرنے پر مولانا کو مبارکباد دی۔

سکریٹری رپورٹ

اس کے بعد مولانا نذر الحفیظ ندوی نے رابطہ ادب اسلامی کے سکریٹری جناب مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کی طرف سے ان کی مرتب کردہ رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ مولانا نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ یہ رابطہ کا ۳۰ واں سیمینار ہے، اس سے قبل مختلف علاقوں میں کل ہند سطح پر ۲۹ سیمینار منعقد ہو چکے ہیں، ان کے علاوہ علاقائی سیمینار بھی بڑی تعداد میں منعقد کئے گئے ہیں۔

مولانا سید محمد واضح رشید صاحب نے رابطہ ادب اسلامی کی مختصر تاریخ بیان کرتے ہوئے اور سیمینار کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ عربی نثر میں زبان و بیان کی قوت و رعنائی، ادبی حلاوت و لطافت، فصاحت و بلاغت، جمالِ تعبیر، حسنِ ادا اور اسلوب کی دلکشی و تاثیر میں قرآن کریم کے بعد حدیثِ نبوی شریف کا مقام و مرتبہ ہے، قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا الہی اور معجزانہ کلام ہے، جسے نہ تو شاعری کہا جاسکتا ہے اور نہ ہی نثر، اور کلامِ رسول (ﷺ) انسانی کلام میں سب سے اعلیٰ و ارفع اور فصیح ترین کلام ہے۔

مولانا نے حوالوں کی روشنی میں ثابت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوب الہامی اسلوب ہے، آپ کا ادب

احادیثِ نبویہ نہ صرف یہ کہ فصاحت و بلاغت اور انشاء و تعبیر کا اعلیٰ نمونہ اور شاہکار ہیں، بلکہ ان میں انسان کی ذہنی و نفسیاتی پریشانیوں کا علاج بھی ہے۔ حضور اکرم (ﷺ) کے کلام میں ہمیں ایسے نمونے ملتے ہیں جن کو ہم شرعی پہلو سے تو لیتے ہیں لیکن ان کی نفسیاتی تسکین کا پہلو ہماری نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے، حالانکہ ان میں اس کے بیٹا نمونے بکھرے پڑے ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت مولانا نے حضور اکرم (ﷺ) کا غزوہ حنین کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم کے موقع پر دیا ہوا خطبہ اور آپ کی طائف کی دعاء کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ ان میں انسانی نفسیات کی پوری پوری رعایت رکھی گئی ہے۔ طائف کی آپ (ﷺ) کی دعاء غیر معمولی دعاء ہے، اس میں آخری درجہ کا ادب پایا جاتا ہے، اس میں آپ (ﷺ) نے اپنی پریشانیوں اور قلبی احساسات و کیفیات کا تذکرہ تو کیا لیکن کہیں بھی شکوہ و شکایت موجود نہیں ہے، اسی کا نام ادب ہے۔

تمہیدی کلمات

اس سے قبل ناظم جلسہ مولانا نذر الحفیظ ندوی صدر شعبہ عربی دارالعلوم ندوۃ العلماء نے اپنے تمہیدی کلمات میں رابطہ ادب اسلامی کا تعارف کراتے ہوئے موضوع کی تفصیلات پیش کیں۔

خطبہ استقبالیہ

سیمینار کے داعی اور میزبان مولانا محمد ناظم ندوی رئیس المعہد الاسلامی مانگ مٹونے مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے خطہ سہارنپور کا تعارف کرایا اور یہاں کی علمی و ادبی شخصیات اور اداروں اور مدارس و معابد پر روشنی ڈالی۔ جلسہ کی غرض و غایت بیان کی۔ اور اپنے ادارے المعہد الاسلامی کا تعارف کراتے ہوئے اس کی علمی و تعلیمی اور ادبی سرگرمیوں اور خدمات کا تذکرہ

ساتھ ساتھ اس علاقہ میں عربی زبان و ادب کے محقق اور شارح اور مترجم بھی پیدا ہوئے۔ ان محققین کی طویل فہرست ہے، مولانا ذوالفقار علی دیوبندی، مولانا فیض الحسن سہارنپوری اور مولانا اعزاز علی صاحب کی ادبی تحقیقات سے عالم عرب خوب واقف ہے۔ امید ہے کہ ان شخصیات کا بھی تذکرہ مقالات میں ہوگا، اگرچہ ہمارا موضوع صرف تربیتی پہلو کا ادبی نقطہ نظر سے جائزہ ہے۔

کلمۃ الوفود

افتتاحی اجلاس میں جامعہ اسلامیہ گلزار حسینہ اجرائہ (میرٹھ) کے مہتمم مولانا عبداللہ مغیشی، دارالعلوم دیوبند کے استاد مولانا جمیل احمد صاحب، اور جامعہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور کے صدر مفتی مولانا مفتی مجد القندوس خیب رومی نے بھی اپنے اپنے تاثرات پیش کئے، اور سیمینار کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ خاص طور پر مولانا حکیم محمد عبداللہ مغیشی صاحب نے فرمایا کہ ادب صحیح معنی میں اس کا نام ہے کہ دل کی گہرائیوں سے بات نکلے اور سامع کے دل میں گھر کر جائے۔ حضور اکرم (ﷺ) نے ادب کا جو تربیتی پہلو پیش فرمایا اس کا اولین نمونہ صفہ نبوی ہے، جہاں آپ نے صحابہ کرام کی تربیت فرمائی، ان سے بڑھ کر ادیب اور کون ہو سکتا ہے جن کی تربیت خود حضور اکرم (ﷺ) نے فرمائی ہو۔ ادب کی جڑ مدارس دینیہ ہیں، مدارس نے غیر مدرسی دنیا کو بہت کچھ دیا ہے جس کا تسلسل ہمیں رابطہ ادب اسلامی کے اجلاسوں میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ مولانا جمیل احمد صاحب نے توجہ دلائی کہ سارے علوم کا ماخذ اور منبع و مصدر قرآن و حدیث ہیں، انہیں سارے علوم میں ادب نبوی کا تربیتی پہلو بھی ہے۔

اور اخلاق کی تشکیل و تعمیر قرآنی درس گاہ میں ہوئی ہے، اور یہ ایسا بے نظیر اسلوب ہے کہ کوئی دوسرا انسانی اسلوب اس کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ مولانا نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ حدیث کے مطالعہ کے مختلف پہلو ہیں، اور ہر پہلو پر اہل قلم نے روشنی ڈالی ہے۔ ایک لغوی پہلو ہے، حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں متعدد الفاظ ہیں جن سے عربی زبان میں اضافہ ہوا۔ دوسرا ادبی پہلو ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فصیح العرب ہیں، اس لیے حدیث میں ایسی تعبیرات ہیں جن سے عربی ادب میں اضافہ ہوا۔ اس کے علاوہ تشریحی پہلو بھی ہے جو احکام سے متعلق ہے۔ ان سارے پہلوؤں پر کام ہوا ہے۔ ایک تعلیمی پہلو ہے، اس پر شیخ عبدالفتاح ابو غدہ کی کتاب ”الرسول المعلم“ بہت اہمیت رکھتی ہے۔ ایک تربیتی پہلو ہے، جس میں تربیت میں نفسیات کی رعایت رکھی گئی ہے، اس پر بھی ایک اہم کتاب ”النبي المرابي“ ہے۔ اس کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ حدیث سیرت نبوی کا آئینہ ہے، مسلمانوں کی مستند زندگی کا معیار اور میزان ہے، احتساب امت کا ایک طاقتور ذریعہ اور مصلحین و مجددین امت کی ایک تربیت گاہ ہے۔

سیمینار کے مقام انعقاد خطہ سہارنپور کے تعلق سے مولانا نے فرمایا کہ یہ سیمینار سرزمین ہند کے اس خطے میں منعقد ہو رہا ہے جو علم حدیث کی مختلف الجہات خدمات میں امتیاز رکھتا ہے۔ یہاں کے علماء کی خدمات کا علماء عرب نے بھی اعتراف کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے علم حدیث کے اس علاقہ کے اہل علم ہی وارث ہوئے۔ اس سرزمین نے ہر دور میں اس علم میں محقق، شارح اور مدرس پیدا کیے جس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ حدیث اور فقہ کے

نشست ہائے مقالات

افتتاحی اجلاس کے بعد مقالات کی چار نشستیں منعقد ہوئیں جن میں سیمینار کے موضوع سے متعلق مختلف عناوین پر تقریباً پچاس (۵۰) مقالات پیش کئے گئے۔ ان میں (۳۹) مقالے اردو میں اور (۱۱) مقالے عربی میں تھے۔ مقالات کی نشستوں کی صدارت بالترتیب مولانا حکیم محمد عبداللہ مغیشی مہتمم جامعہ اسلامیہ گلزارِ حسینہ اجراڑہ (میرٹھ)، پروفیسر شفیق احمد خاں ندوی صدر شعبہ عربی جامعہ ملیہ اسلامیہ (دہلی)، پروفیسر محسن عثمانی ندوی صدر شعبہ عربی سیفیل (حیدرآباد) اور خانقاہ بوڑیہ، مینا نگر (ہریانہ) کے سجادہ نشین اور علاقے کی ہر دلچیز شخصیت پیر جی حافظ حسین احمد مجددی صاحب نے کی، جب کہ نظامت کے فرائض علی الترتیب مولانا شاکر فرخ ندوی ازہری استاد المعہد الاسلامی (مانک مو)، مولانا عبدالرشید ندوی مدنی ناظم مدرسہ انوار العلوم و صدر شعبہ عربی سرسید کالج اورنگ آباد (مہاراشٹر)، مولانا علاء الدین ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء اور مولانا محمد انعام اللہ قاسمی استاد المعہد الاسلامی (مانک مو) نے انجام دیئے۔ نشستوں کے اختتام پر صدر حضرات نے مقالات پر اپنے گراں قدر خیالات کا اظہار کیا۔

سیمینار میں جن حضرات نے مقالے پیش کئے ان میں چند اہم حضرات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

اردو مقالات

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صدر رابطہ ادب اسلامی، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی سکریٹری جنرل رابطہ ادب اسلامی، مولانا محمد ناظم ندوی رئیس المعہد الاسلامی، مفتی جمیل الرحمن قاسمی جامعہ رحمانیہ ہاپوڑ، مولانا محمد سعیدی صاحب

مولانا مجد القدوس رومی صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے پیام انسانیت اور رابطہ ادب اسلامی عالمی قائم کر کے بڑا کارنامہ انجام دیا، ہم لوگوں سے ان کی قدر میں کوتاہی ہوئی۔ لیکن یہ سلسلہ قائم رہنا چاہئے اور ان سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اجلاس میں مولانا محمد سعیدی صاحب ناظم و متولی مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور کا پیغام بھی پڑھ کر سنایا گیا، جسے مولانا محمد ناصر مظاہری نے سنایا، مولانا محمد سعیدی صاحب بذات خود اسٹیج پر رونق افروز تھے۔ اپنے پیغام میں انہوں نے سیمینار کی کامیابی کے لئے اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔

اجراء کتب

افتتاحی اجلاس میں چھوٹی بڑی آٹھ مختلف کتابوں کا اجراء بھی صدر جلسہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کے دست مبارک سے انجام پایا۔ ان کتابوں میں خاص طور پر رئیس المعہد الاسلامی مولانا محمد ناظم ندوی کی دو کتابیں ”ہندوستان سے دیارِ حرم تک“ اور ”نقوش و تاثرات“ اور مولانا ڈاکٹر عبد الرشید ندوی مدنی کی کتاب ”نقوشِ رشید“ شامل ہیں۔ اجراء سے قبل المعہد الاسلامی کے موقر استاد محمد انعام اللہ صاحب قاسمی نے ان کتابوں کا مختصر تعارف بھی پیش کیا۔

افتتاحی اجلاس کا آغاز المعہد الاسلامی کے درجہ عالیہ ثانیہ کے طالب علم محمد قمر الزماں سہارنپوری کی تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ ڈاکٹر تابش مہدی (دہلی) نے بارگاہ رسالت میں نعت شریف کا نذرانہ پیش کیا۔ اجلاس کی صدارت صدر رابطہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی اور نظامت دارالعلوم ندوۃ العلماء میں صدر شعبہ عربی مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی ازہری نے کی۔

(وقف)، مولانا حفیظ اللہ ندوی ادارۃ الصدیق (بیٹ)، مولانا محمد شاہد مہتمم جامعہ فلاح دارین، کھاتہ کھیڑی (سہارنپور) اور مولانا مفتی محمد اکرام قاسمی جامعہ خدیجہ الکبریٰ رڈ کی وغیرہم۔

عربی مقالات

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، ڈاکٹر شفیق احمد خاں ندوی صدر شعبہ عربی جامعہ ملیہ اسلامیہ (دہلی)، مولانا محمد قیصر حسین ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، مولانا محمد شاکر فرخ ندوی استاد المعہد الاسلامی مانک منو، ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی مدیر ماہنامہ اعتدال علی گڑھ، حماد بن لقمان دارالعلوم ندوۃ العلماء، مظہر احسان دارالعلوم ندوۃ العلماء، محمد نفیس، بختیار دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولانا حفیظ الرحمن ندوی استاد معہد اللغہ مانک منو، ڈاکٹر محمد مبین سلیم ندوی ازہری (علی گڑھ)، مولانا محمد ساجد ندوی استاد المعہد الاسلامی مانک منو۔

طلباء المعہد الاسلامی کا ثقافتی جلسہ

سیمینار کے پہلے روز یعنی ۷ اپریل ۲۰۱۲ء کو بعد نماز عصر طلباء المعہد الاسلامی کی انجمن کی طرف سے صدر رابطہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی زیر صدارت مہمانوں کو استقبال دیا گیا۔ عربی میں استقبال کلمات المعہد الاسلامی کے طالب علم محمد محسن معلوم عالیہ ثانیہ نے اور اردو میں استقبال کلمات محمد شاکر معلوم عالیہ ثانیہ نے پیش کئے۔ نیز اولین صدر رابطہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے عربی قصیدہ محمد غفران درجہ ثانویہ سادہ نے پڑھا۔

ناظم مدرسہ مظاہر علوم (وقف)، پروفیسر محسن عثمانی ندوی صدر شعبہ عربی سیفیل (حیدرآباد)، مولانا عبد الرشید ندوی صدر شعبہ عربی سرسید کالج اورنگ آباد، مولانا علاء الدین ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، ڈاکٹر تابش مہدی (دہلی)، مولانا محمود حسن حسنی ندوی استاد مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی، مولانا سعید الحسن ندوی غازی پوری استاد ادب عربی مدرسہ دینیہ غازی پور، مولانا اقبال احمد ندوی غازی پوری استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا عبد الباسط ندوی استاد المعہد العالی للتحقیق والافتاء، پھولاری شریف (پٹنہ)، مولانا محمد ناصر ایوب ندوی ناظم مدرسہ انوار القرآن و پبلک اسکول مانک پور لہاڑی ضلع مینا نگر، مفتی محمد ناصر مظاہری مدرسہ مظاہر علوم (وقف)، مولانا محمد فرمان ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولانا محمد ذاکر بارہ بتکوی ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء، مظہر احسان دارالعلوم ندوۃ العلماء، محمد ذاکر سہارنپوری دارالعلوم ندوۃ العلماء، محمد غفران خان دارالعلوم ندوۃ العلماء، مسعود عالم ندوی مدرسہ سیدنا بلال (لکھنؤ) مولانا محمد مسعود عزمی ندوی صدر مرکز احیاء الفکر الاسلامی (سہارنپور)، مولانا محمد عامر نظمی مانک منو سہارنپور، مولانا نور محمد ندوی مدرسہ دارالقرآن والسنتہ (مغربی بنگال)، مولانا سراج الہدی ندوی ازہری (حیدرآباد)، مولانا محمد آصف ندوی مظاہری نائب ناظم و استاد جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم پھمٹل پور (سہارنپور)، ڈاکٹر نسیم اختر ندوی شعبہ عربی جامعہ ملیہ اسلامیہ (نئی دہلی)، ڈاکٹر وہاج احمد اشرف شعبہ فارسی جامعہ ملیہ اسلامیہ، مولانا محمد حبیب الرحمن ندوی استاد فلاح دارین ترکیسر (گجرات)، مولانا امیر معاویہ مظاہر علوم سہارنپور، مولانا محمد راشد ندوی مظاہری استاد مظاہر علوم

شعری نشست

نقطہ نظر کو سمجھنے کا وسیلہ بنا۔

یہ سیمینار تمام شرکاء اور ان کے ذریعے دوسرے اہل علم و ادب سے اس بات کی سفارش کرتا ہے کہ وہ ادب کے وسیع اور آفاقی دائرے کو اپنے اپنے طور پر وسیع سے وسیع تر کریں، اور اپنے مقام پر اس طرح کے چھوٹے بڑے، مقامی، علاقائی یا قومی سطح پر مذاکرے یا مجلس منعقد کریں، جن میں ادب کا صحیح اور مناسب تعارف سامنے آسکے تاکہ ایک طبقہ جو ادب کو غیر مفید اور محدود معنی میں استعمال کر رہا ہے اور اس پر قابض ہے، اس کے اثرات کم سے کم تر ہو سکیں۔

تأثرات مندوبین

تجاویز کے بعد صدر محترم کے اختتامی خطاب سے قبل مولانا محمد ظہور صاحب صدر جمعیت علماء سہارنپور، مولانا اقبال احمد فلاحی ندوی مدنی استاد فلاح دارین ترکیسر، سورت، گجرات اور مولانا محمد الیاس صدر انجمن خدام القرآن روڑکی نے اپنے تاثرات پیش کئے جن میں سیمینار اور اس میں پڑھے گئے مقالات کو سراہتے ہوئے اور اس طرح کے مزید سیمینار کی ضرورت ظاہر کرتے ہوئے رسول اکرم (ﷺ) کا اسوہ حسنہ اپنانے کی تلقین کی۔

صدارتی خطاب

آخر میں صدر جلسہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب نے صدارتی تقریر کرتے ہوئے آیت کریمہ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا، وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ، وَسِرَاجًا مُنِيرًا﴾ کے حوالے سے رسول اکرم (ﷺ) کے خصوصی امتیازات و خصائص پر روشنی ڈالی، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ)

اسی روز یعنی ۷ اپریل کو بعد نماز عشاء مہمانان کرام کی ضیافت طبع کے لئے ایک شعری نشست کا بھی اہتمام کیا گیا، جس میں مقامی و بیرونی شعراء نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ نشست کی صدارت مشہور نعت گو اسلامی شاعر ڈاکٹر تابش مہدی نے کی اور نظامت کا فریضہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے استاد مولانا محمد علاء الدین ندوی نے انجام دیا۔ جن شعراء نے اپنا کلام سنایا ان کے نام اس طرح ہیں:

مولانا اسرار احمد قاسمی استاد المعبد الاسلامی، واحد سہارنپوری، ڈاکٹر شاہد زبیری، قاری محمد معاذ، ندیم دیوبندی، ڈاکٹر عابدوفا، مسرور اجمل، جمیل مانوی، عبدالرحمن شوق مانوی اور صدر بزم ڈاکٹر تابش مہدی۔

اختتامی نشست

افتتاحی اجلاس اور مقالات کی چار نشستوں کے بعد ۱۸ اپریل ۲۰۱۲ء کو صدر رابطہ ادب اسلامی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی صدارت میں سیمینار کی اختتامی نشست منعقد ہوئی۔ جس میں سیمینار میں پڑھے گئے مقالات کی روشنی میں تجاویز پیش کی گئیں۔ بعض مندوبین نے اپنے تاثرات پیش کئے۔ اور آخر میں صدر اجلاس کا اختتامی خطاب ہوا۔

تجلیویز

سب سے پہلے تجاویز کمیٹی کی مرتب کردہ تجاویز مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی نے پیش کیں، تجاویز میں یہ بات سامنے آئی کہ حدیث شریف جو اللہ کے برگزیدہ اور آخری نبی کا کلام ہے، اس میں ادب کی جو اثر انگیزی ہے، اور اس سے زندگی کو جو روشنی ملتی ہے، یہ سیمینار اس ادب کے وسیع اور آفاقی

عمومی تاثر

سیمینار الحمد للہ ظاہری اور معنوی، کیفیت اور کیفیت ہر اعتبار سے کامیاب رہا۔ المعجد الاسلامی کے روح رواں مولانا محمد ناظم ندوی دامت برکاتہم اور خاص طور پر ان کے بڑے صاحبزادے مولانا شاکر فرخ ندوی ازہری نے مندوبین و شرکاء کی راحت کا بہت خیال رکھا، اور ان کی سرپرستی میں المعجد الاسلامی کے اساتذہ و طلباء بھی مہمانوں کی خدمت میں لگے رہے، اور اس طرح سیمینار کو کامیابی حاصل ہوئی۔

جلسہ اصلاح معاشرہ

رابطہ ادب اسلامی کے سیمینار کے اختتام پر ۱۸ اپریل ۲۰۱۲ء کو بعد نماز عشاء ”اصلاح معاشرہ“ کے عنوان سے ایک عظیم الشان اجلاس بھی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء و صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی زیر صدارت منعقد کیا گیا، جس میں صدر اجلاس حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی، مولانا محمد ساجد حسن صاحب مظاہری استاد تفسیر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، مولانا مفتی خالد سیف اللہ قاسمی شیخ الحدیث و ناظم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ اور مولانا محمد انعام اللہ قاسمی استاذ المعجد الاسامی مانک مو، سہارنپور اور دیگر علماء کرام کے مؤثر بیانات ہوئے۔ ان علماء کرام کو سننے کے لئے علاقے کے عوام کا ایک جم غفیر امد آیا تھا جو جو حق در حق جلسہ گاہ میں پہنچ رہا تھا، اور علماء کرام کے بیانات سے مستفید ہو رہا تھا۔ تمام حاضرین اور شرکاء کے لئے کھانے کا بھی نظم تھا، مغرب بعد سے ہی کھانا شروع ہو چکا تھا، باوجود پندرہ بیس ہزار کے مجمع کے نظم و ضبط پورا قائم رہا، اور یہ جلسہ بھی کامیابی کے ساتھ انجام پایا۔

کو انسانیت کا اور اعلیٰ انسانی اقدار کا نمونہ بنایا اور اس کے لئے آپ کو فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار پر فائز کیا۔ زبان و بیان کی صلاحیت انسان کے لئے اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، کیونکہ ہم زبان کے ذریعے اپنی بات اور اپنے اندر کے احساسات و کیفیات دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں، الفاظ جامد نہیں ہوتے، بلکہ اپنے اندر کیفیات بھی رکھتے ہیں، چنانچہ ایک ہی جیسے معنی رکھنے والے الفاظ کی کیفیتیں موقع و محل کے اعتبار سے الگ الگ ہوتی ہیں۔ مولانا نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ عربوں کو باوجود امی ہونے کے ادبی خوبیوں کا وافر حصہ عطا ہوا تھا، اور ان میں بھی حضور اکرم (ﷺ) کو سب سے زیادہ کمال حاصل تھا، کیونکہ آپ کی پیدائش قبیلہ قریش میں اور نشوونما قبیلہ بنو سعد میں ہوئی، یہ دونوں قبیلے عربوں کے فصیح ترین قبیلے شمار کئے جاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل فرمائی اور اس کے ذریعے آپ کی تربیت ہوئی، اس لئے آپ کا کلام سب سے زیادہ شیریں، مؤثر، بلیغ اور تعبیر و اسلوب سب سے زیادہ دلکش اور دلچسپ تھا۔

مولانا نے یہ بھی فرمایا کہ حدیث شریف سے ہمیں اپنی بات مؤثر ڈھنگ اور دلکش اسلوب میں ادا کرنے کا سلیقہ معلوم ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو لوگ حدیث شریف سے اشتغال رکھتے ہیں، ان کا اسلوب بھی ادبی خصوصیات کا حامل ہوتا ہے، اور وہ بھی اپنی بات مؤثر اسلوب میں ادا کرتے ہیں۔

کلمات تشکر

اخیر میں رئیس المعجد الاسلامی اور سیمینار کے داعی و میزبان مولانا محمد ناظم ندوی صاحب نے مندوبین، حاضرین اور شرکاء کا شکریہ ادا کیا۔ اور صدر جلسہ کی دعاء پر سیمینار کا اختتام ہوا۔

رابطہ ادب اسلامی کے ۳۱ ویں سیمینار کا دعوت نامہ

مکرمی و محترمی جناب زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

عالمی رابطہ ادب اسلامی شعبہ برصغیر کی طرف سے اس کا سہ روزہ سالانہ (۳۱واں) مذاکرہ علمی مغربی بنگال کے دارالسلطنت کلکتہ میں وہاں کے ایک موقر تعلیمی ادارے ”جبریل انٹرنیشنل اسکول زیر انتظام مدرسہ باب العلوم“ کے تعاون سے کلکتہ کے ج ج ہاؤس، 26D - دہلی سٹریٹ، کلکتہ - ۷۰۰۰۱۷ میں مؤرخہ ۲۹-۳۰ محرم و یکم صفر ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۳-۱۵-۱۶ دسمبر ۲۰۱۲ء بروز جمعہ تا یکشنبہ منعقد کیا جانا طے کیا گیا ہے، جس کا موضوع ہے:

”برصغیر و بلاد عربیہ کے معاصر شعراء کی شاعری کا تقابلی مطالعہ“

مذاکرہ علمی کی صدارت عالمی رابطہ ادب اسلامی کے نائب صدر اور اس کے شعبہ برصغیر کے صدر محترم جناب حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حشی ندوی مدظلہ العالی فرمائیں گے۔ مجلس استقبالیہ کے صدر جناب قاری محمد اسماعیل مظفر صاحب مدرسہ باب العلوم کلکتہ ہوں گے۔ اور سینیما کی سرپرستی جناب سلطان احمد صاحب تاجر مملکت برائے سیاحت کریں گے۔ مذاکرہ علمی میں آپ کی شرکت ہمارے لیے باعث مسرت ہوگی۔

مقالہ نگار حضرات اپنی شرکت کے ارادے اور مقالے کے عنوان سے صدر دفتر اور مقام انعقاد دونوں کو ۲۰ نومبر ۲۰۱۲ء تک مطلع کرنے کی رحمت کریں تاکہ مقالات کی ترتیب و تسبیح میں سہولت ہو۔ مذاکرہ علمی کے دوران قیام و طعام کی ذمہ داری منتظمین کی ہوگی۔

نوٹ: ☆ مندوب حضرات اپنی آمد کی تفصیل سے مقامی منتظمین کو پہلے سے مطلع کر دیں تاکہ منتظمین اسٹیشن پر استقبال کے لئے موجود رہیں۔

☆ بطور نمونہ ذیلی عنوان کی ایک مختصر فہرست منسلک ہے۔ والسلام

داعی

محمد واضح رشید حشی ندوی

سکرٹری عالمی رابطہ ادب اسلامی شعبہ برصغیر

مقام انعقاد کا پتہ

ڈاکٹر صباح اسماعیل ندوی (کتوبر)

جبریل انٹرنیشنل اسکول 13/2/6 - مہندر رائے لین، کلکتہ - ۷۰۰۰۳۶

فون: 033-64581766

رابطہ کا مستقل پتہ

دفتر رابطہ ادب اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳

ندوۃ العلماء، لکھنؤ - ۲۲۶۰۰۷ (پو پی)

فون و فیکس: 0522-2741221 موبائل: 9450644216

موبائل: 98315505939831058963

ای میل: rabitaadabkolkata@gmail.com

sabahnadvi@gmail.com

ای میل: rabitaadabelislami@gmail.com

iqbalnadwi@gmail.com

موضوع: برصغیر و بلاد عربیہ کے معاصر شعراء کی شاعری کا تقابلی مطالعہ ذیلی عنوان

- (۱) - مشرقی ہند کے مسلم شعراء اور نیگور..... تقابلی مطالعہ فکری خصوصیات کے حوالے سے۔ (۲) - برصغیر کے مسلم شعراء کے کلام میں عربی زبان و ادب کا اثر۔ (۳) - مشرقی ہندوستان کے مسلم شعراء کے کلام شعری پر مقامی رجحانات کا اثر۔ (۴) - مشرقی ہند کا صحافی کام اور اسلامی رجحانات۔ (۵) - اردو شعراء کا اپنی شاعری میں قرآن مجید سے استفادہ۔ (۶) - اقبال کی شاعری میں فکر و فن کا امتزاج۔ (۷) - اقبال اور نیگور..... ایک موازنہ فکر و فن کے حوالے سے۔ (۸) - اقبال اور شوقی..... ایک موازنہ فکر و فن کے حوالے سے۔ (۹) - اردو شاعری میں اسلامی تعلیمات۔ (۱۰) - ہندوستانی شعراء کی حمدیہ شاعری کی فنی خصوصیات۔ (۱۱) - ہندوستانی شعراء کی نعتیہ شاعری کی فنی خصوصیات۔ (۱۲) - شاہنمہ اسلام کی شعری و ادبی خصوصیات۔ (۱۳) - مدرس حالی کی خصوصیات مقدمہ شعر و شاعری کی روشنی میں۔

نقد و نظر

نام کتاب : جہان جذب و کشش مصنف : سید قمر الحسن

شخامت : ۱۱۰×۸ قیمت : ایک سو روپے

ناشر : مصنف طابع : دوست پبلی کیشنز، بھوپال ہاؤس، لال باغ، لکھنؤ

فروخت مراکز: ☆ سید ضیاء الحسن، عقب مدح سنج پولیس چوکی، سینٹا پور روڈ، لکھنؤ ☆ الفرقان بک ڈپو، ۱۱۳/۳۱، نظیر آباد، لکھنؤ-۱۸

☆ فلیٹ نمبر ۲۰۱، آزاد پارٹمنٹ، RZ-2541/28، تعلق آباد ایکسٹنشن، نئی دہلی-۱۹

مبصر : حکیم خورشید احمد شفقت اعظمی، دلکشا، این-۲۹، ابوالفضل انکلیو، جامعہ مگر، نئی دہلی-۲۵

سید قمر الحسن کی شخصیت قدیم و جدید علوم کے حسین امتزاج سے عبارت ہے۔ انہوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء اور لکھنؤ یونیورسٹی دونوں سے اکتساب فیض کیا ہے۔ اس پرستار اور بی شہور اور لکھنے پڑھنے کا فطری اور پاکیزہ ذوق اور معزز دینی خانوادے کا فرد ہونے کا شرف۔ نیز تصنیف و تالیف کا سلسلہ تو اتر کے ساتھ جاری ہو تو اس کے اسلوب نگارش میں رچاؤ اور جاہلیت پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔

”جہان جذب و کشش“ مصنف کے ذوق سیاحت اور پاکیزہ عبارت کی آئینہ دار ہے۔ اسے سفر نامے سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے، اور مشاہدات و سیاحت کا ایک حسین مرقع بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ موصوف پہلے سلسلہ ملازمت لکھنؤ سے مہاراشٹر کے سرسبز و شاداب مقام ”مچ گئی“ گئے، وہاں سے انہیں سعودی عرب جانے کا موقع ملا اور پھر اسی اثناء میں موصوف کوچ و زیارت کی سعادت بھی نصیب ہوئی جس کی روداد انہوں نے اس کتاب میں بڑے جذبات اور والہانہ وارفتگی کے ساتھ پیش کی ہے۔ جاہجا اشعار کے بر محل استعمال نے تحریر کو مزید گلگفتہ اور پرکشش بنا دیا ہے، جس میں نضج اور تعلیٰ کا گزرنہیں۔ داخلی و خارجی کیفیات اور واردات قلبی کو لکھنؤ کی ٹکسالی اور سلیس زبان میں کچھ اس انداز سے ہدیہ ناظرین کیا ہے کہ قاری خود کو مصنف کا ہم سفر تصور کرنے لگتا ہے۔ مصنف کے لفظوں میں:

”..... اس کے بارے میں مزید اتنا عرض ہے کہ یہ میری یادداشتیں اور میرے تاثرات ہیں، حج کی رہنمائی کرنے والی کوئی کتاب نہیں ہے۔ اگر کہیں کسی جگہ پر نادانستہ مجھ سے کوئی بے ادبی یا گستاخی اور خلاف واقعہ کوئی بات سرزد ہوگئی ہو تو میں تیرے دل سے معافی کا خواستگار ہوں، اپنے رب سے بھی اور آپ سے بھی۔“

یہ امر واقعہ ہے کہ ضذبات و محسوسات کی حیثیت نازک آئینہ کی ہوتی ہے۔ اس میں جب حج و زیارت کی روداد بھی شامل ہو جاتی ہے تو ان آئینوں کو ٹھیس لگنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ مستحق مبارکباد ہیں مصنف کہ ان نازک آئینوں کو ٹھیس پہنچانے بغیر واردات قلبی کو اپنے منفرد انداز اسلوب میں باحسن وجوہ منتقل کر کے ارباب ذوق کی خدمت میں اہم سوغات کی حیثیت سے پیش کر دیا، جس میں رطب و یابس کا گزرنہیں۔

نمونہ ملاحظہ ہو: ”جب تک مواجہ شریف میں رہے، دل کی عجیب کیفیت رہی، زبان گنگ تھی، مگر آنسو اپنے کام میں مشغول رہے، انہوں نے کوئی کمی تکی۔ درود و سلام کے بعد بھی بڑی دیر تک یوں ہی ساکت و جاہد ستون سے لگ کر کھڑا رہا۔ ابھی دعا مانگتی ہے۔ اللہ کے دربار میں گرگڑانا ہے۔ دونوں درباروں میں بیک وقت حاضری ہے۔“ (صفحہ ۸۷)

”جہان جذب و کشش“ میں روڈی اور وارفتگی کا ذکر کرتے ہوئے مصنف کا راہوار قلم نہ بے ادبی کا شکار ہوا اور نہ حد نیاز سے متجاوز ہوا۔ حالانکہ یہ بڑے امتحان کی گھڑی ہوتی ہے۔

کتابت و طباعت معیاری ہے اور نائل بیچ حرمین شریفین کے پُر انوار فوٹو گراف سے مزین ہے۔ آخری چار اور اراق (آرٹ پیپر) اہم روحانی مراکز و مناظر سے مزین ہیں۔ امید ہے کہ علمی، ادبی اور دینی حلقوں میں اس کتاب کی بھرپور پذیرائی ہوگی اور مصنف کے جذبہ تصنیف و تالیف کی مناسب داہل سگے گی۔

قصة إبراہیم علیہ السلام والتوحيد

دراسة أدبية موضوعية

شاکر قرخ الندوي

القرآن كتاب معجز خالد يستوعب جميع ما يحتاج إليه الإنسان، ويبرز الإعجاز القرآني في ما يقدم من المعاني الجليلة بالفاظ وجيزة، كما أن أسلوب القرآن أسلوب سهل ممتع لا يستطيع أحد - مهما بلغ من الفصاحة والبلاغة مبلغًا - أن يقدم ويأتي ولو بأية واحدة مثل القرآن، فإنه يمتاز بالنسق الفني العجيب المدهش لعقول فطاحل العرب، ومصاقع الخطباء، ومهرة البلغاء. ولقد ألف كبار المؤلفين كتبًا عديدة حول الإعجاز القرآني، ولكن حدث عن البحر ولا حرج، فالقرآن جديد في كل جديد وقدم.

ومن الأساليب القرآنية البارزة التي استمد بها في ترسيخ العقيدة وإثبات الوحي، والإنباء عن الأقسام والمثل السابقة، وفي التربية الدينية البحتة، أسلوب القصص، فكثيرًا ما يحكي القرآن قصص الأنبياء والمرسلين، وقصص الأمم السابقة وتكذيبها للأنبياء والرسل.

كما هو معروف أن القصة قد كسبت أهمية كبيرة عبر التاريخ؛ من حيث إنها وسيلة مهمة ونافعة من وسائل التربية لإعداد النشء، ويرى الباحثون والعلماء أن القصة لها وظيفة أساسية في تربية الطفل، بل إنها تعد من أقدم هذه الوسائل، ولقد أُستُخدمت القصة في التربية على مر الأجيال والعصور الإنسانية، وأفاد منها المعلمون والمعنيون بمهام التربية، واستقر رأي رجال التربية وعلماء النفس على أن الأسلوب القصصي هو أفضل وسيلة نقدم عن طريقها ما نريد تقديمه للأطفال، سواء كان قيمًا دينية أم أخلاقية، أم توجيهات سلوكية أو اجتماعية، ومن هذا المنطلق القصة تحتل المرتبة الأولى في أدب الأطفال، ولقد أثبتت معظم الدراسات أن القصة هي الأكثر انتشارًا بين الأطفال، وأن لها القدرة على جذب انتباههم، فهم يقرؤونها أو يستمعون إليها بشغف، ويتابعون أحداثها بمتعة وتركيز وانفعال، وينخرطون مع أبطالها، ويتعاطفون معهم، ويبقى أثرها في نفوسهم لفترة طويلة.

ونظرًا لهذه الأهمية للقصة لم يهمل القرآن هذا الجانب، بل أورد قصصًا كثيرةً للأنبياء والأمم الماضية لعدة أغراض، ولكن كلها ترمي إلى التربية الإيمانية، ولكي يخرج الجيل المسلم جيلًا نشأ نشأةً إسلاميةً صحيحة، وتربي تربية قويمه تبي على أسس التوحيد لله عز وجل وعلى تصديق رسالة المرسلين ونبوة النبيين.

والقصص القرآني ثابت وسرمدي، وغني بالفكر والأصالة، وساطع بحقائقه وجذوره العميقة، وتبين لنا من خلال دراسة القصص القرآني أن القصة كانت ولا تزال مدخلًا طبيعيًا يدخل منه أصحاب

الرسالات والدعوات والهداة والقادة إلى الناس وإلى عقولهم وقلوبهم، ولقد خلّد القصص القرآني أهمية القصة في العلم والثقافة والفكر وبناء العقول وتوجيه الناس وقيادتهم.

والقصص القرآنية قصص حية مؤثرة، وقصص صادقة لا تشوبها شائبة من الكذب - كما يحدث في القصص الإنسانية والروايات أن يضاف إليها عبارات لجذب انتباه القارئ أو للمتعة فقط - فإنها قصص مبنية على الحقيقة يسوقها القرآن لتحقيق أهدافها الخاصة، وإن كانت المتعة الفنية متحققة فيها كأية قصة منشأة للمتعة الفنية خاصة.

"والغالب في القصص القرآني - لأنه كتاب تربية وليس كتاب قصة - أن تعرض "لقطات" بعينها من حياة الشخصية التي تتحدث عنها القصة، تكون هي موضع العبرة وموضع التأثير، ولا تسرد كل وقائع القصة ولا كل ملبساتها؛ لأن ذلك لا يناسب الأهداف الخاصة للقرآن. وإن كانت هذه الطريقة ذاتها - طريقة عرض لقطات بعينها - تعطي القصة القرآنية حيوية خاصة، لأنها تدع للخيال أن يملأ الفجوة ما بين اللقطة واللقطة، فيكون للخيال عمل مزدوج: متابعة المشهد المعروض، وإكمال ما بين المشهد والمشهد من فجوات"^(١)، وإلى جانب ذلك كله فقد كان القصص القرآني وما زال منهاجاً للتربية والإعداد الروحي والنفسي والاجتماعي للإنسان المسلم.

ولقدت وردت في القرآن قصص كثيرة، منها قصة إبراهيم عليه السلام التي تحمل أبعاداً تربوية كثيرة وتمتاز بأسلوبها الأدبي الرفيع. ونود هنا أن نقف على قصة سيدنا إبراهيم عليه السلام أبي الأنبياء وشيخ الحنفاء وقفة تأملية، ونبرز ما ورد فيها من اتجاهات تربوية وأوجه بيانية وبلاغية.

وسيدنا إبراهيم عليه السلام قد بذل مجهوداته كلها لدعوة الناس إلى التوحيد، وهو الذي رفع قواعد البيت، وأعاد بناء منبر التوحيد. ودعا للنبي محمد صلى الله عليه وسلم الذي يقول مفتخراً: "إني عبد الله في أم الكتاب وخاتم النبيين، وإن آدم لمنجدل في طينته، وسأنبأكم بتأويل ذلك، دعوة إبراهيم، وبشارة عيسى قومه، وكذلك ترى أمهات المؤمنين صلوات الله عليهم"^(٢).

ويكفيه شرفاً ومزلة أن الله تبارك وتعالى أمر سيدنا محمداً صلى الله عليه وسلم باتباع ملة إبراهيم عليه السلام حيث قال: "ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ"^(٣).

وإذا نريد أن نبرز الجوانب الروحية والتربوية في حياته نجد أن إبراهيم الخليل أبا الأنبياء وأبا الفكر الإيماني الأول في تاريخ البشرية، ولد في بيت وثني، حيث كان أبوه ينحت الأصنام ويعبدها

(١) محمد قطب/ دراسات قرآنية، دار الشروق - القاهرة - ط ٧/١٩٩٣م - ص: ٥٠.

(٢) رواه أحمد في مسنده.

(٣) سورة النحل: ١٢٣.

وبيعها، ويأمر إبراهيم أن يتوجه إليها ويذهب بها إلى السوق ويعرضها للبيع، ولكن إبراهيم يذهب بها إلى السوق ويستهزئ بها قائلاً: "اشترؤا مني ما لا يضر ولا ينفع" كما ورد في الكتاب المقدس. ثم اتجه إلى أبيه يدعوهم بهجر هذه الأوثان والرجوع إلى الرب الواحد، فهو يبدأ دعوته بالدائرة الصغرى، دائرة الأسرة والأب، لأن الأب يمثل القيادة العليا في رأس هرم الأسرة.

وهذه الدائرة الأولى قد أخذت بعداً عاطفياً من جانب ولد رشيد تجاه والده، ولكن إبراهيم المندفع عاطفياً فوجئ بالرفض من أبيه، فقد عده أبوه معتدياً ورافضاً لتقاليد الأجداد والثقافة المتوارثة، جاء في سورة الأنعام قوله تعالى: "وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ"^(٤)، وفي سورة مريم قوله تعالى: "إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا"^(٥).

وهنا يثور الأب محتداً بكل ما يحمله من فكر وتقاليد قديمة تربطه مع الآباء والأجداد، وواجداً في شخصية ابنه من يرفض تراث الأجداد وتقاليدهم الدينية، يقول تعالى على لسان أبيه: "أَرَأَيْبُ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ"، ولم يكف أبوه على ذلك بل توعدته بالرحم وطلب منه تركه لفترة من الزمن، ربما كان الأب يظن أن هذه الفترة كافية لرجوعه إلى مسلك الآباء والأجداد، لكن إبراهيم يترك أباه بكل لطف وحسن معاملة، وهو يظن أن أباه ربما يعود إلى الرشد، فهذان الموقفان يصوران التوجس العاطفي من طرف الأب تجاه ولده، والوالد تجاه أبيه، وهي سمة فطرية معروفة في حياة البشر، وموقفه هذا تجاه والده وتبرئة ذاته منه، فكان لا بد من التضحية بذلك، لأن الوالد أصبح يشكك حاجزاً ظلامياً في وجه دعوته، وبذلك تتلاشى صلة الدم والقربى لديه في سبيل دعوة الحق والنور، ثم يلتفت إبراهيم إلى القوم ربما يشاركونه في الأمر الذي تصدى له، ويعرفون أن الحجارة التي يعبدونها لا تنفع ولا تضر، ولكن القوم أيضاً رفض دعوته، وفشلت محاولاته ودعوته الخطائية، فبدت لإبراهيم عليه السلام في الأفق البعيد إشراقة لامعة ودامغة، وهي من طرف إبراهيم نوع من أساليب الجدال مع هؤلاء القوم، فكانت مسألة تحطيم الأصنام، فقد حطّم إبراهيم الأصنام رموز الشرك والضلال برأيه، وإرث الآباء والأجداد برأي قومه، وأبقى على أكبرها، كي يكون هذا الصنم المحكّ الأخير في اختبار قدراتهم العقلية لإدراك الحقيقة واحترام رسالة إبراهيم على أضعف تقدير، ثم يدور الحوار بينه وبين قومه الذي يبين فيه عجز آلهتهم عن النطق وعن الدفاع عن النفس، ويحاول أن يقنع العابدين لها بأنّها لا تضر ولا تنفع، ولكن قومه لم يفهم؛ بل عاقبه عقاباً شنيعاً في تاريخ البشرية، ويبدو أن أهل العراق في هذه الفترة كانوا يجلبون في عملية الحرق للإنسان المذنب نهاية سرمدية من وجه الأرض، لكن العناية الإلهية رافقت إبراهيم وأنقذته من هذه الحيلة، وهذا أصدق شاهد على قدرة رب العالمين في استخراج خواص الأشياء منها.

(٤) سورة الأنعام: ٧٤.
(٥) سورة مريم: ٤٢ - ٤٤.

والموقف الثالث الذي يظهر فيه معلم التوحيد في قصته مع حاكم بلاده كان بعد أصداء الجدل الواسع مع القوم، وتفاعل قضية تحطيم الأصنام والنجاة الخارقة من العذاب، فمثل هذه الأمور تجعل إبراهيم مصدر إثارة للحاكم المتأله كما ورد في النص الكريم، قال تعالى: "أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ، إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ، قَالَ أَنَا أَحْيِي وَأُمِيتُ، قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ... الخ^(٦)".

يقول فخر الدين الرازي: "كَانَ الخِصْمُ دَهْرِيًّا مَنكَرًا لِلصَّانِعِ، فَأَصْبَحَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِهَذِهِ الحِجَّةِ فِي إِثْبَاتِ الصَّانِعِ، وَذَلِكَ لِأَنَّ طُلُوعَ الشَّمْسِ بَعْدَ عَدْمِهَا حَادِثٌ فَلَا يَدُ مِنْ مَحْدَثٍ، وَالمَحْدَثُ لَيْسَ أَحَدًا مِنَ البَشَرِ فَلَا يَدُ لِهَذِهِ الأَجْسَامِ مِنْ إله ... إِنَّمَا انْتَقَلَ مِنَ الإِحْيَاءِ وَالإِمَاتَةِ إِلَى طُلُوعِ الشَّمْسِ وَغُرُوبِهَا، لِأَنَّ أَشْرَفَ مَا فِي العَالَمِ السُّفْلِيِّ الإِنْسَانَ، وَأَشْرَفَ مَا فِي العَالَمِ العُلُويِّ هُوَ الشَّمْسُ، فَذَكَرَ مِنْ دَلَائِلِ الآفَاقِ أَحْوَالَ الشَّمْسِ، وَمِنْ دَلَائِلِ الأَنْفُسِ أَحْوَالَ الحَيَاةِ وَالمَوْتِ"^(٧)، إذن لم يستسلم إبراهيم في هذا الجدل، بل وظّف البرهان والدلائل الكونية في جداله مع الحاكم المتأله الذي ادعى القدرة على الإحياء والإماتة.

أما المرحلة الإيمانية التي يبحث فيها عن الخالق ويسعى نحو فكرة الإيمان باستخدام العقل والوجدان، والتجارب والرحلة البحثية، وهذا يدل على أن التفكير العلمي والتأمل من ميزات الكائن البشري، فكيف إذا كان من أصحاب الرسالات والرموز القيادية للبشرية نحو السعادة الإيمانية. وقال تعالى مبيناً لهذه القصة: "وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ المُوقِنِينَ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَبًا قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لا أُحِبُّ الأَفْلِينَ فَلَمَّا رَأَى القَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ القَوْمِ الضَّالِّينَ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ"^(٨).

ويبدو أن ما قام به إبراهيم من تجارب فكرية وعلمية كانت تصب في بوتقة سلوك شاب أخذ على عاتقه شق طريق النور والوعي أمام البشرية.

ويتضح بدراسة قصة إبراهيم عليه السلام أن القرآن الكريم قد بسط مشاهد بارزة مهمة من حياة سيدنا إبراهيم عليه السلام في عدة سور، وأبرز ما فيها النقاط التالية:

١ - بدء حياته عليه السلام باحتقار الأصنام، وبيان سخف عبادتها، ثم ثورته عليها وتحطيمها غير مكترث بما ينجم عن عمله هذا، وتنبه عابديها على خطيئهم البالغ في عبادتها وتعظيمها، ونشأته على ما بقي محفوظاً من ملة نوح عليه السلام.

(٦) سورة البقرة الآية: ٢٥٨.

(٧) فخر الدين الرازي/ عصمة الأنبياء، المكتبة الشرقية، بغداد، ط ١، ١٩٩٠م. ص: ٤٣-٤٤.

(٨) سورة الأنعام ٧٥-٧٨.

٢ - تأملاته في ملكوت السموات والأرض، وبخه الذي دله على جلال الرب وكمال صفاته، وتزه ذاته عن كل صفة من صفات الحدوث وعوارض النقص.

٣ - توجهه إلى الله فاطر السموات والأرض، وتبرؤه مما يشرك المشركون.

٤ - محاجته لقومه بالبراهين والأدلة المنطقية المقنعة الملزمة، وثباته في محاجة من آتاه الله الملك في البلاد، وارتقاؤه إلى أعلى مراتب الإيمان بأن الله هو الذي يحيي ويميت، ويطعم ويسقي، ويمرض ويشفي، وييده كل شيء.

٥ - تعرضه للعذاب من قبل قومه، وذلك بإيقاد النار له في بنيان أعدوه لهذه الغاية، وإلقاؤه فيها، وصبره وثباته وثقتة بالله، ثم سلامته من حرها وضرها.

٦ - عزمه على الهجرة من أرض الشرك، وإيمان لوط به ومهاجرته معه.

والجانب الثاني الذي نريد أن ندرسه في قصته هو الجانب الأدبي، ويمكن أن نلخصه على النحو الآتي:

١ - التكرار: لقد تكررت قصة إبراهيم عليه السلام في مختلف سور القرآن الكريم أكثر من مرة، وهذا التكرار يفيد ترسيخ المعنى المراد في ذهن السامع والمخاطب، وأسلوب التكرار يعد من الأساليب البلاغية، وكما هو معلوم أن القرآن ليس كتاب قصة ورواية، ولا يذكر القصص على سبيل المتعة، بل هو كتاب تربية يأتي بالقصص حسب الضرورة، فلا يذكر القصة بكاملها في مكان واحد، بل يوردها حسب الحاجة والضرورة، وأحياناً يذكر قصة واحدة في سور مختلفة ولكن بأسلوب مختلف، فمثلاً وردت قصته مع أبيه في سورة الشعراء حيث قال: "وَأَنْتَ عَلَيْهِمْ نَبَأٌ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ (٦٩ - ٧٠)".

وترد القصة في سورة الأنبياء حيث قال: "وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ (٥١ - ٥٣)".

فلقد استخدم القرآن الكريم أسلوب التكرار في هذه القصة، وذلك لكي يقف المسلم على أهمية هذه القصة ودورها في التربية الإيمانية وغرس التوحيد في النفوس البشرية.

كما أن الحوار الذي ورد بينه وبين أبيه وبين قومه يعلم الأدب الرفيع العالي للدعوة والتوحيد، فمثلاً حينما يوجه الخطاب إلى أبيه يخاطبه بكلمة "يا أبت" تدل على حب الابن لأبيه، ثم لم يقل مباشرة: دع الأوثان وعبادتها، بل استخدم أسلوباً يؤثر على القلب، ويضطر الإنسان إلى التفكير إذا خوطب بهذه الطريقة، قال: "إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئاً"، ثم يكرر كلمة "يا أبت" مرتين إشعاراً بأباه أنه يريد الخير له ويحاول إنقاذه من عدوه اللدود: "يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيّاً يَا أَبَتِ إِنَّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيّاً"، ولكن الأب لم تقدر له الهداية وعمادي في الباطل ولم يقبل الحق على لسان إبراهيم، بل توعدوه بالرحم على فعله هذا، "قَالَ أَرَأَيْبُ أَنْتَ عَنِ إِلَهِي يَا إِبْرَاهِيمُ لَئِن لَّمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيّاً"، وكلام أبيه هذا

لم يغبه، ولم يتحدث معه بجدith فظ، بل اعتزم على أن يستغفر له من ربه الغفور الرحيم عساه أن يهديه إلى الدرب الصحيح، ولكن لم ينس أيضا أن يعلن عن براءته عن هذه الآلهة الكاذبة فقال: "سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا وَأَعْتَرِلَكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُوا رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا"^(٩).

الأساليب البيانية في قصة إبراهيم عليه السلام:

لقد استخدم القرآن الكريم في هذه القصة كثيراً من الأساليب البيانية من استعارة وتشبيه وكناية وتعريض. والتي نود أن نتصدى لبعض أمثلتها في التالي:

أولاً: التشبيه: فإفهم عدو لي: تشبيه بليغ، فقد شبه الأصنام بالعدو في بغض إبراهيم لها ومحاربتها. ثانياً: الاستعارة: لسان صدق علياً: علياً استعارة، لأن أصل العلو الارتفاع، وما ارتفع مكانه ظهر ووضح كأنه نار على علم، فاستعير العلو لظهور محامد إبراهيم وذريته وشيوع ذكركم والثناء عليهم بين الناس. إذ جاء ربه بقلب سليم: جاء: استعارة تصريحية، شبه إخلاص قلبه لله عز وجل بحميته إليه تعالى بتحفه في أنه سبب للفوز بالرضاء^(١٠).

والجملة كلها استعارة تمثيلية؛ بأن تشبه الهيئة المنتزعة من إخلاص إبراهيم عليه السلام قلبه لربه تعالى علمه سبحانه ذلك الإخلاص منه موجوداً بالهيئة من المحيء بالغائب بمحضر شخصه ومعرفة إياه وعلمه بأحواله ثم يستعار ما يستعار^(١١).

إني مهاجر إلى ربي: استعارة مكنية، شبه هجرته إلى الأرض التي أمره الله بأن يهاجر إليها كأنها هجرة إلى ذات الله تعالى.

ثالثاً: الكناية: واجعل لي لسان صدق في الآخرين: الصدق هنا كناية عن المحبوب المرغوب فيه، لأنه يرغب في تحقيقه ووقوعه في نفس الأمر.

ثم نكسوا على رؤوسهم: كناية عن انقلابهم إلى الجدال والمكابرة، أو كناية عن تطأطئ رؤوسهم وتنكيسها إلى الأرض خجلاً بما بهتهم به إبراهيم^(١٢).

رابعاً: التعريض: يقول السكاكي: الكناية تتفاوت إلى تعريض وتلويح ورمز وإيماء وإشارة^(١٣).

والتعريض من الفنون البيانية التي تعكس الذكاء الاجتماعي وحسن الحيلة؛ لأنك تستطيع بالتعريض أن تلمح بما تشاء لمن تشاء دون أن يمسك أحد عليك شيئاً؛ حيث تسوق الكلام عاماً وأنت تعرض بشخص معين كقولك لمجموعة من الصحاب فيهم كذاب: (الكذابين في هذه الأيام كثيرون)، فانت لا

(٩) سورة مريم: ٤٧ - ٤٨.

(١٠) الأوسى/ روح المعاني ط: إحياء التراث، بيروت ١٠٠/٢٣.

(١١) السابق ١٠٠/٢٣.

(١٢) أبوحيان/ تفسير البحر المحيط دار الفكر، بيروت ٦/ ٣٢٥.

(١٣) السكاكي ص: ٢١٧.

تقول: فلان كذاب أو أنت كذاب، وإنما تسوق الكلام عامًا لكن يلمحه ويدرك مغزاه من فيه هذه الصفة^(١٤).

تطبيق التعريض في قصة إبراهيم عليه السلام:

عسى أن لا أكون بدعاء ربي شقيًا: تعريض بشقاء أبي إبراهيم وقومه في عبادة آلهتهم؛ حيث يرهقون أنفسهم بعبادتها، وتقدم القرابين لها، وهي لا تغني عنهم شيئًا، بل وسيحل عليهم بسببها الشقاء والعذاب في الدنيا والآخرة.

بل فعله كبيرهم هذا: تعريض، قصد إثبات الفعل لنفسه من حيث أثبتته للصنم الكبير، وهو عاجز عنه حكمًا، واستهزاء به وعبادته، وإلزامًا لهم بالحجة عند ما يتيقنون بعجزه عن ذلك.

تقرير سكرتير الرابطة

سعادة الأستاذ محمد واضح رشيد الحسني الندوي

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد بن عبدالله الأمين وعلى آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين أما بعد!
فيأيها الحفل الكريم!

قبل كل شي نرحب بكم ونقدم إليكم كلمات الشكر على أنكم تكرمتم دعوتنا بالقبول وشرفتم هذه الندوة الأدبية متحملين مشاق السفر، وإن هذه الندوة تعقد في مركز الإمام أبي الحسن علي الحسيني الندوي للبحوث والدعوة والفكر الإسلامي في دار عرفات، تكية كلان رائي بريلي بتعاون من مكتب رابطة الأدب الإسلامي العالمية لشبه القارة الهندية والبلدان الشرقية، وإن ندوتنا السابقة التي انعقدت بفلوارى شريف بتنة عاصمة بهار، كان موضوعها "القصة في الأدب الأردني"، وإن موضوع هذه الندوة "الجوانب الأدبية والتربوية في القصص القرآنية".
أيها الحفل الكريم!

أرى من المناسب قبل الخوض في موضوع الندوة أن أعرف تعريفا موجزا برابطة الأدب الإسلامي العالمية ليعلم الندوبون مدى أهمية هذه الندوة و حاجتها و ضرورتها ونشاطاتها.
إن سماحة العلامة الشيخ السيد أبا الحسن علي الحسيني الندوي قد وضع اللبنة الأولى لرابطة الأدب الإسلامي العالمية، وكان رئيسها الأول، بل الواقع أنه كان مؤسس فكرة الأدب الإسلامي، فانعقدت على دعوته الندوة الأولى العالمية للأدب في ندوة العلماء ١٤٠١هـ المصادف ١٩٨١م، حضرها نخبة من الأدباء والشعراء من البلدان العربية فتكونت رابطة عالمية للأدب الإسلامي، ثم ازدهرت هذه الفكرة ورحب بها الأدباء العرب أيضا، ذكره بشيء من التفصيل سماحة الشيخ الندوي في كتابه: في مسيرة الحياة:

"لا أزال أعتقد خلال أعمالي التعليمية والتدريسية، وزمن حياتي التصنيفية والتأليفية أن الأدب يحمل قوة إيجابية وسلبية، يمكن أن يستخدم لتصحيح العقائد وتنمية النزعات الصالحة والبناءة في جانب، وفي جانب آخر للهجوم على القيم الخلقية ولقمع الاضطراب الاجتماعي والذهني، وله نماذج ثابتة ولا معة في كل عصر، لكن هذا العصر قد ازداد فيه شمولية الأدب وسيطرته بوجود الوسائل المستحدثة القوية، نشاهد من مدة أن سيل الإلحاد والتشكيك كما كان يأتي إلى المسلمين المثقفين بواسطة الفلسفة في

الماضي، ثم يسري إلى الطبقة المثقفة من طريق علوم الطبيعة، وتارة من علم الاجتماع وعلم الاقتصاد والسياسة، ويأتي الآن في الجامعات والكليات والمدارس من طريق الأدب.

مما يبعث أصحاب الدعوة والفكر الإسلامي على القلق المتزايد أن البلدان العربية وخاصة جمهورية مصر قد احتكر فيها على الأدب، النقد والوسائل التي تغذي جيل الشباب الأدباء والمؤلفون الذين كان في عقائدهم التشكيك، وفي أذهانهم الاضطراب. وفي كتاباتهم الزعة التشكيكية، فكانت الحاجة إلى أن تستخرج النصوص الأدبية والكتابية القوية المؤثرة من الأدب العربي وتبرز من خباياها، التي تغافلها الأدباء من تكاسلهم واتباع المؤرخين القدماء، أو من جريمة أنها صدرت من قلم عالم وداع وشخصية دينية، فعوقبت بإخراجها من دائرة الأدب أو فصلها عنها، وتراكم عليها الغبار إلى قرون، ومست الحاجة إلى أن يدعى الأساتذة وأصحاب القلم والمثقفون من العالم العربي لأن يحاولوا في توجيه الأدب العربي والنقد والإنشاء وتاريخ الأدب إلى وجهة صحيحة ويكونوا مكتبة زاخرة ومدرسة فكرية لتغذية الجيل الجديد بالغذاء الصالح المفيد.

قررنا أن نعقد ندوة عالمية للأدب الإسلامي بندوة العلماء في ما بين (١٧-١٩ أبريل ١٩٨١ م) كان موضوعها: البحث في الأدب العربي وآداب اللغات الأخرى عن العناصر الإسلامية، وقد نالت هذه الدعوة من الدعاة في البلدان العربية أكثر مما كنا نؤمل ونتوقع، وحضر للمشاركة فيها في لكتناؤ عدد لا بأس به من الأدباء والشعراء الفضلاء من البلدان العربية، ومن كبار المؤلفين المعاصرين وعمداء كليات اللغة والأدب وصفوة الشعراء والأدباء الإسلاميين."

وكان من نتيجة هذه الندوة أن أهم أعضائها وشعرائها الذين كان أكثرهم من جامعة الإمام محمد ابن سعود الإسلامية قد أسسوا رابطة الأدب الإسلامي في الرياض واجتمعوا بسماحة الشيخ أبي الحسن علي الحسيني الندوي في شهر مايو ١٩٨٤ م في مكة المكرمة وطلبوا منه التكرم بقبول رئاسة هذه الرابطة. ذكر العلامة الندوي هذه القصة مفصلة:

"رجعت من المدينة المنورة في ٧ مايو ١٩٨٤ م إلى جدة ثم ذهبت للعمرة إلى مكة المكرمة فلقيني وفد من الأدباء البارزين في المملكة العربية السعودية، وكان هذا الوفد يتكون من أساتذة جامعة الإمام محمد بن سعود بالرياض والجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة مثل الدكتور عبدالباسط بدر، والأستاذ حيدر غدير، والدكتور عبدالقدوس أبو صالح، هؤلاء كلهم حضروا مكة المكرمة من الرياض والمدينة المنورة تحقيقاً لهذا الغرض وبينوا لي أهداف الرابطة وأغراضها وقدموا إلى مسودة دستورها وقواعدها وأصروا على "أن أتشرف بقبول رئاستها وأسمح لهم بتأسيس رابطة عالمية".

فانعقدت ندوة عالمية كبرى لرابطة الأدب الإسلامي في عام ١٩٨٦ م توفية بهذه الحاجة، وتم الاتفاق على دساتير وقواعد للرابطة، فتأسست رابطة الأدب الإسلامي وعقدت ندوتها الأولى لمجلس الأمناء في استنبول بتركيا في يونيو ١٩٨٦ م ثم لاتزال تعقد دوراتها السنوية لمجلس الأمناء في المدينة المنورة والقاهرة وعمان وأردن وفاس مراكش واستنبول وغيرها.

انتخب العلامة الندوي رئيسا للرابطة بعد تكوين رابطة الأدب الإسلامى وظل على هذا المنصب إلى وفاته، فقرر لها مكتبان المكتب الأول للهند وشبه القارة الهندية والبلدان الشرقية، والمكتب الثانى للعالم العربى، وعين سعادة الشيخ السيد محمد الرابع الحسينى الندوي، (عميد كلية اللغة العربية وآدابها بنودة العلماء آنذاك ورئيس نودة العلماء حاليا) أمينا عاما للقسم الهندى والبلدان الشرقية والدكتور عبدالرحمن رافت باشا أمينا عاما للمكتب العربى، وكان مكتب الرابطة الرئيسى فى نودة العلماء، ولا يزال هذا المكتب يقوم بأعماله ونشاطاته طوال حياة العلامة الندوي ثم عين بعد وفاته رحمه الله الدكتور عبدالقدوس أبو صالح رئيسا للرابطة فانتقل المكتب الرئيسى إلى الرياض وانتخب سعادة الشيخ السيد محمد الرابع الحسينى الندوي نائب الرئيس لرابطة الأدب الإسلامى ورئيسا لمكتب شبه القارة الهندية.

نالت فكرة الأدب الإسلامى وحركته قبولا ورواجا فأنشئت مكاتب فرعية تابعة لهذين المكتبين الأساسيين فى البلدان الإسلامية مثل الهند وبنغلاديش وباكستان والمملكة العربية السعودية ومصر والأردن وتركيا ومراكش والجزائر وعقدت عدة ندوات فى مدن مختلفة لهذه البلدان ولا تزال تستمر سلسلتها حتى الآن، أضف إلى ذلك دورتها السنوية لمجلس الأمناء التى تعقد للخوض فى قضايا الأدب الإسلامى ويكون اجتماع عام لجميع الأعضاء بعد كل ثلاث سنوات.

لقد قامت رابطة الأدب الإسلامى العالمية بإعداد ثروة أدبية قيمة حول مواضيع مختلفة للأدب مثل نقد الأدب وتاريخ الأدب والقصة والمسرحية وأدب الأطفال، وتصدر مجلات أدبية من مصر وتركيا وباكستان والمملكة العربية السعودية والهند كلسان حالها.

أما مكتب الهند فقد أقام فروعا كثيرة فى دهلي وحيدرآباد، وبوفال، وأورنك آباد، ومبائى وفونسا وبهتكل وبنغال وبتنه ورائجى، وكان مكتبها الرئيسى فى لكاناؤ ولا يزال يواصل سيره الأدبى بكل نشاط، وقد عقدت ندوات أدبية من مكتب الهند حوالي ٢٨/ندوة تحت موضوعات مختلفة ويستمر عقد الندوات لمكاتبه الفرعية حينما لآخر وقد عقدت عدة ندوات حول الصحافة فى دهلي، وبوفال، وبتكل، ورائى بريلي وعقدت ندوتان فى بتنه ورائى بريلي حول المكانة الأدبية للقصة.

من الحقائق الناصعة أن القصة من أهم أصناف الأدب وتحمل بعض الأحيان تأثيرا قويا من الشعر، وأن الشعر يكون أثره موقتا، لكن القصة تؤثر على الحياة كلها، وهذه حقيقة بأن عصر القصة وعملها يتبدئ قبل عصر الشعر وعمله وتكون بدايتها من حضن الأم، لأن الأمهات كن يلهون أولادهن بالقصص من حيث الذوق والطبيعة، فتلعب هذه القصص دورا مهما فى بعض الأحيان فى تكوين أذهان الأطفال، وقد قرأنا أن بعض الشخصيات الكبيرة قد سمعت القصص فى صغرها وطفولتها وكان أثرها قويا غالبا، وبعض القصص تكون مؤثرة فى النفسية والفكر.

إن القصة أيا كان شكلها وجدت فى كل عصر، وليست رابطة الإنسان بالقصة جديدة، بل إن رغبته بالقصة أزلية لأن بداية هذا الفن قبل التصوير ونحت الأصنام والفنون الجميلة.

إن المعلمين والمصلحين كانوا يعتمدون فى تكوين الذهن والتأثير فى القلب على القصة وتوجد ثروة زاخرة للقصص فى القرآن الكريم والحديث النبوى، وردت فى القرآن الكريم فى مواضع مختلفة أهمية

القصة، قال الله تعالى "فاقصص القصص لعلمهم يتفكرون" (الأعراف: ١٧٦) وقال "نحن نقص عليك أحسن القصص" (يوسف: ٣)

وقد جاءت الإشارة إلى موضوعية القصة القرآنية وأغراضها في آخر سورة يوسف: لقد كان لكم في قصصهم عبرة لأولى الألباب ما كان حديثا يفترى ولكن تصديق الذي بين يديه وتفصيل كل شئى وهدى ورحمة لكل قوم يؤمنون (يوسف: ١١١)

إن أسلوب القصص القرآنية لمختلفة جدا من القصص العامة لأنها ليست لبيان الحادث ونيل التسلية أو زيادة في العلم، بل يتوخى من خلال ذلك الموعظة والنصيحة، قال الله عزو جل: لعلمهم يتفكرون واستعمل في مواضع تعبير "ذكرى" لهذا المعنى، لأن أسلوبها من حيث الحاجة والسياق ويوجد فيه التنوع، وطريقة تقديمها تختلف كل الاختلاف ويكون الفصل في أجزاء القصة مع الإشارة إلى موضع العبرة والهدف الخاص، يقول سماحة العلامة الشيخ السيد أبي الحسن علي الحسينى الندوي: في كتابه روائع من أدب الدعوة:

"الأمثلة والنماذج عنصرها استخدمه القرآن فيما يتعلق بالدعوة:

ولكن هنا عنصر آخر، استخدمه القرآن واعتمد عليه وهو من أهم العناصر ومن أكبرها تأثيرا ووقعا في النفس وإعانة على أداء هذه المهمة، وذلك العنصر هو الأمثلة العملية والنماذج الشخصية، فالقرآن إذا كان قد ترك الأحكام التفصيلية الدقيقة والقواعد المضبوطة المعينة للدعوة، فإنه قد ملأ هذا الفراغ - إذا كان فراغا بنماذج من سيرة الأنبياء عليهم الصلاة والسلام، ومن دعوتهم، وهي نماذج مؤثرة في القلوب ساحرة للنفوس، فإن النماذج لها من التأثير ما لا يكون لأى عنصر آخر، لا للعناصر المنطقية، ولا للعناصر الكلامية الجدلية، ولا للعناصر النفسية، فكل الصحف السماوية من أولها إلى آخرها اعتمدت على النماذج العملية، وهي قطع بديعة تستهوى النفوس، من سير الأنبياء عليهم الصلاة والسلام، وأكثرها مقبسة من سير أربعة من كبار الرسل، أولهم سيدنا إبراهيم عليه السلام وثانيهم سيدنا يوسف وثالثهم سيدنا موسى، ومسل الختام "هو خاتم الأنبياء والرسل محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم وعلى آله وسلم".

إن القرآن الكريم يزر بقصص كثير من الأنبياء لكن هذه القصص لم تذكر في موضوع واحد، بل ذكرت في مواضع متعددة في مراحل حياتهم متناسبة بالموضوع، غير أن قصة يوسف عليه الصلاة والسلام ذكرت في موضوع واحد.

يختلف أسلوب القصص المذكورة في السور المتعددة، فعلى سبيل المثال ذكرت قصص الأنبياء في سورة الأنعام من آية ٧٥ إلى ٩١، وإن هناك تفصيلا في سورة الأعراف وقد ذكر تفصيل مزيد في سورة هود، وقد ذكرت سورة يوسف جزءا من حياة موسى عليه الصلاة والسلام بعد ذكر قصة أصحاب الكهف، وهي ليست بمذكورة في موضع آخر، ثم ذكرت قصة ذي القرنين مرة واحدة، وقد وورد الجزء البدائي لدعوة الأنبياء في سور أخرى، وهو يركز على هذا الجانب أن دعوة الأنبياء كلهم كانت عبارة عن عبادة الله وحده واختيار أخلاق حسنة ونصيحة لإزالة المعاصى أو جوانب الضعف في القوم، وفي سور أخرى جاء ذكر دعوة الأنبياء باختصار ورفض قومهم دعوتهم ونزول العذاب عليهم، وإن الأجزاء

المختلفة لقصة إبراهيم ذكرت في أمكنة مختلفة و وردت قصة موسى عليه الصلاة والسلام في القرآن في ٣١ موضعا. وهي ليست متكررة بل جاءت القصص المختلفة في أمكنة متعددة نظرا إلى السياق، وإن خلق آدم عليه الصلاة والسلام وإنكار إبليس ورد باختصار في أمكنة مختلفة في القرآن الكريم.

إن من خصائص القرآن تصوير المناظر والنفسية الإنسانية والأحاسيس، مثلا: جاء تصوير المكان في سورة الكهف: (وترى الشمس إذا طلعت تزاور عن كهفهم ذات اليمين وإذا غربت تقرضهم ذات الشمال وهم في فجوة منه) سورة الكهف: ١٧، قال الله عزوجل عن أصحاب الكهف: وتحسبهم أيقاظا وهم رقود ونقلبهم ذات اليمين وذات الشمال وكلبهم باسط ذراعية بالوصيد لو اطلعت عليه لوليت منهم فرارا ولملئت منهم رعبا (سورة الكهف: ١٨) وهناك منظر ثالث لاستيقاظهم. قال الله عزوجل: كذلك بعثناهم ليتساءلوا بينهم قال قائل منهم كم لبثتم قالوا لبثنا يوم أو بعض يوم قالوا ربكم أعلم بما لبثتم فابعثوا أحدكم بورقكم هذه إلى المدينة.

وكذلك ورد في قصة مريم قال الله تعالى: وَأَذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ اتَّيَدَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْفِيًّا. فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا. فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا. قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا. قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا. قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا. قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَقْضِيًّا. فَحَمَلَتْهُ فَاتَّيَدَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا. فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَلَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا نَسِيًّا. فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا. وَهَزَّتْ يَدَيْهَا فَنَدَتْ بِالرَّحْمَنِ نَسَاطُطٌ عَلَيْكَ رَطْبًا حَنِيبًا. فَكُلِّي وَأَشْرِبِي وَقَرِّي عَيْنًا فَإِمَّا تَرِينِ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا. كذلك مطالبة موسى تصور الطبيعة الإنسانية بقوله "رب أرني أنظر إليك" و قول إبراهيم عليه الصلاة والسلام بعد ما شاهد الكواكب: "فلما جن عليه الليل رأى كوكبا قال هذا ربي فلما أفل قال لا أحب الآفلين، فلما رأى القمر بازغا قال هذا ربي فلما أفل قال لن لم يهدي ربي لآكون من القوم الضالين، فلما رأى الشمس بازغة قال هذا ربي هذا أكبر فلما أفلت قال يا قوم إني برئ مما تشركون" (سورة الأنعام ٧٦-٧٨)

و قول عيسى عليه الصلاة والسلام يصور الطبيعة الإنسانية "ربنا أنزل علينا مائدة من السماء تكون لنا عيدا لأولنا وآخرنا وآية منك وارزقنا وأنت خير الرازقين" (سورة المائدة: ١١٤)

كذلك خطاب موسى فرعون و إبراهيم أباه ومجادلته من غرود كل ذلك أمثلة بينة. توجد فيها الخصائص الفنية. و يتجلى منها الإعجاز البياني للقرآن الكريم.

وقد سلط المفسر الأديب سيد قطب رحمه الله الضوء على خصائص القصة في كتابه "التصوير الفني في القرآن". تقدم في ما يلي خلاصة ذلك:

أولى هذه الخصائص الفنية تنوع طريقة العرض.

ثانية هذه الخصائص تنوع طريقة المفاجأة.

ثلاثة الخصائص الفنية عرض القصة تلك الفجوات بين المشهد والمشهد، التي يتركها تقسيم المشاهد وقص المناظر، بحيث تترك في بين كل مشهدين أم حلقتين فجوة يملؤها الخيال ويستمتع بإقامة الفنطرة بين المشهد السابق وبين المشهد اللاحق، وهذه طريقة متبعة في جميع القصص القرآني على وجه التقريب. ويتحلى ذلك في قصة يوسف عليه السلام .

الخصيصة الرابعة للقصة هي التصوير فإن التعبير القرآني (التصوير الفني) يتناول القصة بريشة التصوير المبدعة التي يتناول بها جميع المشاهد والمناظر التي يعرضها، فتستحيل القصة حادثا يقع ومشهدا يجري، لا قصة تروي ولا حادثا قد مضى.

فإن هذا التصوير في مشاهد القصة ألوان: لون يبدو في قوة العرض والإحياء، ولون يبدو في تخييل العواطف والانفعالات. ولون يبدو في رسم الشخصيات. وليست هذه الألوان منفصلة، ولكن أحدها يبرز في بعض المواقف ويظهر على اللونين الآخرين، فيسمى باسمه. أما الحق فإن هذه اللمسات الفنية كلها تبدو في مشاهد القصص جميعا. مثال ذلك قصة أصحاب الجنة و مشهد إبراهيم وإسماعيل أمام الكعبة ، ومشهد نوح وابنه في الطوفان كذلك قصة أصحاب الكهف. أما تصوير العواطف والأحاسيس فإن قصة مريم تمثلها تمثيلا كاملا، ومن أمثلة رسم الشخصية في القصص القرآنية قصة صاحب الجنتين وصاحبه وقصة موسى وأستاذه الخضر، كذلك في قصص إبراهيم و يوسف و آدم وسليمان توجد نماذج عالية لرسم الشخصية. (التصوير الفني في القرآن: ١٤٦-١٨١ بتلخيص كثير) أيها الحفل الكريم!

إن من أهداف ندوتنا هذه إلقاء الضوء على هذه الخصائص للقصص القرآنية التي توجد فيها الخصائص الفنية بجنب نيل الأهداف الدينية في أتم صورة وقد كانت ندوة حول الاعجاز البياني للقرآن الكريم ليوم واحد في ولاية كيراله، حضر فيها بعض المتخصصين في الموضوع من العالم العربي وقدموا فيها مقالاتهم القيمة، وبحوثهم العلمية. وقد سبق عقد مؤتمر حول الجانب الأدبي للتراجم القرآنية في قرية أجرارة بمديرية ميرت، هذه ندوة ثالثة حول القرآن الكريم، أرجو أن هذه الندوة ستكون مفيدة علميا وأديبا وتربويا.

مما يسرني أن قد اجتمعت بهذه المناسبة بعض شخصيات أديبة معروفة فنستقبلها استقبالا، لا شك أن الندوة ليوم واحد لا تكفي للإحاطة بالموضوع، لذلك أرسلت رسائل على مستوى محدود إلى المنسوين الكرام ونرجو أن سيكون مؤتمر على نطاق أوسع حول هذا الموضوع.

خطبة الرئاسة

سعادة الشيخ العلامة السيد محمد الرابع الحسنى الندوى

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين محمد بن عبدالله الأمين وعلى آله وصحبه أجمعين أما بعد!

فإن ندوتنا هذه تتعقد تحت رعاية الفرع الشرقى الشمالى بالهند لرابطة الأدب الإسلامى العالمية حول الأسلوب القصصى والبيانى للقرآن الكريم، ولا شك أن هذه الندوة تركز عنايتها على دراسة الأسلوب البيانى للقرآن الكريم من بين جوانبه المتنوعة المعجزة وأساليبه المحيرة للعقول، بذلك يقدم الباحثون حصيلة دراساتهم الواسعة حول مزاياه وخصائصه.

لقد عم اتجاه تقديم النماذج الحية فى أسلوب قصصى للأدب فى هذا العصر و يعتبر هذا الجانب للأدب الثرى جزءا مهما ومقبولا، إن أسلوب القرآن المعجز ليس كالكلام العادى للإنسان الذى يبدى به شوقه نحو ذكر الحلاوة الأدبية أو يختار الأحوال المرشمة على نفسه للتأثير فى شىء، إن أسلوب القرآن يحمل رونقا وبهاء وتأثيرا غريبا من نوعه فهو يوفى بتصحيح المسار الإنسانى و يرشده إرشادا تاما، وقد أودع فيه أن يتأثر به الإنسان تأثرا كثيرا، فيوجد فيه الأسلوب المؤثر الذى يكون مفيدا لغرض الكلام مع كونه متنوعا، وكلما كان الموضوع قد اقتضى أسلوبا اختار له مثل ذلك. لكن الأسلوب القصصى والبيانى للقرآن الكريم يحمل ميزة خاصة من بين الأصناف الأخرى، وهو يؤثر فى أحاسيس الإنسان تأثرا فطريا بحيث يرسل الإنسان كلامه و يسمعه السامع بكل شوق ورغبة.

اقرأ سورة العاديات على سبيل المثال:

والعاديات ضبحا، فالموريات قدحا، فالغيرات صبحا، فأثرن به نغعا، فوسطن به جمعا، إن الإنسان لربه لكنود، وإنه على ذلك لشهيد، وإنه لحب الخير لشديد، أفلا يعلم إذا بعثر ما فى القبور، وحصل ما فى الصدور، إن ربه بهم يومئذ خبير. (العاديات : ١-١١)

إن الحرب والقتال كانا شغل العرب الشاغل وكانوا مولعين بهما وقد جاء فى القرآن فى أسلوب معجز فى سورة العاديات ذكر الخيول السريعة الجرى مثل البرق جريا تثير فيها أخفافها النار وتمتلىء أفواهها باللعب، وهى تغير صباحا على الأعداء، وتثير النقع من أقدامها وتحوض فى خضم الأعداء،

هكذا يأسر القرآن عقولهم وقلوبهم، ويقول مشوقا له: إن الإنسان لكنود وهو يرى ويشاهد كنوده وكفرانه بالنعمة ويعقله يعني "أن الله تعالى أسبغ عليه نعمًا جليلة، ومنحه ما يوافق نفسيته وهواه، ومن مباحج ومسرّات، لكن هذا الإنسان لا يلتفت إلى إطاعة الله تعالى وشكر النعمة، ويمارس أعماله طلبا للنفع المادي مجاوزا حدود الله تجاوزاً حسابا شديداً.

إذا درسنا أسلوب القرآن هذا وجدنا نماذج كثيرة تحمل طراز منوعا ويجعل هذا الجانب الأدبي في جهود الناس الأدبية ذريعة لإيصال القصص المفترضة بأحسن أسلوب إلى القراء و تذكر فيه القصص بأسلوب يعكس جوانب الحياة المرفهة، لكن هذا الصنف من الكلام الإنساني يركز على تصوير قصص الحياة، أما ما قيل في القرآن الكريم في سورة هذا الصنف وما ذكر فهو هادف وتوجد فيه جوانب كثيرة، منها أن سلاسل القصة ضمن بيانها تارة تكون متقطعة حسب ما يليق بالمقام، لكن لا يخل هذا بالقص ولا يشعر الدارس بفراغ في فهم هذه القصة ولا يرى نقص أو صعوبة فيها ويكون مثل ما يتكلم رجلا شفويا ويترك أحدهما السلاسل المتوسطة للكلام، فلا يحدث أي صعوبة في فهم مراد الرجل الآخر.

هكذا يوجد في قصة يوسف عليه الصلاة والسلام أن الملك لما رأى الرؤيا وسأل تاوليها من ملكه فأبدوا عدم اطلاعهم على تعبير الرؤيا وأخبروا بسجين كان في السجن وكان اسمه يوسف وقد سأله أحد خدامه عن تاوليل رؤياه فقال لمأ الملك: يوسف هو الرجل الصديق الذي يمكن أن يسئل عنه تاوليل هذا الرؤيا فقال (أرسلون) ثم جاء مباشرة قول الله عزوجل (يوسف أيها الصديق أفتنا) بين هاتين الجملتين عدة محذوفات ويمكن أن تتلخص في هذه العبارة أن الرجل المذكور لما قال لمأ الملك إني سأخبركم بتأويل هذه الرؤيا فأرسلوه إلى يوسف فلقني يوسف وقال بعد ما استفسر حالته: "يوسف أيها الصديق" فإن ترك هذه الجمل بين الجملتين ليس بعيب وهذا ما يفهم من الكلام وعمامة يترك في الكلام الشفوي السلاسل المتخللة في الكلام.

قد ورد حذف هذه السلاسل في القرآن الكريم في عدة مواضع، وإن السلاسل التي تعرض هي تكون حاملة للمعنى بوجه خاص، فتذكر في الكلام الرباني كما يكون في الحوار الإنساني بأحسن أسلوب، تارة بالإيجاز وتارة بالتفصيل. ويعرف به الكيفيات الناتجة منها فإن القرآن قد ترك السلاسل التي تكون في ذهن الإنسان بالنسبة إلى سياق الكلام، وإن هذا العمل في أثناء الكلام يتم حينما يكون المخاطب أمام المتكلم فيسهل فهم الغرض من أسرة وجهه لكن بغض النظر عن تسلسل القصة إذا حذف الجوانب التي تكون ذات تأثير بالصوت والمناسبة والمكان في الكلام والمتكلم لا يحسن حذفها في الكلام الشفوي لأن الكلام لا يكون واضحا في هذه الصورة، فقد عبر القرآن عن هذه المعاني في مواضع مختلفة تعبيرا صادقا حسنا.

من أكبر خصائص أسلوب القرآن الكريم أن قصة ذكرت في مواضع مختلفة بأساليب متعددة فلا يكون هناك شعور بالتكرار مطلقا، بيد أنه يوجد في القرآن تكرار القصة ظاهرا، لكن هذا التكرار لا يعتبر تكرارا لأن كيفيات القصة وأجزائها تكون مختلفة في كل مكان، ويكون في مكان كيفية مماثلة وفي مكان

آخر كيفية أخرى، فلا يبقى التكرار تكرارا بل يكون متحليا بأنواع من المحاسن، ذكرت قصة موسى عليه الصلاة والسلام في مواضع أخرى، تارة بالإيجاز وتارة بالتفصيل، يرى في الظاهر تكرار القصة لكن هناك فرق في التكرار من حيث المواضع، تارة تكون بعض جوانب الحسن في موضع وتارة تكون في موضع أخرى.

إن أهم خصيصة للأسلوب القصصي في القرآن الكريم أن أسلوبه للحوار مفصل وخال من التكلف والصناعة المحضة، حتى في بعض المواضع موجز و باعث على الفكر، مثال ذلك أن موسى عليه الصلاة والسلام لما أكرم الله عزوجل للرسالة، فقبل أن يكرمه خاطبه وقال له: (وما تلك بيميك يموسى قال هي عصاى أتوكأ عليها وأهش بها على غنمي، ولي فيها مآرب أخرى)، كان السؤال موجزا لكن الرد عليه كان مفصلا و خاليا من التكلف، سئل عن أمر واحد لكنه فرح من مخاطبته إياه أنه لم يجب عن سؤال واحد بل ذكر معه ما كان متعلقا به.

إن الأسلوب القصصي للقرآن يتجلى في الآيات التي تحكي قصة موسى عليه الصلاة والسلام، ويمكن أن تقاس الأخرى على هذا.

إن موسى عليه الصلاة والسلام لما ولد فكان من سنة الله تعالى أن يصل إلى بيت الملك رغم أن الملك كان عدوا لبني إسرائيل و متخذنا ضدهم خطة الإجبار والقمع وقد أخذ الملك موسى عليه الصلاة والسلام كطفل رضيع حتى صار ابنا متبني له لما شب رأى رجلا من آل فرعون يظلم رجلا من بني إسرائيل فضربه موسى فمات، هذا الحادث جعل موقف موسى ذا حساسية و أشير عليه بأن يترك هذه البلاد و إلا يقع في مصيبة مرهقة و يمكن أن يقتل، هنالك حدث في نفس موسى خوف بالنسبة إلى الطبيعة الإنسانية فخرج من البلاد و أبدى أمام الله ضعفه واستكانته في بيئة غريبة أجنبية فلطف الله به بحيث إنه قضى مدة عند رجل صالح و تزوج من ابنة له ثم راح إلى وطنه مع زوجته بعد ما قضى مدة، و أكرم في الطريق بالنبوة فوصل إلى بلاده بالعظمة والرعب اللذين أكرمه الله عزوجل بهما و لقي فرعون و تكلم معه بكل جراءة. اقرؤ هذه القصة في سورة القصص في أسلوب مؤثر وهي تصور الكيفية والنفسية التي عاشها في هذه المدة .

١. وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَى آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَلِكَ نَحْزِي الْمُحْسِنِينَ
٢. وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَى حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَذَا مِنْ عَدُوِّهِ فَاسْتَعَاثَ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ فَوَكَرَهُ مُوسَى فَقَضَى عَلَيْهِ قَالَ هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ
٣. قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ
٤. قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ
٥. فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِحُهُ قَالَ لَهُ مُوسَى إِنَّكَ لَعَوِيٌّ مُّبِينٌ

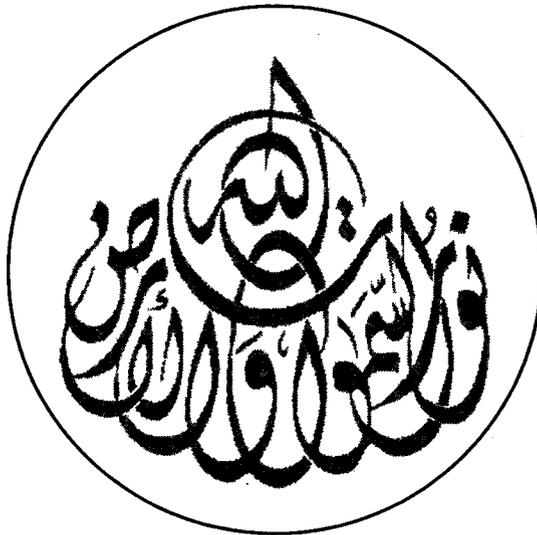
٦. فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَهُمَا قَالَ يَا مُوسَى أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ إِنْ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ
٧. وَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعَى قَالَ يَا مُوسَى إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ
٨. فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ
٩. وَلَمَّا تَوَجَّهَ تَلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَى رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ
١٠. وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِنَ النَّاسِ يَسْقُونَ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمْ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْفِي حَتَّى يُصْدِرَ الرَّعَاءَ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ
١١. فَسَقَى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ
١٢. فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقِصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَحَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ
١٣. قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ
١٤. قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَانِي حِجْحٍ فَإِنْ أْتَمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَكَ مِنْ شَيْءٍ إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ
١٥. قَالَ ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَيَّمَا الْأَجْلَيْنِ قَضَيْتَ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ
١٦. فَلَمَّا قَضَى مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ
١٧. فَلَمَّا أَنَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِي الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يَا مُوسَى إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ
١٨. وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رآهَا تهتت كأنها حانٍ ولى مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ يَا مُوسَى أَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ
١٩. اسألك يدك في جيبك تخرج بيضاء من غير سوء واضمم إليك جناحك من الرهب فذانك برهانان من ربك إلى فرعون وملئه إنهم كانوا قوماً فاسقين
- وانظروا في موضع آخر أن موسى عليه الصلاة والسلام لما وصل إلى قصر فرعون ودعاه إلى التوحيد فأراد فرعون أن يوقعه في قضية شائكة فسأل :
١. قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمْ يَا مُوسَى
٢. قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ حَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى
٣. قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَى
٤. قَالَ عَلِمَهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى

٥. الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ مَهْدًا وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا
مِّن نَّبَاتٍ شَتَّى

٦. كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَاتٍ لِّأُولِي النَّهْيِ

هذه الآيات تكشف كيفية هذه المناسبة كشفا واضحا وتصورها تصويرا لا نظيره، وهذا التصوير ليس مبنيا على إشراف بل يتلخص في الأدب القصصي وهو هادف و ذو نصيحة ووعظ وتشجيع وقد أدخلت فيه الجمل التخوفية بحيث إن هذا الأسلوب الفريد من نوعه لا ينتهي على المعرفة به فقط بل يبعث الأحاسيس الإنسانية على فهم مقتضيات هادفة إيجابية.

هذه إشارات إلى جمال الأسلوب القصصي ضمن الإعجاز البياني للقرآن الكريم، نرجو أن المقالات التي تقدم في هذه الندوة تمثل هذا الجانب المهم بذكر نماذج متنوعة لهذا الأسلوب، فبهذه الندوة نحصل على فائدتين: أولا: سماع مزايا الكلام المقدس وهو عمل ديني، ثانيا: الحلاوة الأدبية التي تكمن في غضون الآيات.



كلمات عن إعجاز القرآن وتراجعه

سعادة الدكتور سعيد الأعظمي الندوي

إن إطلالة على الشعر الجاهلي تكشف لنا في جانب نبوغ الشعراء الجاهليين وبلاغتهم وقدرتهم على الكلام، و في جانب آخر تجلو لنا المثل العليا لحياتهم وأخلاقهم، إن الشعر الجاهلي وإن كان من نتاج البادية لكنه كان متميزا بلطفة الخيال والمزايا البارزة في الحياة. إن النثر كان قليلا في هذا العصر لأن العرب ما كانوا يهتمون به ولا يلقون إليه بالا، اللهم إلا عدد قليل كان يعتبر ماهرا في النثر البسيط والفني.

مخارطة على الأحدهم القرآنى،

كثير من الناس الذين يعادون الإسلام حاولوا للتقليل من عظمة القرآن الكريم بحيث إنهم أنكروا القيمة الأدبية للأدب الجاهلي نثرا وشعرا. وركزوا على عنيتهم حول هذا الموضوع فوجدت طائفة من الأدباء أنكروا وجود أي ثروة أدبية في العصر الجاهلي وقالت إن الأدب الجاهلي كله منحول ولا علاقة له بالمجتمع الجاهلي.

لاشك أن هذا الهراء والافتراء نابع من جاحد ومعاوند للإسلام، فكل من يدرس الأدب الجاهلي يعترف بذهن مفتوح بأن الأدب الجاهلي يصور العهد الجاهلي ولا سيما المعلقات التي تتحدث عن تاريخ الجاهلية بأوسع معانيها. إذا أنكروا الأدب الجاهلي استلزم ذلك إنكار القرآن الكريم، لأن القرآن معجزة همة ظاهرا وباطنا. وقد تحدى العرب مرارا وتكرارا. فعلم من ذلك أنه كلام إلهي ليس من صنع البشر، والقرآن الكريم معجزة من حيث المعنى لأن المعاني والأحكام التي ذكرت فيها لا يوجد لها نظير في أي ديانة أو فلسفة وإنما باقية إن شاء الله عز وجل إلى يوم القيامة.

مزايا قصص القرآن :

اختار القرآن لاستحكام الأسلوب الدعوي القصصي، و من أهم مزايا القصة في القرآن أنها تتمثل بالصدق والتصوير الفني مع الجوانب البنمارة وتستلقت الأذهان إلى القيم الأخلاقية بحيث تقع عاطفة بناء المجتمع في القلب والدماغ. ويتمثل الجانب التربوي والعقدي والنفسي أمام العين، فقد استعمل لذلك الأمثال وخاصة في موضوع التوحيد والرسالة.

ترجمة القرآن و اصولها:

إن ترجمة معاني القرآن إلى أي لغة عمل صعب بدون معرفة تامة باللغة والأدب العربي والجوانب البلاغية. فقد ذاق المفسر عبد الماجد الدرايبادي رحمه الله حلاوة القرآن وعرف لطافة ترجمة القرآن فكتب مقالا نذكر أهم أجزاءه هنا.

١. يستعمل في اللغة العربية للتأكيد الضمير متكررا مثل ذلك إنه هو يبدئ ويعيد، إنك أنت العزيز الحكيم، إنا سمعنا، إني أنا الله، إنا نحن نحي الموتى، نحن نزلنا عليك. إذا ترجمنا هذه الضمائر زال حسن الكلام وبهاؤه، فالمناسب بأن نترجمه بكلمة (هي، تو، باللغة الأردنية) وغير ذلك.
٢. تستعمل صيغ مختلفة للحال والمستقبل باللغة الأردنية، لكن اللغة العربية لا توجد فيها إلا صيغة واحدة، فمن مهارة المترجم أن يراعي مقتضى الكلام ويعرف أن المعنى هنا للحال أو للمستقبل.
٣. إن اللغة العربية لغة ذات معنيين مثل شرى للبيع والشراء والرجاء لليأس والأمل والقرء للحيض والطهر. فعلى المترجم أن يراعي هذه النكت.

خروط أساسية للاستفادة من القرآن:

١. الطلب
٢. الاستماع
٣. الاتباع
٤. الخوف
٥. الإيمان بالغيب
٦. التدبر
٧. المجاهدة
٨. الأدب والاحترام

القصة القرآنية أمداً قصصاً وأساليبها

الأستاذ نفيس خان الندوي (رائئ بريلي)

إن القرآن الكريم قد اختار أساليب معجزة لهداية الناس، ومن هذه الأساليب ذكر قصص الأمم الماضية وتوفير العبر والنصائح للناس، بالنظر إلى هذا لا يوجد في قصص القرآن التسلسل التاريخي ذلك ليكون التركيز على إبلاغ الحق، الدعوة الى الله تعالى. إن القرآن لم يذكر قصص الأنبياء مثل الحكايات والروايات بل قدمها للإصلاح الاجتماعي بحيث ينتقل ذهن القاري إلى إعجازه البياني وتراكيبه الجميلة.

إن موضوع القرآن الهداية، لذلك ركز القرآن عنايته على الأصول التي تكون مفيدة في الحياة وكان لها علاقة بالحالات الاجتماعية، مثال ذلك أن قصة لوط وصالح وهود ذكرت في القرآن الكريم. وذكر الله عزوجل العقاب الذي أنزل عليه فتكرار هذا العقاب و قصص هؤلاء الأنبياء ليس إلا تذكيراً بالأمة المحمدية، إن المطلعين على أسرار اللغة والأدب، يعرفون أن التكرار للألفاظ والمعاني في أي كلام كان عيباً كبيراً. وتارة يسقط الكلام من مستوى الفصاحة والأدب، هذا ما وجهه المستشرقون إلى الإسلام. لكن الدراسة المتأنية تكشف هذه الحقيقة أن كل تكرار ليس عيباً وشيناً بل يكون التكرار باعثاً على الجمال وجالبا للكمال، وهذا ما يوجد في القرآن الكريم لأن العرب كانوا يستعملون التكرار في كلامهم فكان نتيجة ذلك أن يكون التكرار ميزة القرآن الأساسية.

تصوير الطائيم والاتجاهات الإنسانية في القصص القرآنية

محمد خالد الباندي الندوي (دارالعلوم ندوة العلماء)

القرآن الكريم كتاب رشد وهداية وصحيفة عبرة ونصيحة، أنزل لهداية الإنسان ليوفر أسباب السعادة والهناء في ضوء التوجيهات الربانية. فكان من اللازم أن يراعي العواطف البشرية والاتجاهات الإنسانية وذلك ما يتحلى من دراسة القرآن الكريم.

من صفات الإنسان الايجابية والسلبية الحزن والفرح والشجاعة والجبن والغرور والتواضع وعدم الحياء واليقين الكامل والنفاق الباطن والخدعة والصدق والبخل والإنفاق والجود والسخاء والتسرع والصبر والجلد وغير ذلك.

إذا درسنا قصص القرآن تجلت لنا من بينها قصة أصحاب الجنة في سورة القلم، وقد صورت هذه القصة الأثرة والبخل والحرص والطمع، إن هذه القصة المشار إليها وإن كانت وجيزة لكنها مملوءة بالمعنوية، إقروا إن شئتم قول الله عزوجل: إنا بلوناهم كما بلونا أصحاب الجنة إذ أقسموا ليصر منها مصبحين ولا يستثنون، فطاف عليها طائف من ربك وهم نائمون فأصبحت كالصريم فتنادوا مصبحين، أن اغدوا على حرثكم إن كنتم صابرين، فانطلقوا وهم يتخافتون، أن لا يدخلنها اليوم عليكم مسكين، وغدوا على حرد قادرين، فلما رأوها قالوا إنا لضالون، بل نحن محرومون، قال أوسطهم ألم أقل لكم لو لا تسبحون، قالوا سبحان ربنا إنا كنا ظالمين، فأقبل بعضهم على بعض يتلاومون، قالوا يويلنا إنا كنا طاغين، عسى ربنا أن يبدلنا خيرا منها إنا إلى ربنا راغبون، كذلك العذاب ولعذاب الآخرة أكبر لو كانوا يعلمون.

ذكرت في هذه الآية قصة رجال ورثوا جنة خضراء وكان أبوهم مؤمنا صالحا، يعطى الفقراء ولكن لما توفي هذا الأب فورث أبنائه هذه الجنة وأرادوا أن يحرّموا المساكين والفقراء فهذه القصة تصور صورتين متضادتين للطبائع الإنسانية للبخل والإنفاق. للحرص والطمع والتضحية والبذل.

التوجيهات القرآنية في قصة إبراهيم عليه الصلاة والسلام

المفتي محمد مسعود العزيمي الندوي (سهارنفور)

إن أبا الأنبياء إبراهيم عليه الصلاة والسلام كان خليل الله عزوجل، رزق ١٧٥ عاما من العمر، وكان من أولاده إسماعيل وإسحاق، وقد ولد إبراهيم عليه السلام حسب تصريحات التوراة في بلدة ار (UR) في جو يكتنفه عبادة الأصنام والأوثان، وكان بيته مركزا لبيع الأصنام.

كان إبراهيم عليه السلام سليم الفطرة، قال الله عزوجل: لقد آتينا إبراهيم رشده من قبل وكنا به عالمين. فلما رأى قومه حتى أباه يعبدون الأصنام سأل بكل حيرة واستعجاب: ما هذه التماثيل التي أنتم لها عاكفون، أحاب القوم: إنا وجدنا آباءنا كذلك يفعلون. قال إبراهيم عليه الصلاة والسلام: لقد كنتم أنتم وآبائكم في ضلال مبين. هكذا بدأ إبراهيم عليه الصلاة والسلام دعوة الناس إلى الله تعالى، وخاطب أولا أباه وأمه واستعمل لذلك التعبير الذي يجذب حب الأب إليه مثل يأبت، يأبت، ولما أصر القوم على الإشراف بالله ضرب لهم المثال لكنهم تجرعوا على ذلك و تورطوا إلى آخر حد في الشرك والكفر، فكشف إبراهيم عليه الصلاة والسلام شناعة الوثنية وأظهر ألوهية الله عزوجل بكل صراحة.

حتى حاور مرة نمروود في أسلوب بهمه و خلّب عقله، ولم يجر جوابا. قال الله عزوجل: فبهت الذي كفر، ثم خطط نمروود نظاما لإحراقه لكن الله عزوجل صانه و جعله سالما من كل أذى ومكروه. لقد صدق محمد إقبال:

إذا كان إيمان مثل إيمان إبراهيم في قلب الإنسان
كانت النار خامدة وتحولت إلى جنة خضراء غناء

هكذا توجد في حياة إبراهيم عليه الصلاة والسلام المثل العليا للعيش في هذه الدنيا مثل اطمئنان قلبه برؤية معجزة في إحياء الطير. وإسكان زوجته وابنه في أرض غير ذي زرع. واستلقاءه لإسماعيل للذبح في المذبح، وبناءه بيت الله الحرام واستضافته الضيوف بأحسن طريق وولادة إسحاق وغير ذلك.

القصص القرآنية والقصص الأربعة من سورة الكهف

الأستاذ سعود الحسن الندوي (غازيفور)

إن القصص والحكايات لها مكانة عظيمة، لا يجحد أحد أهميتها وتأثيرها على المجتمع، فإن القرآن الكريم الذي يتحدث عن موضوع الهداية يتناول القصص والحكايات بذكرها وكشفها قال الله عزوجل: لقد كان في قصصهم عبرة لأولى الألباب ما كان حديثا يفترى ولكن تصديق الذي بين يديه وتفصيل كل شيء وهدى ورحمة لكل شيء.

إن سورة الكهف هي السورة الثامنة عشرة في ترتيب القرآن وردت في فضائل هذه السورة أحاديث كثيرة وإن موضوعها إصلاح العقائد وبيان الفرق بين الخالق والمخلوق والتركيز على التوحيد الخالص، وقد ذكرت القصص الأربعة (أصحاب الكهف وقصة رجلين متحاورين وقصة موسى والخضر وقصة ذوالقرنين) هذا الموضوع موجود في الآيات الآتية.

١. ربنا رب السموات والأرض لن ندعو من دونه إلها. (سورة الكهف ١٤)
٢. لئن كنا هو الله ربى ولا أشرك ربى أحدا (الكهف ٣٨)
٣. رحمة من ربك وما فعلته عن أمرى (الكهف ٨٢)
٤. قال هذا رحمة من ربى (الكهف ٩٨)

التكرار في القصص القرآنية وحكمتها الأدبية والفنية

محمد فرمان الندوي (ندوة العلماء لکنائ)

القرآن كتاب خالد لله عزوجل، وهو معجزة ربانية ظاهرا وباطنا، لفظا ومعنا، وإن كانت كلماته وتراكيبه وتقديم عباراته، وحسن نظامها تحمل في الظاهر جانبا إعجازيا بالنظر إلى مهارات العرب في اللغة العربية، وتحدهم القرآن بالنسبة إلى ذلك، فإن الآيات (البقرة ٢٣، الكهف ١٠٩، الاسراء ٨٨) تدل على ذلك دلالة واضحة.

لكننا إذا أمعنا النظر في القرآن الكريم عرفنا أن كل لفظ له وكل ما يحمل من معنى بحر لا ساحل له من الإعجاز القرآني، وكلما غاص الإنسان فيه انكشفت أمامه الجوانب المخبوءة للعلم والهداية. إن الشبهات التي أثارها المستشرقون كان من بينها أن القرآن يوجد فيه تكرار، خاصة تكرار القصص، قبل أن نكشف هذا الموضوع كشفا واضحا ينبغي لنا أن نعرف الهدف الأساسي لذكر القصص في القرآن، يقول الإمام الدهلوي:

وليس الغرض من سرد هذه القصص في القرآن الكريم الاطلاع عليها والتعرف على جزئياتها فحسب، بل الغرض الأساسي والحقيقي هو أن ينتقل ذهن القارئ والسماع إلى شناعة الشرك والمعاصي، ومعاقبة الله تعالى عليها، والإيمان بنصر الله تعالى وتأييده، وظهور أطفاه وأفضاله في حق عباده المخلصين. (الفوز الكبير ٤٤)

نزل القرآن في جزيرة العرب، وكان فيها عدد كبير لأدباء العربية وفصحائها فإن القرآن لما خاطبهم وجه إليهم الخطاب حسب مستواهم مع مراعاة أساليبهم اللغوية والأدبية وكان من أساليب كلامهم الإيجاز والإطناب والإعادة والتكرار وكان يسمى ذلك في مصطلحنا بالتصريف قال الله عزوجل: انظر كيف نصرنا الآيات ثم هم يصدفون. لذلك يوجد التكرار اللفظي في القرآن الكريم، وليعلم أن أصل غاية بعثة الأنبياء هي إرشاد الناس إلى الصراط المستقيم وإخراجهم من هوة الشقاء والتعاسة ولا يمكن ذلك إلا بإعادة الكلام مرة بعد أخرى. هذا هو السبب في ما ذكر القرآن قصص الأنبياء متكررة.

إن الأنبياء الذين وردت قصصهم في القرآن أو جاءت أسماؤهم فقط يبلغ عددهم إلى ٢٤ أو ٢٥. مثل آدم، إدريس، نوح، هود، صالح، إبراهيم، لوط، إسماعيل، إسحاق، يعقوب، يوسف، أيوب، شعيب، موسى، هارون، يونس، داود، سليمان، إلياس، إيليا، يحيى، عيسى، ذوالكفل (عند أكثر المفسرين) محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم.

وقد أعاد القرآن ذكر أربعة أنبياء وهم:

آدم وإبراهيم و موسى وعيسى، إذا تأملنا في هذا الموضوع عرفنا أن هناك أربع طبقات توجد في الدنيا. الطبقة العامة والمشركون، واليهود والنصارى. لذلك ذكر الله عزوجل قصة هؤلاء الأنبياء لتكون أحوالهم نبراسا لأمتهم، وقد قال العلامة سيد سليمان الندوي: إن المخاطبين القح للقرآن الكريم أربعة. الحكمة الفنية لتكرار القصص

إن القرآن لم يذكر أي قصة متكررة، بل ذكرها بشئ من الاختلاف، مثال ذلك خلق آدم وسجود الملائكة له، ورفض الشيطان أمر الله ورد في القرآن خمس مرات في البقرة في الأعراف، في الحجر في الكهف وفي ص، لكن يوجد بون شاسع من حيث الاستدلال والاستشهاد، فهذا التكرار ليس تكرارا محضا بل تكرار تنوع وتضارب وتعدد. ولا شك أن العرب كانوا مطلعين على أحوال الأمم المجاورة لهم في السابق وفي الحاضر مثل قوم نوح وقوم هود وقوم صالح وقوم شعيب وقوم موسى فأعاد القرآن ذكره مرارا.

جوانب اللعواطف النسوية في القصص القرآنية

الأستاذ محمد أنوار عالم الندوي (رأي بريلى)

إن قصة موسى كما تصور حياة أمة مظلومة كذلك تكشف القناع عن الجوانب المضيفة للعواطف النسوية، فلما أمر فرعون بقتل الصبيان مخافة أن يحتل واحد منهم عرشه ألفت أم موسى إياه في البحر مغلقا في صندوق، وقد تبعت أثر ذلك أخت موسى عليه الصلاة والسلام حتى وصلت أم موسى إلى القصر الفرعوني، ثم كان وجود بنتين صالحتين عند بئرمدين و مساعدة موسى عليه الصلاة والسلام إياهما حتى جاءت إحداهما تمشى على استحياء قالت إن أبي يدعوك ليحزريك أجر ما سقيت لنا، ثم إنهما قالت بعدما وصلت إلى البيت: يأبت استأجره إن خير من استأجرت القوي الأمين.

إن ملكة سبأ كانت ذات أموال طائلة وحكومة كبيرة لكنها صارت مطيعة لسليمان عليه الصلاة والسلام، فقصتها تكشف عن النواحي البارزة للنساء، وإن حياة مريم عليها الصلاة والسلام وحياة عديد من النساء الأتني جاء تعريضهن في القرآن الكريم تبين هذا الواقع الملموس. هذا إن دل على شي فإنما يدل على كون القرآن معجزة إلهية.

تصوير العواطف والأحاسيس في قصة مريم عليهما السلام

الأستاذ محمد علاء الدين الندوي (ندوة العلماء لکناؤ)

القصة أو كتابة التاريخ ليسا موضوع القرآن، بل هو كتاب الهداية الذي يتوخى بناء حياة مثالية و فلاح دار الآخرة، ومن أساليب القصة التصوير الفني وتمثيل المشاهد والمعاني والوقائع والعواطف، وهو يعتبر ذريعة لإرسال الخبر، وهو مثل نجوم متلألئة يتأثر بها ذهن الإنسان. إن أسلوب القرآن الكريم في تصوير المشاهد والعواطف نموذجي بحيث تتشكل على الحياة الأفكار الذهنية المائجة، كأنها تنطق وتحدث فيها الجاذبية الكاملة، نذكر في ما يلي الأحاسيس والعواطف لمريم العذراء التي كانت أماحنونا لعيسى عليه الصلاة والسلام، فقد ذكر القرآن قصتها في ثماني عشرة آية و في خمسة مناظر ومشاهد.

المشهد الأول: يبدأ من قوله تعالى: اذكر في الكتاب مريم إذ انتبذت من أهلها مكانا شرقيا.

(مريم ١٦)

المشهد الثاني: يبدأ من قوله تعالى: إنما أنا رسول ربك لأهب لك غلاما زكيا. (مريم ٢١)

المشهد الثالث: فحملته فانتبذت به مكانا قصيا. (مريم ٢٢)

المشهد الرابع: فنادها من تحتها أن لا تحزني قد جعل ربك تحتك سريا (مريم ٢٥)

المشهد الخامس: فأنت به قومها تحمله (مريم ٢٧)

الحوار في قصص القرآن: استعراض هوجز

الأستاذ عبد الهادي الأعظمي الندوي

إن الحوار في قصص القرآن يوجد بكل وضوح في تكليم الله موسى و زكريا والحوار الذي جرى بين الله وإبليس، وإبراهيم ولوط وفي قصة هود وصالح وشعيب و موسى مع أقوامهم. أضف إلى ذلك حوار أهل الجنة وحوار أهل الأعراف مع أهل النار وحوار إبراهيم مع الملائكة وحوار رجلين في سورة الكهف وحوار موسى والخضر وفي سورة يوسف حوار يوسف و يعقوب وأبنائه. وقد ذكر القرآن هذه الحوارات بكل تفصيل وإيضاح. إن هذه الحوارات بسيطة وسليسة وواضحة ومؤثرة ومختصرة وجامعة وخالية من الألفاظ الغريبة و نموذج للفصاحة والبلاغة ومظهر لإعجاز القرآن، وتصور أصحابها وأمكنتها وطباعها وهي مملؤة بالحكم والأسرار. ولا شك أنها ثروة قيمة للدعوة والتبليغ.

سر الكلام الرباني

الدكتور غياث الدين الندوي (لكنائ)

كان مخاطبو القرآن مشركي مكة وكانوا أميين يعتمدون على السماع، ثم أهل الكتاب واليهود والنصارى الذين يحملون التوراة، فاختر القرآن لمشركي مكة الأسلوب الساذج البسيط لكن اختار لليهود أسلوبا يخالطه العلم والدراية، وقد ذكر الله عزوجل قصة موسى عليه السلام إما بالاختصار وإما بالشرح والبسط، وكان من خصائص موسى عليه الصلاة والسلام أن الله عزوجل كلمه، فسمي كلیم الله. قال الله عزوجل كلم الله موسى تكليما. (سورة النساء ١٦٤)

إن هذا الكلام الرباني ورد في سورة طه من ١٢ إلى ٤٦، وفي سورة القصص من ٣٠ إلى ٣٥، ذكر بعض المفسرين (العلامة جلال الدين المحلي) في تفسير الآية من سورة طه أن الشجرة التي أكرم عندها موسى عليه الصلاة والسلام بالنبوة هي شجرة عوسج، وهي ذات شوك و ذكر في تفسير آية من سورة القصص أنها شجرة عناب.

إن هذه المكاملة الربانية تصور في جانب جلاله وعظمة المتكلم وكمال قدرته وفي جانب آخر عجز المخاطب و تواضعه أمام الرب تبارك وتعالى، وكم يحمل هذا الكلام جاذبية أن الله عزوجل قال لموسى: إني أنا ربك فاخلع نعليك.

هذا وأمثال ذلك من الكلام الرباني الذي جاء في مثل هذه المواضع.

التكرار في القصص القرآنية وهزايها الأدبية

الأستاذ محمد وثيق الندوي (دارالعلوم ندوة العلماء لكنائ)

القرآن ليس كتاب تاريخ بحيث يذكر فيه تاريخ الأمم الماضية سياسيا وثقافيا، وجماعة وفردا، بل هو كتاب عبرة ونصيحة، نزل هذا الكتاب للترغيب في أعمال الخير والترهيب من العاقبة السيئة، إنه يدعو إلى طهارة القلب ونقاء الفكر والخيال، فإن قصصه لم تذكر إلا أن تجد قافلة الإنسانية غايتها المنشودة، وقد ذكر القرآن في مواضع عديدة حكمة القصص والوقائع، قال الله عزوجل: وكلا نقص عليك من أنباء الرسل ما نثبت به فؤادك وجاءك في هذه الحق موعظة وذكرى للمؤمنين (هود ١٢٠)

وقال تعالى: لقد كان في قصصهم عبرة لأولي الألباب ما كان حديثا يفترى ولكن تصديق الذي بين يديه وتفصيل كل شيء وهدى ورحمة لقوم يؤمنون. (يوسف ١١١)
إن التكرار في القرآن ليس نقصا وعبيا فيه بل هو مطابق للبلاغة و الإعجاز القرآني بحيث إنه تارة يقدم موضوعا كعمود للسورة والموضوع المركزي وتارة يؤخر وتارة يقدم وتارة يستقل به.
يقول المفسر الكبير سيد قطب رحمه الله:

توجد في القرآن الكريم القصص والآيات ويلوح للناظر أنها متكررة، لكنها في الحقيقة مملوءة بالنكت والأسرار، و يوجد في كل تكرار فارق يميز عن الآخر. وهذا الفارق تارة يكون ضئيلا وتارة يكون مهما. وإن كان في التكرار الأهداف الدعوية لكنها لا يخلو من المحاسن الفنية.
وإن من أهم أوجه التكرار أنه يقدم دليلا على دعاوي متعددة، تستخرج من قصة نتائج مختلفة ويستشهد بها في مناسبات متعددة كما أن قصة موسى عليه الصلاة والسلام جاء في القرآن ثلاثين مرة. لكنها ترشد في كل موضع إلى نكتة أو نتيجة.

القصص الإسرائيلية والحقائق القرآنية

الأستاذ عبد السبحان ناخدا الندوي (رائي بريلي)

إن بني إسرائيل كانوا أمة مختارة، أعطاهم الله تعالى التوراة كدستور للحياة، وأكرمها بنعم الدنيا الكثيرة، لكن أغلبية قوم كانت كافرة بأنعم الله تعالى، وتجرات الثورة على الله تعالى، وبيع أحكام الله بثمان بخس دراهم معدودة.

وقد شهد بذلك التوراة فقد ورد في الاستثناء: قال موسى عليه السلام: لا تنسوا أنكم أغضبتهم الله تعالى ولما خرجتم من مصر كنتم ناقضين عهد الله، وناكثين ميثاقه. إن الطغيان قد حرض هؤلاء القوم على تحريف كتاب الله تعالى. وإن انحطاطهم العقلي بعثهم على توجيه الملامة إلى الأنبياء، وهذا لا يختص بنبي واحد فقط بل امتد منذ آدم إلى موسى وهارون عليه الصلاة والسلام حتى إن الأنبياء الذين ورد ذكرهم في التوراة أثاروا الشبهات حول سيرتهم الطاهرة، توجد شهادة ذلك في أسفار التوراة وآيات القرآن الكريم، مثلا إنهم وجهوا التهمة إلى آدم وحواء أنهما يسكنان في الجنة عارين، ولا يستحيان، وإلى نوح أنه شرب الخمر وإلى لوط أنه زنى ابنتيه. إن القرآن الكريم قد كشف هذه الصور المزورة، فقال عن آدم عليه الصلاة والسلام: إن لك أن لا تجوع فيها ولا تعرى، وقال عن نوح عليه السلام: قيل يا نوح اهبط بسلام منا، وبركات عليك، وقال عن إسماعيل ولوط: وإسماعيل ويونس ولوطا وكلا فضلنا على العالمين.

قصة موسى في القرآن الكريم وفوائدها

الدكتور جمشيد أحمد الندوي (عليجراه)

القرآن كتاب هداية، إنه يهدي إلى منابع الفلاح الإنساني ويكشف الجوانب المختلفة للفطرة الإنسانية، فإنه نموذج حي للأدب العربي واللغة العربية، لا يستطيع أحد أن يقدم أدنى رمز له في أي مرحلة من المراحل.

من أساليب القرآن أنه يذكر تاريخ الإنسانية فيأتي بذكر قصص الأنبياء، فمن بين هذه القصص قصة موسى - نبيه الصلاة والسلام التي وردت في البقرة وآل عمران والنساء والمائدة وغيرها من السورة إما موجزة وإما مفصلة.

يقول الشيخ حفظ الرحمن السيوهاروي: إن السبب الرئيس لذكر قصة موسى عليه الصلاة والسلام هو الانسجام الكامل بين موسى ومحمد صلى الله عليه وسلم في أمور شتى، إن قصة موسى ليست قصة فقط، بل هي تاريخ طويل لقوم كافرين، تكشف هذه القصة أن الداعي مطالب بالجهار بالحق أمام العدو. وقد ذكرت هذه القصة لتسلية النبي صلى الله عليه وسلم لأنه كاد أن يخضع نفسه من عدم إيمان القوم.

قصة رجلين كان لأحدهما جنتان

الأستاذ محمد أعظم الندوي (حيدرآباد)

إن سورة الكهف تتحدث عن أربع قصص، منها قصة رجلين كان لأحدهما جنتان، وكان آخرهما فقيراً مسكيناً، لكن الأول كان مغتراً بماله وكافراً بنعمة الله عزوجل، والثاني كان شاكرًا لله ومثلاً حياً للعجز والتواضع، ذكر القرآن قصتهما في اثني عشرة آية من سورة الكهف، (من ۳۳ إلى ۴۴)، فهذه القصة ليست قصة محضة بل مجموعة موعظة ونصيحة، لأنها تشمل عاقبة كل من الكافرين والشاكرين. وقيل: إن هذه القصة تتحدث عن أخوين من بني مخزوم أحدهما كان كافراً واسمه أسود بن عبد الأسد، والثاني كان مسلماً واسمه أبو سلمة عبد الله.

على كل حال فإن هذه القصة ترشد إلى أمور:

۱. إذا كان في ذهن رجل كلام مفيد وهو يريد أن ينفذه فعليه أن يوضحه معتمداً على القصص والأمثلة الهادفة.

٢. تهدف القصة إلى أن الإنسان مطالب بأن يشكر الله عزوجل إذا وجد نعمة أو جاز منصباً أو وظيفة، أو وجد جائزة، ولا يتكلم بقول الكافر المتحجر أنا أكثر منك مالا وأعز نفراً.
٣. ترغب القصة القائمين على الصدق والعدل في أن يسعوا لإصلاح الناس إذا كانوا على خطئ بين، ولا يمنعهم مال ولا ثروة.
- القصة من أهم أنواع الأدب، وهي تشحذ الذهن وتنشط الدماغ وتصلق العقل، وتملأه بالكلمات الحكيمة، هذا ما يتلخص من هذه القصة، وإن من ميزات القصة أن يكون لها اختيار جميل وكشف صريح لجوانبها المتعلقة بالحياة والمجتمع. وبيان واضح لآثارها ونتائجها وفوائدها. وترتيب جيد ونسق حسن وهو ما يوجد في هذه القصة، ولا شك أن هذه القصة تتصف بالحبكة القصصية والحوار الحسن وهما أهم ميزة في فن القصة.

قرارات وتوصيات

إن العلامة السيد أبا الحسن علي الحسيني الندوي قد أطلع العالم الإسلامي على حاجة وضرورة الأدب الإسلامي وسعى في هذا المجال سعياً حثيثاً حتى صارت فكرته اليوم فكرة عامة وتشكلت في صورة شجرة مثمرة تؤتي أكلها كل حين. وقد قدم بنفثات يراعه نماذج كثيرة للأدب الإسلامي ورتب قصصاً قرآنية، في أسلوب سهل سناخ للناشئة وكانت سبباً لصيانة إيمانها وتأتي الأخبار أن غير المسلمين يهتدون إلى الإسلام بقراءة هذه الكتب، نظراً إلى هذا قررت دار عرفات للبحث والنشر في رائي بريلي عقد هذه الندوة الأدبية حول القصص القرآنية:

تركز هذه الندوة على أن القصص القرآنية مؤثرة في إصلاح الناس وتغيير حياتهم من الجاهلية إلى الإسلام فالحاجة ماسة إلى أن تقدم الجوانب التربوية للقصص القرآنية أمام الناس.

تشعر الندوة بالحاجة إلى أن تترجم القصص القرآنية إلى اللغة المحلية القومية بحيث يطلع الناس عليها ويزول سوء الظن والفهم الذي لصق بدماعهم.

ترى الندوة أن يعد أدب الأطفال لأنهم مستقبل الغد وبناءوا المجتمعات وهم يستطيعون صالحاً. ولا يوجد أدب يكمل هذا الفراغ والحاجة شديدة إلى ذلك.

تشكر الندوة رئيس رابطة الأدب الإسلامي العالمية لشبه القارة الهندية والبلدان الشرقية على أنه رأس الندوة الأدبية رغم مشاغله وضعف صحته.

اشترك في هذه الندوة المندوبون من رائي بريلي وحيدرآباد وبتكل وبوفال وسهانفور وعليجراه وهافور وبرتاجراه، وسلطانفور وغازيفور ولكتاؤ.

رابطة الأديب الإسلامي العالمية (الهند)

تعمد ندوتما الأدبية السنوية (٣٠)

على عنوان

"الجوانب التربوية للأدب النبوي"

في المعهد الإسلامي، مانك مئو، سهارنفور في ٧-٨ / أبريل ٢٠١١م

إعداد: الأستاذ إقبال أحمد الندوي

الخطبة الافتتاحية الرئاسية

إن مجال الأدب مجال واسع و شامل، فإنه يشمل جميع جوانب الحياة الإنسانية، و له صلة قوية و علاقة متينة بالحياة، و الإسلام لا يعارض الأدب و لا يخالفه، بل إن القرآن الكريم يعتبر الأدب و اللغة و البيان من نعم الله تعالى التي من الله بها على الإنسان، فيقول: [الرحمن، علم القرآن، خلق الإنسان، علمه البيان] و جاء في الحديث النبوي الشريف أيضاً في وصف الأدب و مدحه: [إن من البيان لسحراً]. و بذلك لا يقر الإسلام بأهمية الأدب و فضيلته فحسب، بل يشجعه و ينصره و يقويه كذلك.

عبر عن هذه الكلمات الرئاسية سماحة الشيخ السيد محمد الرابع الحسيني الندوي رئيس رابطة الأدب الإسلامي العالمية لشبه القارة الهندية في الجلسة الافتتاحية للندوة الأدبية السنوية الثلاثين التي عقدها مكتب رابطة الأدب الإسلامي العالمية في مدينة سهارنفور بولاية أتراباديش (الهند) بتعاون من المعهد الإسلامي في مانك مئو بسهارنفور و هو أحد فروع جامعة ندوة العلماء لكهنؤ، و ذلك في ١٤-١٥ / جمادى الأولى ١٤٣٣ هـ الموافق ٧-٨ / أبريل ٢٠١٢م، على عنوان "الجوانب التربوية للأدب النبوي".

و أضاف الشيخ محمد الرابع الندوي قائلاً و هو يلقي الضوء على أهمية الأدب إن الأدب له علاقة قوية و صلة وطيدة بالدين، لما أنه يشمل جوانب الحياة كلها، و في إطارها يأتي الأدب كذلك، و ليس الأدب ذريعة لمجرد ترويح النفس و تسليتها، و توفير أسباب الراحة و المتعة لها، و ليس الأدب لتحقيق اللذات و الرغبات، و إشباع الرغبة الإنسانية و إقناعها لا غير، و إنما الأدب يحتوي على جوانب الحياة الإنسانية بأسرها، فينبغي لنا أن نستخدم الأدب في بناء الحياة و تكوين السيرة المثالية، و لا نستعمله في

إفساد الحياة و هدمها و تخريبها و ترويج الانحراف و الانحطاط الخلقي و نشر الأخلاق الماحنة في المجتمعات الإنسانية، هذه هي الرسالة لرابطة الأدب الإسلامي العالمية، و لهذا الغرض تم تأسيسها. و ألقى قبل ذلك فضيلة الشيخ نذر الحفيظ الندوي عميد كلية اللغة العربية و آداها بجامعة ندوة العلماء و مدير الجلسة الافتتاحية كلمة تمهيدية في بداية الجلسة، عرّف فيها بالموضوع مسلطاً الضوء على أهميته، مع التعريف برابطة الأدب الإسلامي العالمية و نشاطاتها و خدماتها.

تقرير المصوّتير:

كما قدم الشيخ نذر الحفيظ الندوي تقرير سكريتر رابطة الأدب الإسلامي الشيخ محمد واضح رشيد الحسيني الندوي جاءت فيه بعض التفاصيل عن نشاطات و خدمات رابطة الأدب الإسلامي العالمية و خاصة لشبه القارة الهندية، و عن الموضوع و محاوره، فقال الشيخ محمد واضح رشيد الندوي في تقريره: إن الحديث النبوي الشريف له مكانة مرموقة و منزلة رفيعة في قوة اللغة و جمال البيان و لطافة الأدب و عذوبته، و فصاحة الكلام و بلاغة المعاني، و حسن التعبير و الأداء، و رشاقة الأسلوب و قوة التأثير، في النثر العربي بعد القرآن الكريم، و القرآن الكريم هو الكلام الإلهي المرسل من الله تعالى المعجز، ليست طريقته طريقة الشعر الذي يتبع خطة نظم مألوف، و ليست من النثر المطلق الخالي من جمال التعبير و محسنات اللفظ و الإيقاع أيضاً، بل إنها طريقة بينهما، و لكنها تفوق طريقتي الشعر و النثر كليهما على كل حال، و كلام الرسول صلى الله عليه و سلم أعلى الكلام و أسماءه و أفصحه في الكلام الإنساني بعد الكلام الإلهي القرآن الكريم.

و أوضح الشيخ محمد واضح الندوي في ضوء الحجج و البراهين أن أسلوب النبي صلى الله عليه و سلم أسلوب إلهامي، يستوحى من الوحي الإلهي، فقد تم أدب النبي صلى الله عليه و سلم و تم تشكيل أخلاقه في مدرسة القرآن الكريم، و هذا الأسلوب أسلوب عدم المثال منقطع النظر، و لا يعدله أي أسلوب إنساني و لا يبلغ مبلغه.

كلمة الترحيب و الاستقبال

وقدّم قبل ذلك الشيخ محمد ناظم الندوي مضيف الندوة و الداعي لها و رئيس المعهد الإسلامي بمائك منو، سهارنفور كلمته الترحيبية، ذكر فيها بالتفصيل تاريخ مدينة سهارن فور، و ألقى الضوء كاملاً على نوابع العلم و الأدب فيها و الدور التعليمية و المؤسسات العلمية و المنظمات الخيرية، و خدماتها الدعوية و التعليمية و الإصلاحية.

كلمة الوفود

و تحدث في الجلسة الافتتاحية كل من الشيخ محمد عبد الله المغيثي مدير الجامعة الإسلامية غلزار حسينية أجاره (ميرت) و الشيخ جميل أحمد المدرّس بدار العلوم الديوبندية، و الشيخ المفتي مجد القدوس خبيب الرومي رئيس هيئة الإفتاء بمظاهر علوم سهارنفور (وقف) فعبروا عن خواطرهم و انطباعاتهم حول رابطة الأدب الإسلامي و جهودها الأدبية و أشادوا بخدماتها.

جلسات الهجوة

بعد الجلسة الافتتاحية عُقدت أربع جلسات للبحوث والمقالات، قَدِّم من خلالها ما يقارب خمسين بحثاً قيماً على المحاور المختلفة لموضوع الندوة، و من بين هذه البحوث ٣٩ بحثاً كانت في اللغة الأردنية، بينما كان أحد عشر بحثاً في اللغة العربية.

الأمسية الشعرية

وبهذه المناسبة عُقدت أمسية شعرية أيضاً، بعد صلاة العشاء في ٧ / أبريل ٢٠١٢م أنشد فيها الشعراء الخليون و الوافدون أبياتهم، ترأسها شاعر المديح النبوي الدكتور تابش مهدي، و أدارها الشيخ محمد علاء الدين الندوي. أما الشعراء الذين أنشدوا أبياتهم فهم أسرار أحمد القاسمي، و واحد السهارنفوري، و الدكتور شاهد الزبير، و المقرئ محمد معاذ، و ندم الديوبندي، و الدكتور عابد وفا، و مسرور أجمل، و جميل المانوي، و عبد الرحمن شوق المانوي، و رئيس الأمسية الدكتور تابش مهدي.

الجلسة الختامية

القرارات و انطباعات المنديبين

بعد الجلسة الافتتاحية و أربع جلسات للبحوث انعقدت الجلسة الختامية في ٨ / أبريل ٢٠١٢م تحت رئاسة سماحة الشيخ السيد محمد الرابع الحسيني الندوي، عرضت على الحفل أولاً قرارات وافق عليها الحضور بالصوت، قرأها الشيخ نذر الحفيظ الندوي، ثم قدم الشيخ محمد ظهور رئيس جمعية العلماء بسهارنفور و الشيخ إقبال أحمد الفلاحى الندوي المدني الأستاذ بفلاح دارين تركيسر، سورت (غجرات) و الشيخ محمد إلياس رئيس أنجمن خدام القرآن روركي انطباعاتهم، و أبدوا سرورهم بهذه الندوة الأدبية و تقديرهم لها، و مدى تأثرهم بالرابطة الأدبية الموقرة، و صرحوا بجلالة الموضوع و خطورته، كما نصحوا الحضور بالتأسي بأسوة النبي الكريم صلى الله عليه و سلم مع التاكيد على ضرورة عقد مثل هذه الندوات في المستقبل.

و مما جاء في القرارات أن الحديث النبوي الشريف الذي هو كلام سيد المرسلين و خاتم النبيين محمد بن عبد الله الأمين و الذي يحمل في طيه أثراً أديباً بليغاً و يفيض على الحياة النور و الضياء كانت هذه الندوة الأدبية سبباً لفهم نظرية هذا الأدب الواسعة و العالمية.

و أن هذه الندوة توصي المساهمين في الندوة و أصحاب العلم و الأدب الآخرين أن يوسعوا نطاق الأدب العالمي أكثر فأكثر، و يعقدوا في محل إقامتهم ندوات صغيرة و كبيرة على الصعيد المحلي أو الوطني حيث يظهر تعريف الأدب الصحيح و المناسب، فبذلك نستطيع أن نقلل من أثر الأدباء المحترفين الذين يعتبرون الأدب غير نافع و غير مفيد و يستخدمونه في المعنى الضيق المحدود و يسيطرون عليه على وجه غير صحيح.

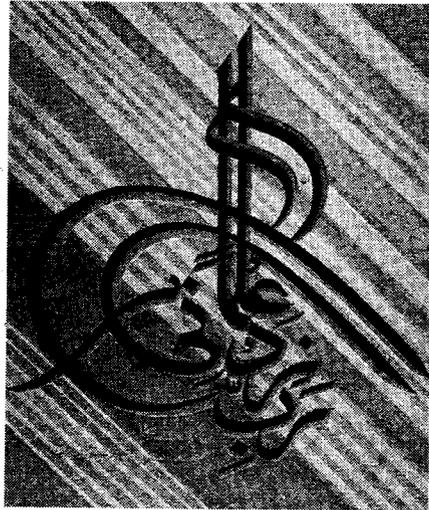
الخطابه الرئاسية

و في الأخير ألقى سماحة الشيخ السيد محمد الرابع الحسيني الندوي كلمته الختامية الرئاسية، و ذكر بعض خصائص رسول الله صلى الله عليه و سلم الأدبية و مختلف جوانب أدبه النبوية في ضوء الآية الكريمة [يا أيها النبي إنا

أرسلناك شاهداً ومبشراً ونذيراً، وداعياً إلى الله بإذنه، وسراجاً منيراً] وقال إن الله تعالى جعل رسول الله صلى الله عليه وسلم مثلاً كاملاً ونموذجاً أعلى للأخلاق والمثل العليا الإنسانية، ومنحه البيان وأحله محلاً رفيعاً من الفصاحة والبلاغة. وإن القدرات الأدبية والملكات البيانية لمن أعظم نعم الله على الإنسان التي من الله بها عليه، لما أننا نستطيع بها إيصال كلماتنا ومشاعرنا وأحاسيسنا وعواطفنا وخواطرنا إلى الآخرين، والألفاظ والكلمات لا تكون جامدة، وإنما هي تحمل في طيها الكيفية من الحرارة والبرودة، فتختلف كيفية الألفاظ ذات المعنى الواحد عن غيرها حسب الظروف والمقتضى.

خاتمة الخبر

وأخيراً تقدم الشيخ محمد ناظم الندوي رئيس المعهد الإسلامي مضيف الندوة والداعي لها بتوجيه أسمى معاني الشكر والتقدير إلى المنذوبين والمساهمين والحضور، وانتهت الندوة بدعاء من رئيس الرابطة ورئيس الجلسة.



رابطہ ادب اسلامی کے مقاصد

- ادب اسلامی کا فروغ اور اس کے قدیم و جدید خط و خال کو نمایاں کرنا۔
- نقد ادب کے اسلامی اصول کی تدوین۔
- جدید ادبی فنون خاص طور سے افسانہ، ڈرامہ، ناول اور سوانحی ادب کے ادبی معیار کے لئے مفصل نظام کی ترتیب اور ان تمام فنون کو با مقصد اسلامی ادب کے تابع کرنا۔
- تاریخ ادب اسلامی خاص طور پر اس کے نثری سرمایہ کی تاریخ کی تدوین جدید اور مورخین نے اس کے جن اعلیٰ نمونوں کو نظر انداز کر دیا ہے، انہیں نمایاں کرنا۔
- قابل قدر اور دلکش ادبی تخلیقات اور نگارشات جو اسلامی ادباء کی جدوجہد کا نتیجہ ہیں ان کی جمع و تدوین اور انہیں مختلف مسلم اور غیر مسلم اقوام کی زبانوں میں منتقل کرنا۔
- غیر اسلامی اور باطل ادبی تحریکات کا مقابلہ اور ان کے عیوب و نقائص اور خطرات سے دوسروں کو آگاہ کرنا۔
- اسلامی تحریکات کی حمایت و نصرت میں اس ادب کا حصہ اور کلمہ حق کے ذریعہ مسلمانوں کا دفاع۔
- اسلامی ادب کو عالمی معیار عطا کرنے کے لئے مختلف ممالک کے اسلامی ادباء سے گہرے روابط پیدا کرنا، انہیں کلمہ حق پر متحد ہونے اور آپس میں تعاون کرنے پر آمادہ کرنا، اس طور پر کہ وہ ایسی اسلامی طاقت بن جائیں جس کا ہتھیار با مقصد ادب اور کلمہ طیبہ ہو۔
- اسلامی ادباء کے مادی اور معنوی حقوق کا دفاع اور ان کے ادبی کام کی نشر و اشاعت کے لئے وسائل مہیا کرنا۔



Designed & Printed at :

Mashhud Enterprises

504/21-C, Tagore Marg, (Nadwa Road) Lucknow-20

Mobile : 9839133588, 9235794786, 9451947786

Telefax : 0522-2740966 E-mail : mailofficeindia@gmail.com